

ضربات الحنفية على هامات الوهابية

(السرد)

# ڈھول کا یول

(از قلم)

مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی (مفتی احناف UAE)

و

# براهین رضوی

(حصہ اول و دوم)

(از قلم)

ڈاکٹر قاری ابوالحسن محمد ارشد مسعود اشرف چشتی رضوی

إسلامیہ تحفظ علماء اہل سنت

مکتبہ اہل سنت

ضربات الحنفية على هامات الوهابية

(المعروف)

# ڈھول کا پول

(از قلم)

مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی (مفتی احناف UAE)

بانی و ناظم (اعلیٰ)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یونیورسٹی (واہنڈو گوجرانوالہ، پاکستان)

## براہین رضوی (حصہ اول و دوم)

(از قلم)

ڈاکٹر قاری ابوالحسن محمد ارشد مسعود اشرف چشتی رضوی

ناظم تعلیمات

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یونیورسٹی (واہنڈو گوجرانوالہ، پاکستان)

بانی و مدظلہ اعلیٰ: دار القلم اسلامک ریسرچ سنٹر پاکستان



## فہرست

### ڈھول کا پول

6	غیر مقلدین پر کئے جانے والے بارہ (12) سوال وغیر مقلدین کی طرف سے ہمت آزمائی کا جواب بنام ڈھول کا پول	1
15	سوال نمبر ۱ کا جواب الجواب	2
17	سوال نمبر ۲ کا جواب الجواب	3
20	سوال نمبر ۳ کا جواب الجواب	4
23	سوال نمبر ۴ کا جواب الجواب	5
26	سوال نمبر ۵ کا جواب الجواب	6
28	سوال نمبر ۶ کا جواب الجواب	7
31	سوال نمبر ۷ کا جواب الجواب	8
32	سوال نمبر ۸ کا جواب الجواب	9
35	سوال نمبر ۹ کا جواب الجواب	10
43	سوال نمبر ۱۰ کا جواب الجواب	11
47	سوال نمبر ۱۱ کا جواب الجواب	12
57	سوال نمبر ۱۲ کا جواب الجواب	13
برائین رضوی (حصہ اول)		

## جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: ضربات الحنفیۃ علی ہامات الوہابیۃ  
(المعروض)

(ڈھول کا پول و براہین رضوی اول، دوم)

از قلم: مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی مدظلہ العالی

ڈاکٹر قاری ابوالحسن محمد ارشد مسعود اشرف چشتی رضوی

صفحات: 256

قیمت:

الناشر

ادارہ تحفظ عقائد اہلسنت

130	غیر مقلدین اور ادلہ اربعہ	29
134	لطیفہ	30
137	غیر مقلدین لاندہب ہیں	31
140	اعلیٰ حضرت پر تہمت کا جواب	32
142	اہلسنت کی طرف سے گالیاں دینے کے الزام کا جواب	33
154	علیہ کی کا مناظرہ گوجرانوالہ کے فرار سے فرار	34
184	لطیفہ	35
188	بحث منسوخیت قنوت نازلہ	36
193	وہابیوں کا امام احمد بن حنبل کو بدعتی کہنا	37
198	عائیانہ نماز جنازہ کی بحث	38
204	نماز جنازہ میں سر اور جہر پڑھنے کی بحث	39
212	علیہ کی کی بدحواسی	40
222	راوی سماک بن حرب پر بحث	41
223	ہاتھ باندھنے کی بحث	42
228	اذان تہجد کی بحث	43
234	بسم اللہ جہر سے کہنے کی بحث	44
238	ننگے سر نماز پڑھنے کی بحث	45
253	صفوں میں ٹانگیں ملانے کی بحث	46

59	لاندہب زیر علیہ کی طرف سے کئی سال بعد کی گئی طبع آزمائی کا جواب بنام براہین رضوی (حصہ اول)	14
66	اعلیٰ حضرت محدث بریلی رحمہ اللہ کے ملفوظات کی ایک عبارت پر کیا گیا اعتراض اور اس کا جواب	15
82	سوال نمبر ۱ کا جواب الجواب	16
89	سوال نمبر ۲ کا جواب الجواب	17
91	سوال نمبر ۳ کا جواب الجواب	18
92	سوال نمبر ۴ کا جواب الجواب	19
97	سوال نمبر ۵ کا جواب الجواب	20
98	سوال نمبر ۶ کا جواب الجواب	21
109	سوال نمبر ۷ کا جواب الجواب	22
112	سوال نمبر ۸ کا جواب الجواب	23
117	سوال نمبر ۹ کا جواب الجواب	24
119	سوال نمبر ۱۰ کا جواب الجواب	25
120	سوال نمبر ۱۱ کا جواب الجواب	26
122	سوال نمبر ۱۲ کا جواب الجواب	27
براہین رضوی (حصہ دوم)		
126	وہابیوں کا آدھا تیر آدھا ٹیٹر	28



## غیر مقلدین پر کئے جانے والے بارہ

### (12) سوال

#### سوال نمبر (۱)

کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز وتر میں بعد از رکوع عام دُعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی ہے یا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے؟

#### سوال نمبر (۲)

کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز جنازہ کی تمام تکبیرات میں رفع الیدین کرنے کا حکم فرمایا ہے یا آپ ﷺ نے خود نماز جنازہ کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین فرمایا ہے؟

#### سوال نمبر (۳)

حضور اکرم ﷺ نے اپنے کس کس شہید صحابی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی؟

#### سوال نمبر (۴)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز جنازہ میں امام دُعا کیں بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں؟

#### سوال نمبر (۵)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز وتر میں رکوع کے بعد امام بلند آواز سے دعائے قنوت پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں؟

#### سوال نمبر (۶)

کیا نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں یا آپ ﷺ نے

خود نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے تھے؟

#### سوال نمبر (۷)

کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کہنی پر رکھا تھا؟

#### سوال نمبر (۸)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ آپ ﷺ نے پورا سال تہجد کی اذان کا حکم فرمایا ہو؟ وہ اذان رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو بلکہ پورا سال تہجد کے لئے ہو؟

#### سوال نمبر (۹)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز باجماعت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا ہو یا خود پڑھی ہو؟

#### سوال نمبر (۱۰)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات تک رفع الیدین عند الركوع و بعد الركوع کیا تھا؟

#### سوال نمبر (۱۱)

ایک صحیح، صریح، مرفوع، غیر محتمل حدیث پیش کریں کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم حدیث میں ہو؟

#### سوال نمبر (۱۲)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں جس میں نماز میں دو دو فٹ کھلے پاؤں کر کے کھڑے ہونے کا حکم ہے؟



# ڈھول کا پول

(از قلم :

محدث کبیر حضرت علامہ مولانا محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یونیورسٹی (واہنڈو گوجرانوالہ، پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾

لامذہبوں کی طرف سے مذہب حق اہل سنت و جماعت پر اعتراضات کی بوجھاڑ اور ہر کارِ خیر کو بدعت کہنے کی روش میں روز بروز اضافے اور غلط پراپیگنڈہ کو دیکھتے ہوئے ہم نے چند احباب کے حکم کے مطابق لامذہبوں کو آمینہ دکھانے کا ارادہ کیا اور لامذہبوں کے معمولات پر چند سوالات وارد کئے کہ مسلمانوں کے اعمال خیر کو بدعت کہنے والے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

ہم نے پہلی قسط کے طور پر ربیع الاول شریف میں بارہ (۱۲) ربیع الاول کی مناسبت سے بارہ (۱۲) سوالات کئے۔ سوالات ایسے تھے جن پر لامذہب عمل پیرا ہیں۔ ایک سائل ہونے کے ناطے سے نہ کسی پر اعتراض، نہ گالی گلوچ کیا گیا تھا بلکہ صرف سوالات کئے گئے تھے جو کہ ہر کسی کو حق پہنچتا ہے اس میں برا منانے کی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ ابھی تک ان بارہ سوالوں کے دو حضرات کی طرف سے تحریری جوابات موصول ہوئے ہیں۔

پہلے حافظ محمد عبداللہ انجم (وہابی) خطیب واہنڈو کی طرف سے کہ جن کے جوابات ہم نے انہی کی مسجد کے قریب جلسہ عام میں بہت بڑے مخلوط مجمع کے سامنے دے دئے تھے۔ پھر وہ جوابات گوجرانوالہ کے ایک لامذہب مولوی عبدالرشید انصاری نے ہمیں بذریعہ ڈاک ارسال کر دیئے، اور جواب الجواب کا مطالبہ کیا۔ ہم نے پہلی فرصت میں دس صفحات میں مختصر جواب الجواب ارسال کر دیا۔

دوسرا جواب ایک لامذہب مولوی فاروق اصغر صارم نے تحریری طور پر دیا۔ ہم دونوں حضرات کے جوابات کے جوابات مختصر عرض کر رہے ہیں تاکہ حق کے متلاشیوں کو حقیقت کا



پتہ چل جائے

☆ مولوی فاروق اصغر صارم نے لکھا ”ہم آپ حضرات کے بے حد شکر گزار ہیں کہ ہمیں غیر مقلدین اور وہابی کے نام سے مخاطب کیا، یہ الفاظ اگرچہ آپ نے گالی کے طور پر لکھے لیکن ہم اسے اپنے لئے بہت بڑا اعزاز اور باعث افتخار قرار دیتے ہیں کیونکہ غیر مقلدین وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کی گردن میں کسی انسان کا پٹا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اسے پسند کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطیع، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے متبع، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال صحیحہ کے قدردان اور آئمہ کرام کی عزت و احترام کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کا قدیمی لقب ”اہل حدیث اور اہل سنت“ ہے۔

**اقول:** ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح عالم کو عالم اور جاہل کو جاہل کہنا، اسی طرح مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر کہنا گالی ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے، اسی طرح سنی کو سنی اور وہابی کو وہابی کہنا بھی گالی نہیں، پھر اگر کوئی گالی سمجھتے ہوئے بھی اس کو اعزاز سمجھتے تو اس کو اس طرح باور ہی نہ کروانا چاہئے کہ فلاں نے ہمیں وہابی کہہ کر گالی دی ہے۔

ہم بھی یہ جانتے ہیں کہ آپ کی گردنوں میں کسی انسان کا پٹہ نہیں ہے اور نہ ہی آپ اسے پسند کرتے ہیں (سوائے اپنے مولویوں کے پٹے کے) حتیٰ کہ شرفِ انسانیت محبوبِ خدا محمد مصطفیٰ ﷺ۔

☆ مولوی صارم نے لکھا: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اپنی اطاعت، اتباع کا حکم دیا ہے تقلید کا نہیں۔

**اقول:** کیا اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم نہیں فرمایا؟

کیا آئمہ مجتہدین اولی الامر میں داخل ہیں یا نہیں؟

اگر ہیں تو ان کی تقلید قابلِ مذمت کیوں؟ اور اگر داخل نہیں تو اس کی کیا دلیل ہے؟

**مقولہ لا مذهب:** ”دنیا کا کوئی فرد صحابہ کو مقلد کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔“

**اقول:** ”صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خود مجتہد تھے، جو مجتہد ہوتا ہے وہ مقلد نہیں ہو سکتا اس لئے کوئی شخص ان کو مقلد نہیں کہتا۔ موجودہ دور کے لامذہب (وہابی) نہ مجتہد ہیں اور نہ ہی آئمہ مجتہدین کے مقلد، بلکہ اپنے جاہل مولویوں کے مقلد ہیں کیونکہ اپنے مولویوں کے خیالات کے مخالف نہ قرآن کی آیت دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی احادیث صحیحہ کی پرواہ کرتے ہیں۔

**مقولہ لا مذهب:** ”بے نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اطاعت و اتباع جیسے قرآنی اور حدیث کے کلمات کو نظر انداز کر دیا اور اندھی تقلید پر قناعت کر بیٹھے اور اسلاف و آئمہ امت کے بالمقابل جا کھڑے ہوئے۔“

**اقول:** معلوم ہوتا ہے کہ اس عقل کے اندھے کو تقلید و اطاعت کے مفہوم و معانی کا بھی علم نہیں ہے ورنہ میں عرض کروں گا کہ بدنصیب ہیں وہ لوگ جو قرآن و حدیث کے الفاظ کو چھوڑ کر اپنے آپ کے لئے وہابی، اہل حدیث، سلفی، اشری، زاہدی، نجدی وغیرہ کے الفاظ و نام پسند کرتے ہیں

**مقولہ لا مذهب:** اگر آپ کو انکار ہے تو بتائیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اور بنی ﷺ نے اپنی امت کو کہا کہ ہماری تقلید کرو۔

**اقول:** پہلے آپ تقلید و اطاعت کے مفہوم کو پڑھ لیں اس کا جواب آپ کو خود بخود پتہ چل جائے گا، ویسے عرض یہ ہے کہ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ کسی مجتہد کی تقلید نہ کرنا، اگر فرمایا ہے تو کہاں ہے بحوالہ لکھئے۔



**مقولہ لا مذہب:** کیا امام ابوحنیفہ مقلد تھے؟

**اقول:** کیا مقلد کی بھی تقلید کی جاتی ہے؟

**مقولہ لا مذہب:** ”تو سنئے ہم خود کو اہل حدیث کہتے ہیں۔“

**اقول:** اپنے آپ کو جو چاہے ہر شخص کہلا سکتا ہے لیکن یہ اہل حدیث نام آپ نے کب سے رکھا ہے؟ تمام اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ نام آپ کے بڑوں نے انگریز سرکار سے الاٹ کروایا تھا، تاریخ گواہ ہے۔

ہم الحمد للہ اہل سنت ہیں اور ہم نے یہ نام کسی انگریز یا یہودی سے الاٹ نہیں کروایا بلکہ اللہ کے محبوب ﷺ اور ان کے پیارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہمیں یہ نام عطا فرمایا ہے اور غیر اہل سنت میں عموم ہے جس میں بھی اہل بدعت وغیر مسلم شامل ہیں۔

**مقولہ لا مذہب:** ”آپ نے وہابی کا کلمہ ہمارے لئے بطور گالی کے استعمال کیا ہے۔“

**اقول:** یہ نام ہی اتنا بدنام ہے کہ یہ کسی بھی سچے مسلمان کے لئے گالی سے کم نہیں ہے۔

**مقولہ لا مذہب:** ”کیونکہ وہاب اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اس کو ماننے والا اس کے احکام پر عمل کرنے والا وہابی کہلانے کا حقدار ہے۔“

**اقول:** دہر بھی اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے لہذا آپ دھریئے ہوئے اس لئے آپ کا کوئی قصور نہیں ہے، لہذا آج کے بعد آپ اپنے نام کے ساتھ دھریہ لکھا کریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

**مقولہ لا مذہب:** ”وہابی کہہ کر اگر آپ نے ہماری نسبت اس مجدد ”محمد بن عبد الوہاب“ کی طرف کی ہے جنہوں نے حجاز کی مقدس سرزمین پر قبور یوں، مشرکوں اور بدعتیوں کی حکومت کا قلع قمع کیا اور نظام نبوی کی ترویج و تبلیغ کے لئے ان تھک تگ و دو کی، تو

ہمارے لئے یہ نسبت بھی ناپسند نہیں۔

**اقول:** وہ گستاخ رسول اور شیطان کا سینک مجھ تو ہرگز نہیں ہو سکتا، ہاں مرزا قادیانی کی طرز کا مجدد ضرور ہوگا۔

آپ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نجدی سینک سے پہلے بارہ (۱۲) صدیاں حجاز مقدس پر معاذ اللہ مشرکوں کی حکومت تھی، پوری اُمت محمدیہ کو مشرک سوائے نجدی وہابی کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا، اس لئے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قال رسول الله ﷺ: ان ما أتخوف عليكم رجل قراء القرآن حتى اذا روئيت بهجته عليه و كان ردائا للاسلام، غيره الى ما شاء الله، فانسلك منه، ونبذه وراء ظهره، وسعى على جاره بالسيف، ورماه بالشرك قال: قلت: يا نبي الله ﷺ، أيهما أولى بالشرك، المرمى أم الرامي؟ قال: بل الرامي - (صحيح ابن حبان ۲۸۲/۱) (۸۱) مسند البزار كشف الاستار ۱/۹۹ (۱۷۰) مشکل الآثار ۲/۳۲۴ (۸۶۵) المعجم الكبير ۸۸/۲۴ (۱۲۹) مسند الشاميين ۲/۲۵۴ (۲۹۱) كتاب المعرفة والتاريخ للفسوي ۳۵۸/۲، عن معاذ بن جبل، وغيرهم -

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”مجھے تم پر اس شخص کا ڈر ہے جو قرآن پڑھے گا، جب اس پر قرآن کی رونق آجائے گی اور اسلام کی چادر اس نے اوڑھ لی ہوگی تو اللہ اسے جدھر چاہے گا بھگا دے گا، وہ اسلام کی چادر سے نکل جائے گا اور اسے پس پشت ڈال دے گا اور اپنے پڑوسی پر تلوار چلانا شروع کر دے گا اور اس پر شرک کے طعنے مارے گا، راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اے اللہ عزوجل کے نبی ﷺ شرک کا زیادہ حق دار کون ہوگا، جس پر شرک کی تہمت لگائی جائے گی یا شرک کی



ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس طریق میں ”اذا رفعت رأسی ولم يبق الا السجود“ یہ قابل غور ہے، میں نے فوائد ابو احمد بن الحسین بن مہران کا دوسرا جزء حاکم کی تخریج کے ساتھ دیکھا اس میں یہ حدیث اس سند سے یوں ہے:

”حدثنا محمد بن يونس المقرئ ثنا الفضل بن محمد البیهقي ثنا ابو بكر بن شيبه المديني الحزامي ثنا ابن ابى فديك عن اسماعيل بن ابراهيم بن عقبه بسنده --- خلاصہ رسول اللہ ﷺ کے قول فعل اور صحابہ کے عمل سے قنوت قبل الركوع ہی ثابت ہے۔ (صلوة الرسول ۳۰۰-۳۰۱)

**مقولہ لا مذهب:** ”باقی رہا ہاتھ اٹھانے کا مسئلہ۔“

**اقول:** سوال ہے قنوت فی الوتر کا اور جواب ہے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ کا استدلال تو ایسا بمصداق شاعر:

بک رہا جنوں میں کیا کیا کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

پھر جو روایت پیش کی اس کی سند بھی ضعیف۔

مذکورہ روایت کی سند اس طرح ہے: ”أخبرنا أبو عبد الرحمن السلمی وأبو نصر بن قتادة قالاً أنبأ أبو محمد يحيى بن منصور القاضي أنبأ أبو القاسم علي بن صقر بن موسى السكري ببغداد في سويقة غالب من كتابه ثنا عفان بن مسلم ثنا سليمان بن المغيرة عن ثابت عن أنس بن مالك ---“

(السنن الكبرى للبيهقي ۲/۲۲۱)

یہ سند ضعیف ہے اس میں ایک راوی علی بن صقر ہے جس کو امام دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں: ”ليس بالقوي“ (سوالات الحاکم عن الدارقطني ۱۲۴)

اور اس کی توثیق کسی سے بھی نہیں ملی۔

نوٹ: اس روایت کے ایک دوسرے راوی عفان بن مسلم ہے ان کے بارے میں قبلہ نے امام ابن عدی کے حوالہ سے سلیمان بن حرب از دی کا قول نقل کیا تھا کہ ”کان بطيئا ردئ الحفظ بطيئ الفهم۔“ (الاکامل فی الضعفاء ۵/۲۰۲) یہ جرح موجود ہے، مگر عفان بن مسلم جمہور کے نزدیک ثقہ راوی ہے۔ ارشد مسعودی عنہ۔

مزید اس بارے میں عزیز کی کے سوال کے جواب میں بیان ہو چکا۔

**مقولہ لا مذهب:** ”اس کی مثال یوں ہے کہ کسی بھی مرفوع صحیح، صریح حدیث میں نہیں آیا کہ آپ ﷺ نے نماز جنازہ میں سبحانک اللہم پڑھا ہو یا تلقین فرمائی ہو اس کے باوجود فرض نماز کی طرح جنازہ کو نماز سمجھتے ہوئے ہم اور آپ بھی سبحانک اللہم پڑھ لیتے ہیں۔“

**اقول:** ہم تو اس لئے سبحانک اللہم جنازہ میں پڑھتے ہیں کہ ہم قیاس کے قائل ہیں، ہم جنازہ کی شاکو فرض نماز کی ثناء پر قیاس کرتے ہیں لیکن چونکہ آپ لوگ نہ صرف قیاس کے منکر بلکہ قائلین قیاس کو گمراہ اور ابلیسی ٹولہ جیسے مکروہ و نازیبا القاب سے یاد کرتے ہیں، اس لئے آپ یہ نہیں پڑھ سکتے، ویسے یہ آپ نے خود ہی اپنے آپ پر ایک سوال کھڑا کر لیا ہے۔ الحمد للہ ہمارا سوال نمبر (۱) اسی طرح قائم ہے اور تمام وہابیوں اور لاندہبوں کے سر پر ہمارا یہ اُدھار ابھی تک قائم ہے اور تا قیامت قائم رہے گا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

**سوال نمبر (۲)**

کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز جنازہ کی تمام تکبیرات میں رفع الیدین کرنے کا حکم فرمایا ہے یا آپ ﷺ نے خود نماز جنازہ کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین فرمایا ہے؟



**جواب:** ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ (العلل لدارقطنی)

اس روایت کے متعلق شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”اس روایت کے تمام رواۃ ثقاة ہیں۔ عمر بن شہب ثقفی راوی ہے۔ (بحوالہ حاشیہ فتح الباری ۳/۱۹۰)

اس روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔“ (صحیح البخاری مع الفتح ۳/۱۸۹)

**اقول: سبحان اللہ!** رواۃ کی ثقاہت بیان کرنے کے لئے پوری امت سے صرف ابن باز ہی ملا۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ کہاں کا محدث ہے اور اس کی رائے رواۃ کی ثقاہت و ضعف میں کہاں تک معتبر ہے؟

اور پھر مجیب نے یہ روایت امام دارقطنی کی علل الحدیث کے حوالے سے نقل کی ہے اور امام دارقطنی کا فیصلہ ہضم کر گیا، آخر کیوں؟

غیر مقلدین کے محدث شمس الحق عظیم آبادی نے لکھا ہے۔

قال الدارقطنی هكذا رفعه عمر بن شبة وخالفه جماعة فرووه عن يزيد بن هارون موقوفا وهو الصواب - (التعليق المغني على سنن الدارقطنی ۲/۷۵)

لہذا یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں ہے، جیسے کہ آپ ہی کے ایک محدث عبدالرحمن مبارک پوری نے ”تحفة الاحوذی“ میں اس کی صراحت کی ہے، اور مولوی محمد عبدہ فیروز آبادی لامذہب نے لکھا ہے کہ:

امام شوکانی نے لکھا ہے: ”والحاصل انه لم يثبت في غير التكبير الاولى شيء يصلح للاحتجاج به عن النبي ﷺ وأفعال الصحابة وأقوالهم لا حجة فيها

فينبغي أن يقتصر على الرفع عنه تكبيرة الأحرام۔ [نیل الأوطار ۴/۱۰۲]

اور حاصل کلام یہ ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے رسول اللہ ﷺ سے کوئی شے (حدیث) ایسی نہیں جس سے احتجاج کیا جاسکے۔ باقی رہے اقوال و افعال صحابہ، وہ ویسے ہی حجت نہیں ہیں، لہذا چاہیے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع الیدین کیا جائے۔

علامہ البانی اپنے احکام میں لکھتے ہیں:

تکبیر اولی کے ماسوا باقی تکبیرات میں رفع الیدین کی مشروعیت پر ہمیں کوئی دلیل نہیں مل سکی لہذا یہ غیر مشروع ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے، امام شوکانی وغیرہ محققین نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور یہی مسلک ابن حزم (غیر مقلد لامذہب) کا ہے۔

(احکام الجنائز ص ۱۷۹ از فیروز آبادی)

مولوی وحید الزمان (غیر مقلد) نے لکھا: ”ولا يرفع يديه الا في تكبيرة الاولى“۔

(كنز الحقائق من فقه خير الخلائق ص ۷۱)

اور سوائے پہلی تکبیر کے (جنازہ میں) رفع الیدین نہ کیا جائے۔

**مقولہ لا مذہب:** ”اس روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ (صحیح البخاری مع الفتح ۳/۱۸۹)

**اقول:** یہ صحیح البخاری، بخاری کی کس عبارت کا ترجمہ ہے؟

صحیح بخاری میں صرف ”ويرفع يديه“ کے الفاظ ہیں یہ ہر تکبیر کے ساتھ آپ کہاں سے لے آئے؟

کیا یہ دھوکہ دہی اور جھوٹ نہیں؟

جب کہ اس کے تحت امام الفقہاء والمحدثین امام بدر الدین عینی فرماتے ہیں:



(و یرفع یدیه) مطلق یتناول الرفع فی أول التکبیرات و یتناول الرفع فی جمیعہا وعدم تقیید البخاری ذلك يدل علی أن الذي رواه فی کتاب رفع الیدین غیر مرضی عنده اذ لو کان رضی به لکان ذکره فی الصحيح أو قید --- قد ذکرنا عن قریب أن ابن حزم حکى عن ابن عمر أنه لم یرفع الا فی الأولى وقال لم یأت فیما عدا الأولى - (عمدة القاری شرح صحیح البخاری ۱۲۳/۸)

اور آپ ہاتھ اٹھاتے یہ مطلق ہے، یہ ممکن ہے کہ آپ صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ تمام تکبیرات میں ہاتھ اٹھاتے، اور امام بخاری کا اس کی تفسیر نہ فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام بخاری نے جو رفع الیدین میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین روایت کیا ہے آپ اس سے خوش نہیں، اور اگر آپ اس کو صحیح سمجھتے تو اپنی صحیح میں اس کو نقل کرتے یا اس کی کم از کم تفسیر ہی کر دیتے، اور ہم نے بیان کیا ہے کہ ابن حزم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے اور اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔

اس تمام بحث سے ثابت ہوا کہ ہمارا سوال ابھی تک قائم ہے اور دونوں وہابی لاندہب اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

### سوال نمبر (۳)

حضور اکرم ﷺ نے اپنے کس کس شہید صحابی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی؟

جواب: ”عبارت سوال سے واضح ہو رہا ہے کہ غیر شہید کی غائبانہ نماز جنازہ آپ تسلیم کر چکے ہیں۔“

اقول: سوال میں شہید کی قید صرف اس لئے لگائی گئی ہے کہ آج کل جگہ جگہ لاندہب اپنے نام نہاد شہداء کے غائبانہ جنازے بڑے دھوم دھام سے، اشتہار چھپوا کر، گاؤں گاؤں اعلانات کر کے پڑھاتے ہیں۔ دراصل چونکہ وہابی لوگ شتر بے مہارتی کی قوم ہے، ان کا مذہب شہر بدلنے سے بدل جاتا ہے اور وقت بدلنے سے بدل جاتا ہے آج سے چند سال پہلے وہابی شہید کی مطلق نماز جنازہ کے ہی قائل نہیں تھے، اگرچہ شہید کی میت سامنے موجود ہو لیکن اب چندہ بٹورنے کے لئے غائبانہ بھی شروع کر دی ہے۔

لاندہب مجیب کا کہنا ہے کہ ”جو دلیل غیر شہید کی ہے وہی دلیل شہید کی سمجھ لیجئے۔“

اقول: کیا شہید و غیر شہید کے غسل و جنازہ میں کوئی فرق ہے یا کہ نہیں؟

ہمارے نزدیک نہ شہید کی غائبانہ نماز درست ہے اور نہ ہی غیر شہید کی، آج سے چند سال پہلے پیچھے چلیں تو آپ کو وہابیوں کے شہید کے متعلق یہ فتویٰ ملے گا۔

مولوی صادق سیالکوٹی لاندہب نے لکھا ہے:

”حضور انور نے شہیدوں کو خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی

اور نہ ان کو غسل دیا۔ (بخاری) معلوم ہوا کہ شہید کو بغیر غسل اور جنازہ پڑھنے کے دفن کرنا

چاہیے۔ (مسئلة الرسول مع التخرج ص ۲۸)

مقولہ لا مذہب: ”(ب) یہ مسئلہ اہل علم کے ہاں مختلف فیہ ہے شہید کے جنازہ کے

قائلین کے پاس جو دلائل ہیں ان میں سے صرف ایک روایت کو ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نکلے پس

آپ نے شہداء احد پر اس طرح نماز ادا کی جس طرح آپ ﷺ میت پر نماز ادا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری ۱/۱۷۹) واضح رہے آپ ﷺ کے میدان احد میں جا کر یہ نماز ادا کرنے کا



واقعہ غزوہ احد سے آٹھ سال بعد کا ہے۔“

**اقول: سبحان اللہ! تحقیق ہو تو ایسی بات ہو رہی ہے شہید کے عاتبانہ نماز جنازہ کی اور دلیل دی جا رہی ہے مطلق نماز جنازہ کی۔**

مجیب ثانی یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ نے اُحد شریف جا کر پڑھائی تھی جب کہ مجیب اول اس کو عاتبانہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ مدینہ شریف میں پڑھائی تھی۔

پھر اس حدیث کی تفہیم میں بھی کافی اختلاف ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قال النووي المراد بالصلوة هنا الدعاء، وأما كونه مثل الذي على الميت فمعناه أنه دعا لهم بمثل الدعاء الذي كانت عاداته أن يدعو به للموتى۔“

(فتح الباری ۱۶۴/۳، وفي نسخة ۸۴۰/۱)

امام نووی نے فرمایا کہ یہاں ”صلوٰۃ“ بمعنی دُعا ہے، اور یہ کہنا کہ جیسے میت کے لئے ”صلوٰۃ“ پڑھتے ہیں، تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس طرح دُعا کی جس طرح موتی کے لئے دُعا کرنے کی آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی۔

امام ابو زرہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”ان المراد بها الدعاء وليس المراد بها صلوة الجنائز المعهودة، قال النووي: أي دعا لهم بدعاء صلاة الميت (طرح التثريب في شرح التقریب ۲۹۵/۳) یہاں ”صلوٰۃ“ سے مراد دُعا ہے نہ کہ نماز جنازہ اور امام نووی نے فرمایا کہ ان کے لئے میت والی دُعا مانگی۔

لہذا ثابت ہوا کہ لاندہبوں، غیر مقلدین کے پاس اس کی کوئی صحیح، صریح، مرفوع حدیث

نہیں ہے بلکہ اگر ضعیف بھی ہوتی تو ضرور پیش کرتے۔

**سوال نمبر (۴)**

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز جنازہ میں امام دعائیں بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں۔

**جواب:** نماز جنازہ سراپڑھانا بھی درست ہے اور جہراپڑھانا بھی صحیح ہے جہاں تک دعائیں سراپڑھنے کا ذکر ہے وہ تو گوشہ آپ کو معلوم ہے البتہ اگر نہیں معلوم تو وہ بلند آواز سے دعائیں پڑھنے کا گوشہ ہے لیجئے اس وقت ایک روایت بطور دلیل پیش کی جاتی ہے شاید سید الکونین رحمۃ اللہ علیہ کا عمل آپ پر بھی اثر کر جائے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی تو میں نے آپ ﷺ کی وہ تمام دعائیں یاد کر لیں جو آپ نے اس موقع پر پڑھی تھیں اور وہ یہ تھیں:

”اللهم اغفر له وارحمه۔۔۔ الخ (صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجنائز)

**وضاحت:** صحابی رسول ﷺ کا آپ کی دعاؤں کو یاد کرنا بھی ہو سکتا ہے جب آپ ﷺ نے بلند آواز سے پڑھی ہوں، سراپڑھنے سے تو سنائی نہیں دیتیں یاد کرنا کیسے ممکن تھا۔ باقی رہا آپ کے پیچھے صحابہ کرام کا آمین آمین کہنا تو جب رسول اللہ ﷺ نماز میں دعائیں پڑھتے تو صحابہ کرام پیچھے آمین آمین کہا کرتے تھے، جیسا کہ ابھی اگلے سوال کے جواب میں وضاحت سے بیان ہوگا۔

**اقول:** نماز جنازہ سراپڑھنا ہی سنت ہے جہرا نہ آپ ﷺ نے پڑھا اور نہ ہی اس کا حکم فرمایا ہے اور نہ ہی تاقیامت کوئی لاندہب اس کو مذکورہ شرائط کے مطابق ثابت کر سکتا ہے،



آپ کی متدل روایت کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں:

”واما الدعا فيسر به بلا خلاف وحينئذ يتناول هذا الحديث على ان قوله حفظت من دعائه أي علمنيه بعد الصلوة فحفظت۔

(شرح مسلم للنووي ۳۱۱/۱)

اور جنازہ میں دُعا بالاتفاق سرا پڑھی جائے گی، تو اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ صحابی کا فرمانا کہ میں نے دُعا حفظ کر لی یعنی آپ ﷺ نے نماز جنازہ کے بعد مجھ کو دُعا سکھائی تو میں نے اس کو حفظ کر لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام نووی کے دور تک کوئی قوم جنازہ میں دُعا میں بلند آواز سے پڑھنے والی نہیں تھی، یہ بعد کی پیداوار ہے۔

مولوی محمد عبدہ فیروز آبادی لاندہب نے لکھا ہے: ”جمہور علماء سری کے قائل ہیں امام شوکانی لکھتے ہیں ”و ذهب الجمهور الى انه لا يستحب الجهر في صلاة الجنائزۃ۔

(نیل الاوطار ۳/۶۶)

اور حضرت ابن عباس والی حدیث کا جواب ظاہر ہے وہ خود فرما رہے ہیں: ”لم اقرأ أي جهر الا لتعلموا أنه سنة۔“

اور پھر حضرت ابوامامہ بن سہل سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص نے بتایا نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ آہستہ پڑھی جائے۔ (احکام الجنائز ۱۸۷-۱۸۸)

**تنبیہ:** حدیث کے الفاظ ”میں نے آپ سے یہ دُعا یاد کر لی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت یہ ادعیہ بآواز بلند پڑھتے تھے لیکن ملا علی قاری اس کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اسرار بالدعا کی منہدویت کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں جہرا (اگر ثابت ہو تب)

پڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا۔ (احکام الجنائز ۱۹۱)

مولوی عبدالرؤف لاندہب نے لکھا:

”مگر اس حدیث سے حجت لینا مکمل نظر ہے کیونکہ مسند احمد (۲۳/۶) میں عوف رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں ”ففهمت من مهلاته عليه اللهم اغفر له“ یعنی میں آپ کی نماز سے یہ کلمات سمجھا۔۔۔۔۔ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دھیمی آواز میں دُعا پڑھی ہوگی اور عوف بن مالک آپ کے قریب کھڑے ہوں گے تو انہوں نے یہ دُعا سن لی نماز جنازہ کی دُعاؤں کے بارے میں جو دوسری روایات ہیں ان سے بھی دُعاؤں کو جہرا پڑھنے پر استدلال کیا جاتا ہے ان روایات سے بھی استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے جو پچھلی حدیث کی نوعیت ہے۔ (صلاة الرسول ۲۸۳-۲۸۴)

**الحاصل:** نماز جنازہ میں قرأت سرا پڑھنی چاہیے اس بارے میں نص موجود ہے۔ (صلاة الرسول ۲۸۴)

پس ثابت ہوا کہ جب سرے سے نماز جنازہ بلند آواز سے پڑھنی ہی سنت کے خلاف ہے تو آمین آمین والا مسئلہ خود بخود بدعت ٹھہرے گا۔

حافظ محمد گوندلوی لاندہب نے لکھا:

”نماز جنازہ میں مقتدی اپنی جگہ دُعا کرے صرف آمین کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

(فتاویٰ علما ۵/۱۵۳)

ایک اور لاندہب لکھتا ہے:

”نماز جنازہ کی دُعاؤں پر مقتدیوں کے آمین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے آنحضرت اور عہد صحابہ و تابعین میں نہیں ملتا بنا بریں اس عمل کو خلاف سنت کہا جائے گا۔



(فتاویٰ علمائے حدیث ۱۹۱/۵)

**مقولہ لا مذہب:** ”اس کا ایک عام فائدہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر لوگوں کو جنازے کی دعائیں یاد نہیں ہوتیں، حالانکہ جنازہ کا مقصد دعا ہے آمین کی وجہ سے ہر ایک کی شرکت ہو جاتی ہے۔“

**اقول:** کیا ایسی توجیہات کسی اور کو بھی کرنے کی اجازت ہے کہ نہیں؟

اگر ہم کہیں کہ آج کل لوگ بڑے مصروف ہیں اس لئے اذان کے بعد تہویب کہہ لی جائے تاکہ لوگوں کو بروقت جماعت کا پتہ چل جائے تو کیا آپ اس کی اجازت دیں گے؟

اگر ہم کہیں کہ ایصالِ ثواب تو ہر وقت ہو سکتا ہے، اپنی اور دیگر عزیزوں کی آسانی کے لئے مرنے والے کے تین یا دس یا چالیس دن کے بعد ایصالِ ثواب کے لئے اکٹھے ہو جائیں تو دین کی کوئی بنیاد قائم رہے گی یا کہ نہیں؟

آپ دوسرے سے ہر بات پر صریح، مرفوع احادیث یا نصوص قطعیہ کا مطالبہ کرتے تھکتے نہیں اور ذرا ذرا سی بات پر بدعت و ضلالت کا گولہ تھوپ دیتے ہیں لیکن جب اپنی باری آئی تو کہہ دیا کہ ”تو اس کا عام فائدہ یہ ہے۔“

کیا یہ فائدہ پیارے آقا ﷺ کے ذہن مبارک میں نہ آیا، صحابہ کرام کو اس فائدے کا پتہ نہ چلا، یہ فائدہ چودھویں صدی کے لاندہ ہوں کو ہی نظر آیا؟

**سوال نمبر (۵)**

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز وتر میں رکوع کے بعد امام بلند آواز سے دُعاے قنوت پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں۔

**جواب:** ”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ مسلسل پانچوں نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد دعا قنوت پڑھی جس میں بنی سلیم، رعل، ذکوان، عصیہ قبائل (جنہوں نے قراء کو شہید کر دیا تھا) پر اونچی آواز میں بدعا کی اور مقتدی آمین آمین پکارتے رہے۔ (قیام اللیل للرموزی ۲۳۵)

**اقول:** سبحان اللہ العظیم! سوال ہے و تروں کا، جواب ہے فرض نمازوں کا، سوال ہے دُعاے قنوت کا، جواب ہے قنوت نازلہ کا، اسی کو کہتے ہیں تحقیق۔ یہ واقعی ”سوال گندم جواب چنا“ والا محاورہ بن گیا ہے۔

**مقولہ لا مذہب:** قنوت وتر بھی قنوت نازلہ کی طرح دُعاۃ کلمات پر مشتمل ہے دونوں نماز کی آخری رکعت میں ہی کئے جاتے ہیں اس حدیث کی روشنی میں جماعت کی صورت میں اگر اونچی آواز سے امام قرات کرے گا تو مقتدی با آواز بلند ہی آمین آمین کہیں گے۔

**اقول:** کیا تشہد میں پڑھی جانے والی ادعیہ مبارکہ دُعا نہیں ہیں؟ کیا وہ تمام ہر مقتدی کو یاد ہیں؟ اگر نہیں تو پھر ان کو بھی بلند آواز سے پڑھیں تاکہ لوگ آمین کہہ کر ان تمام ادعیہ ماثورہ کی فضیلت کا ثواب حاصل کر سکیں۔

پہلے تو آپ رسول پاک ﷺ سے دُعاے قنوت فی الوتر بلند آواز سے ثابت کریں، وہ آپ قیامت تک نہیں کر سکتے اور پھر اس کے بعد مقتدیوں کا آمین کہنے پر قیاس بھی کر لیں۔ آپ کے کہنے کے مطابق ہمیں تو تقلید حق قبول کرنے سے روکتی ہے، میں پوچھتا ہوں کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ نے ساری عمر اس طرح قنوت نہیں پڑھی تو اب آپ کے لئے حق قبول کرنے میں کونسی چیز مانع ہے؟



ہم اگر سال میں ایک بار میلاد منائیں تو بدعتی، آپ پورے سال میں تمام بدعتیں کرنے پر بھی اہل حدیث و موجد، کیا ہی انصاف ہے؟  
ہم میلاد کے ثبوت دیں پھر بھی بدعتی، آپ اس کا ثبوت بھی نہ دیں قیاس مع الفارق کریں پھر بھی اہل حدیث؟ قال اللہ تعالیٰ: ﴿اعدلو اھو اقرب للتقویٰ﴾

### سوال نمبر (۶)

کیا نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں یا آپ ﷺ نے خود نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے تھے؟

**جواب:** رسول اللہ کا نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ایسی واضح حقیقت ہے جس کو کئی ایک روایات کی تائید حاصل ہے جگہ کی کمی کی وجہ سے صرف ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تو میں نے دیکھا آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینہ کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ (صحیح ابن خزیمہ/۲۳۳)

**اقول:** جناب وہ کئی ایک روایات کہاں ہیں؟ جگہ کی کمی سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ فرض تھا کہ اس سہفٹ کے صفحات ۱۶ سے بڑھ نہیں سکتے تھے؟۔

ویسے ہمیں کئی ایک روایات کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی ہمارا مطالبہ ہے، ہمارا مطالبہ تو صرف ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث کا ہے، یقیناً ان کئی ایک میں سے جو حدیث آپ نے پیش کی ہے سب سے زیادہ صحیح سمجھ کر ہی پیش کی ہے۔

اگر میں آپ کو قسم دوں کہ خود ہی بتائیں کہ کیا آپ کی مستدل روایت صحیح ہے تو آپ کیا جواب دیں گے؟۔

قیامت کے دن ان وہابی عوام نے آپ کے گریبان کو پکڑا ہوگا کہ آپ تو کہتے تھے کہ ہم وہی کچھ کرتے ہیں جو اللہ کے نبی ﷺ نے کیا لیکن یہ کیا؟ آپ اس وقت ان لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟ ہم پھر کہتے ہیں کہ پوری دنیا کے لامذہب اکٹھے ہو جائیں اور پورے ذخیرہ حدیث سے ایک صحیح، صریح، مرفوع، غیر محتمل حدیث پیش کریں کہ آپ ﷺ نے سینہ پر ہاتھ باندھے تھے تو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

لیکن یاد رکھو!

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار تم سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں  
آپ کی مستدل مذکورہ حدیث کی سند امام ابن خزیمہ نے اس طرح نقل کی ہے:

”أخبرنا أبو طاهر، نا أبو بكر، نا أبو موسى، نا مؤمل، نا سفيان عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر قال --- الخ۔

اس سند میں ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہے، جو کہ ضعیف ہے۔  
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

”قال أبو حاتم صدوق شديد في السنة كثير الخطاء وقال البخاري منكر الحديث --- وقال غيره د فن كتبه فكان يحدث من حفظه فكثير خطأ،

قلت: قال ابن حبان في الثقات ربما أخطأ --- وقال يعقوب ابن سفيان

مؤمل أبو عبد الرحمن شيخ جليل سني سمعت سليمان بن حرب يحسن

الثناء كان مشيختنا يوصون به الا ان حديثه لا يشبه حديث أصحابه وقد

يجب على أهل العلم أن يقفوا عن حديثه فانه يروى المناكير عن

الضعفاء --- وقال الساجي صدوق كثير الخطاء وله أوهام --- وقال ابن



سعد ثقة كثير الغلط وقال ابن قانع صالح يخطيء ، وقال الدارقطني ثقة كثير الخطاء -- وقال محمد بن نصر المروزي المؤمل اذا انفرد بحديث وجب أن يتوقف ويثبت فيه لأنه كان سيء الحفظ كثير الغلط ---

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۸۰، ۲۸۱، المکتبۃ الاثریہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ الطبعة الاولى) ابو حاتم نے کہا کہ صدوق ہے، سنت کے معاملہ میں سخت اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے، اور امام بخاری نے کہا: منکر الحدیث ہے۔ دیگر آئمہ نے کہا کہ اپنی کتابیں دفن کر دی تھیں اور حدیث حافظہ سے بیان کرتا تو بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا، ابن حبان نے کتاب الثقات میں کہا کہ غلطی کرتا ہے۔ یعقوب بن سفیان نے کہا کہ سنی شیخ ہے، سلیمان بن حرب اس کی تعریف کرتے، مگر ان کے بقول اس کی احادیث اس وقت کے دیگر محدثین کے مشابہہ نہیں ہوتی تھیں، اور اہل علم پر واجب ہے کہ وہ اس کی روایت پر عمل نہ کریں کیونکہ یہ ضعفاء سے منکر احادیث روایت کرتا ہے، امام ساجی نے کہا: صدوق مگر زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے اور اسکی احادیث میں اوہام ہیں۔ ابن سعد نے کہا کہ ثقہ كثير الغلط یعنی بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے، امام ابن قانع نے کہا: صالح ہے لیکن خطا کرتا ہے، دارقطنی نے کہا کہ ثقہ كثير الخطاء ہے محمد بن نصر مروزی نے کہا کہ جب مومل اکیلا روایت کرے تو اس کی حدیث پر عمل کرنے سے رک جانا ضروری ہے اور اس میں یہ چیزیں ثابت ہیں کیونکہ وہ روای حافطے والا اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے۔

اور محدثین نے فرمایا کہ جس کو امام بخاری منکر الحدیث کہہ دیں اس سے روایت لینی جائز نہیں ملاحظہ فرمائیں، میزان الاعتدال وغیرہ۔

لہذا ثابت ہوا کہ یہ روایت بالکل ضعیف ہے اور ہمارا سوال ابھی تک قائم ہے۔

### سوال نمبر (۷)

کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کہنی پر رکھا تھا؟۔

**جواب:** ”حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نمازیوں تھی کہ آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، قبلہ کی طرف منہ کیا تکبیر تحریمہ کہی اور کانوں تک ہاتھ اٹھائے پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی تھیلی اور گھٹ اور کلائی (ساعد) پر رکھا۔ (ابوداؤد مع المعونہ ۱/۲۶۵)

**اقول:** الحق یعلم ولا یعلی الحمد لله رب العالمین! عجیب نے یہ حدیث نقل کر کے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلک حق اہل سنت و جماعت ہی صحیح ہیں اس حدیث کے مطابق ہاتھ باندھنے کا طریقہ اہل سنت و جماعت احناف کا ہے۔

اس مسئلہ میں عجیب واضح طور پر شکست خوردہ نظر آتا ہے اور ثابت ہو گیا کہ آج کل لاندہوں کی اکثریت جس طرح بازو پر بازو باندھتی ہے یہ بالکل سنت کے خلاف ہے۔

**مقولہ لا مذہب:** ”وضاحت: ہم جب بھی نماز نبوی کو بیان کرتے اور مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں تو اس مذکورہ حدیث کی روشنی میں ہی وضاحت کرتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کو بائیں کی تھیلی اور گھٹ اور کلائی پر رکھ کر سینے پر رکھا جائے۔

**اقول:** یہی تو ہمارا سوال ہے کہ سینے پہ کیوں رکھے جائیں کیا، آپ ﷺ نے سینہ پر ہاتھ باندھے ہیں؟ جو حدیث آپ نے بطور دلیل پیش کی ہے وہ تو ضعیف و مردود ہے پھر سینہ پر ہاتھ کیوں باندھے جائیں؟

اصل میں وہابی سارے کے سارے غیر مجتہد و غیر مقلد ہیں اس لئے انہیں آپ ﷺ کی تعلیم و تلقین کی ضرورت نہیں ہے، وہ شتر بے مہار ہیں جہاں جس کا جوجی چاہے کرتا پھرتا ہے، ہر



گھر کا علیحدہ دین ہے۔

ہم وہابی عوام سے کہتے ہیں کہ یہ مولوی تو اس جہان میں آپ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں آخرت میں تو بالکل ہی منکر ہو کر گھبیں گے کہ یہ وہابیوں کی اپنی غفلتیں تھیں ہم نے ان کو کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی۔

### سوال نمبر (۸)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ آپ ﷺ نے پورا سال تہجد کی اذان کا حکم فرمایا ہو وہ اذان رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو بلکہ پورا سال تہجد کے لئے ہو۔  
جواب: ”رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں فجر کے وقت ہر روز دو اذانیں ہی ہوا کرتے تھیں“  
اقول: ”ہر روز دو اذانیں دینے کی کیا دلیل ہے؟

حدیث شریف کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رمضان شریف میں ہوتی تھیں۔

جب کہ حضرت علامہ امام ابوالحسن بن محمد الحافظ ابن القطان الفاسی م ۶۲۸ھ فرماتے ہیں:

”والحدیث المذکور لا يعارضه لأنه في رمضان خاصة امام سائر العام فما كان يؤذن الا بعد الفجر۔“

(بيان الوهم والايهام الواقعي في كتاب الاحكام لابن القطان ۳/۲۷۴)

اور حدیث مذکور اس حدیث کے متعارض نہیں کیونکہ یہ اذان رمضان کے ساتھ خاص ہے اور تمام سال اذان طلوع فجر کے بعد ہی ہوتی تھی، اگر یہ تہجد کے لئے ہو جیسا کہ لاندہبوں کا دعویٰ ہے تو پھر یہ اذان ہی ایک ایسی اذان ہوگی جو نماز کا وقت ختم ہونے پر دی جائے، حالانکہ اذان تو پہلے دی جاتی ہے، لیکن اس میں ہے کہ تہجد پڑھنے والا اب تہجد ختم کر کے سحری کے لئے گھر چلا جائے۔ اور پھر کسی نفل نماز کے لئے اذان ثابت نہیں ہے۔

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

”قال ابن عبد البر وفي اجماع المسلمين على أن النافلة بالليل والنهار لا اذان لها ما يدل على أن اذان بلال بالليل انما كان لصلاة الصبح۔“

(طرح التثريب لأبي زرعة العراقي ۲/۲۰۷)

امام ابن عبد البر نے فرمایا کہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نفل نمازیں، چاہے دن کی ہوں یا رات کی، ان کے لئے اذان نہیں، تو یہ دلالت کرتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان رات کو صبح کی نماز کے لئے تھی۔

علامہ عراقی مزید فرماتے ہیں: ”فيجعل الجمع بين الحديثين بحمل أحدهما

على رمضان والآخر على غيره۔“ (طرح التثريب لأبي زرعة العراقي ۲/۲۱۰)

ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق (جمع) اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک اذان رمضان شریف میں اور دوسری سارا سال۔

اور مولوی ابوالبرکات لاندہب نے لکھا:

سوال: بعض مساجد میں تہجد کی اذان ہوتی ہے ہم ان سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جب حضرت بلال اذان کہیں تو تم کھاؤ پیو اور جب عبد اللہ بن مکتوم اذان دیں تو تم کھانے پینے سے رک جاؤ اس میں وقت کی تعیین نہیں، لہذا اسے تہجد کی اذان کہنا درست ہے۔

جواب: ”اس حدیث سے استدلال غلط ہے کیونکہ بلال کی اذان فجر کی تھی کیونکہ فجر کے وقت نیند کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے فجر سے چند منٹ پہلے بلال کی اذان ہوتی تھی اگر یہ اذان سحری یا تہجد کی ہوتی تو فجر سے تقریباً گھنٹہ پہلے ہونی چاہیے تھی، لیکن ام المؤمنین عائشہ



صدیقہ سے بخاری و مسلم وغیرہ کتب احادیث میں روایت موجود ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں اذانوں کے درمیان صرف اتنا فرق تھا کہ بلال اذان کہہ کر اترتے تھے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم چڑھ کر اذان کہہ دیتے تھے اتنے فاصلے میں تہجد کیا پڑھی جاتی ہے اور سحری کا کھانا کیسے کھایا جاتا ہے۔

کسی محدث نے آج تک کتب احادیث میں تہجد یا سحری کی اذان کا باب نہیں باندھا معلوم ہوا کہ اس قسم کی اذان شریعت میں ہے ہی نہیں۔۔۔۔ (فتاویٰ ہرکاتیہ ص ۲۴)

اسی طرح کافتوی مولوی عبداللہ روپڑی کا بھی فتاویٰ علمائے حدیث ۲/۱۶۲-۱۶۳ پر موجود ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ یہ اذان بہر حال تہجد کے لئے نہ تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ پورا سال چلتی تھی، تو ایسی روایت اگر کوئی ہے تو اس کو پیش کیا جانا چاہیے تھا۔

مذکورہ حدیث میں سحری کا ذکر ہے اور سحری مشہور تو رمضان شریف میں ہی ہے جو کہ پورے اہتمام سے ہوتی ہے نہ کہ نفلی روزوں کی کیونکہ نفلی روزوں کی سحری کا اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ بعض اوقات بغیر سحری کھائے روزہ رکھا جاتا تھا، جس کی نیت طلوع شمس کے بعد کی جاتی تھی، جہاں بھی دواذانوں کا ذکر ہے وہاں سحری کا ذکر بھی ضرور ہے اور اگر بغیر سحری کے ذکر کے کوئی باسند صحیح حدیث ہے تو لاندہوں کو چاہیے کہ وہ پیش کریں۔

**مقولہ لا مذہب:** ”یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان روایتوں کے تحت فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ دواذانیں سارا سال ہوتی تھیں۔“

**اقول:** حافظ ابن حجر کی کون سی عبارت کا یہ ترجمہ ہے؟ آپ نے صرف ”و فیہ نظر“ فرمایا ہے اور اپنی طرف سے کوئی دلیل نہیں دی، جس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ ابن القطان

کا قول رائج ہے، اور پھر اگر بالفرض محال یہ سارا سال بھی ثابت ہو تو تب بھی تہجد کے لئے تو نہیں ہو سکتی کیونکہ دونوں اذانوں کے درمیان بالکل تھوڑا وقفہ ہوتا تھا، اتنا وقفہ ہرگز ہرگز نہیں ہوتا تھا جتنا آج کل لاندہوں کی مسجد میں ہوتا ہے، وقفہ کے متعلق مولوی ابوالبرکات کا فتویٰ گزر چکا ہے۔

**مقولہ لا مذہب:** ”ثانیاً ایک ہی روایت میں دونوں اذانوں کا ذکر ہے اگر دوسری اذان آپ کے نزدیک سارا سال تھی تو پہلی اذان سارا سال کیوں تسلیم نہیں کی جاتی۔ دونوں میں فرق کرنے کی کوئی علت و شہادت نہیں ملتی۔“

**اقول:** اسے کہتے ہیں اجتہاد، کل کو کوئی ایسا لاندہب کہے گا کہ ایک ہی آیت میں نماز و زکوٰۃ کا ذکر ہے تو نماز ہر روز پانچ مرتبہ اور زکوٰۃ سال میں صرف ایک دفعہ کیوں؟

جناب عالی! پہلی اذان کی علت سحری کھانے کا وقت اور تہجد والے کی والپسی کا اعلان بیان کی جا رہی ہے جب کہ دوسری اذان کا مقصد نماز ہے جو کہ سارا سال ہوتی ہے جب کہ سحری بالاہتمام صرف رمضان شریف میں ہوتی ہے۔

### سوال نمبر (۹)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز باجماعت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا ہو یا خود پڑھی ہو۔

**جواب:** نماز میں فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھنا بھی درست ہے اور بلند آواز میں بھی صحیح ہے آہستہ پڑھنے والی روایت آپ کو معلوم ہے اونچی پڑھنے والی روایت سنیے۔

جناب نعیم بن حمر نے کہا میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی پھر ام القرآن (سورۃ فاتحہ) پڑھی جب غیـ



المغضوب عليهم والا الضالين تک پہنچے تو آمین کہی لوگوں نے بھی آمین کہی۔۔۔ جب سلام پھیرا تو کہا مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری نماز، تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہے (سنن نسائی)

**وضاحت:** اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کا بیان ہے جس میں انہوں نے سورہ فاتحہ کی طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھی، نعیم بن مجمر بن کر ہی بیان کر رہے ہیں پھر صحابی رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز کو رسول اللہ ﷺ والی نماز قرار دیا **اقول:** پہلے نمبر پر بات یہ ہے کہ یہ روایت صریح، مرفوع نہیں ہے جب کہ ہمارا مطالبہ صحیح، صریح، مرفوع اور غیر محتمل کا ہے، اور پھر یہ غیر محتمل بھی نہیں اس میں تشبیہ ہے جب کہ تشبیہ من کل الوجوه نہیں ہوتی، اگر من کل الوجوه ہے تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن ان ابا هريرة كان يكبر في كل صلاة من المكتوبة وغيرها۔۔۔ فيكبر حين يقوم۔۔۔ ثم يكبر حين يركع ثم يقول: سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد ثم يقول: الله اكبر حين يهوي سا جدا ثم يكبر حين يرفع راسه من السجود ثم يكبر حين۔۔۔ يقوم من الجلوس في الاثنتين، ويفعل ذلك في كل ركعة حتى يفرغ من الصلوة ثم يقول حين ينصرف: والذي نفسي بيده اني لا قربكم شيئا بالصلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم ان كانت هذه الصلاة حتى فارق الدنيا

(بخاری ۸۰۳)

اب اس حدیث شریف میں ربنا و لك الحمد کا ذکر ہے تو اس کو بلند آواز سے پڑھا

جائے گا؟ جب کہ حدیث کے آخر میں وہی الفاظ ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی متدل روایت میں کہے تھے کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری نماز تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہے۔

اور پھر یہ روایت ویسے بھی معلول ہے جیسا کہ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

”والجواب عنه من الوجوه احدها انه حديث معلول، فان ذكر البسملة فيه مما تفرد به نعيم المجمر من بين اصحاب ابى هريرة (رضى الله عنه) وهم ثمانمائة ما بين صاحب و تابع، ولا يثبت عن ثقة من اصحاب ابى هريرة (رضى الله عنه) انه حدث عن ابى هريرة انه عليه السلام كان يجهر بالبسملة في الصلوة۔ (نصب الراية ۱/۳۳۶)

اور اس حدیث کا کئی وجہ سے جواب دیا گیا ہے، یہ کہ یہ حدیث معلول ہے۔ (یعنی اس میں کئی خفیہ علتیں ہیں جو کہ اس کو ضعیف قرار دیتی ہیں) اور اس میں بسم اللہ کا ذکر سوائے نعیم المجمر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کسی بھی شاگرد نے نہیں کیا، اور آپ کے شاگردوں کی تعداد صحابہ اور تابعین میں سے آٹھ سو کے قریب ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے کسی ثقہ راوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نہیں کیا کہ نبی اکرم ﷺ بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

”ومما يدل على ثبوت اصل البسملة في اول القراءة في الصلاة ما رواه النسائي وابن خزيمة وابن حبان في صحيحهما وغيرهم من رواية نعيم المجمر قال صليت خلف ابى هريرة.... والذي نفسي بيده اني لا



شبهكم صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم .... ففي هذا رد على من نفاهما البتة وتأييد لنا ويل الشافعي رضي الله عنه - لكنه غير صحيح في ثبوت الجهر لا حتمال ان يكون سماع نعيم لها من ابي هريرة رضي الله عنه حال مخالفته لقربه منه فبهذه تتفق الروايات كلها -

(النكت على كتاب ابن الصلاح ٧٧٠/٢)

اور وہ جو اصل بسم اللہ کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے نماز میں قرآن سے پہلے وہ جو کہ روایت کیا نسائی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نعيم الجمر کی روایت سے، انہوں نے کہا کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی.... نماز کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں تم سب سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہوں، پس یہ اس شخص پر رد ہے جس نے نماز میں بسم اللہ کی مطلقاً نفی کی ہے اور امام شافعی کی تاویل کی تائید میں ہے۔ لیکن جہر کے ثبوت میں صحیح نہیں ہے، اس میں یہ احتمال ہے کہ نعيم الجمر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قریب ہونے کی بنا پر ان کے خفیہ پڑھنے کے باوجود سن لیا ہو، پس اس طرح تمام روایات متفق ہو گئیں۔

اور یہ اصول ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال -

امام ابو بکر احمد الرازی م ۳۷۰ فرماتے ہیں:

”اما حديث نعيم المجمر عن ابي هريرة دلالة فيه على الجهر بها لانه ذكر انه قراها ولم يقل انه يجهر بها و جائز ان لا يكون جهر بها و ان قراها و كان علم الراوى بقراتها اما من جهة ابي هريرة باخباره اياه بذلك او من جهة انه سمعها لقربه منه و ان لم لم يجهر بها - (احكام القرآن للجصاص ۱۶/۱)

حدیث نعيم الجمر عن ابي هريرة، تو اس میں جہر پر کوئی دلالت نہیں، کیونکہ راوی نے کہا کہ انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھا۔ یہ نہیں کہا کہ بلند آواز سے پڑھا، اور یہ جائز ہے کہ انہوں نے بلند آواز سے نہ پڑھا ہو اگرچہ بسم اللہ کو پڑھا ہو، اور راوی کو اس کے پڑھنے کا علم یا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خبر دینے سے ہوا ہو، یا اس طرح کہ وہ قریب کھڑے ہوں تو انہوں نے سن لیا ہو، اگرچہ انہوں نے بلند آواز سے نہ پڑھا ہو۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں:

”فجوابه ان جميع احاديثكم ضعفاً و اثبتها حديث نعيم ولا حجة فيه لانه حكى ان ابا هريرة قراها ولم يقل جهر بها فجائز أن يكون سمعها في مخالفته لقربه منه - (التحقيق لابن الجوزي ۳۵۵/۱)

تمہاری پیش کردہ ساری کی ساری حدیثیں ضعیف ہیں اور ان میں ثابت صرف نعيم الجمر والی روایت ہے لیکن وہ جہر میں صریح نہیں ہے، وہ حجت نہیں بن سکتی کیونکہ راوی نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھا، یہ نہیں کہا کہ بلند آواز سے پڑھا، ہو سکتا ہے اس نے قریب ہونے کی وجہ سے سراپڑھتے ہوئے سن لیا ہو۔

اور اگر یہ حدیث بسم اللہ بالجهر میں صحیح و صریح ہوتی تو اُمت کے اکثر محدثین یہ نہ فرماتے کہ جہر بسم اللہ میں کوئی بھی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔

ابن تیمیہ مؤسس اول مذہب وہابیہ نے لکھا کہ:

”وقد اتفق أهل المعرفة على انه ليس في الجهر حديث صحيح و لم يرو أهل سنن من ذلك شيئاً -

اور اس پر حدیث کی سمجھ رکھنے والے سب متفق ہیں کہ جہر بسم اللہ میں کوئی بھی حدیث صحیح



ثابت نہیں اور اہل سنن نے جہر بسم اللہ میں کچھ بھی روایت نہیں کیا۔

(مختصر الفتاویٰ المصریۃ ص ۴۲)

پیشوائے وہابیہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ:

”فصحيح تلك الأحاديث غير صريح و صريحها غير صحيح -

(زاد المعاد في هدي خير العباد ۱/۱۵۵)

ان احادیث میں جو صحیح ہیں وہ جہر میں صریح نہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”كل ما روى عن النبي ﷺ في الجهر فليس بصحيح -

(فتح القدیر ۲۵۴/۲، والتحقق لابن الجوزي ۱/۳۵۷)

جہر میں جو کچھ بھی نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے پس وہ صحیح نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ:

”لا يصح في الجهر شيء كما نقل عن الدار قطني (الدراية ۱/۱۰۵)

جہر بسم اللہ میں کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں، جیسا کہ امام دارقطنی سے نقل کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے نماز میں پڑھنا بدعت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عن ابن عبد الله بن مغفل قال سمعني ابي وانا في الصلوة اقول بسم الله

الرحمن الرحيم فقال لي ابي محدث اباك والحدث قال ولم ارا احد امن

اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ابغض اليه الحدث في

الاسلام يعني منه وقال وقد صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم ومع

ابی بکر و عمر و مع عثمان فلم اسمع احد منهم يقولها فلا تقلها اذا انت

صليت فقل الحمد لله رب العالمين -

یعنی مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے سنا تو

فرمایا: اے میرے بیٹے! بدعت سے بچ۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہ میں ان سے زیادہ کسی کو اسلام میں نئی بات نکالنے کا دشمن نہیں دیکھا۔ انہوں نے فرمایا

کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و ابو بکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہم

کے ساتھ نماز پڑھی لیکن کسی کو بھی بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا، اس لئے تم بھی اسے بلند آواز

سے نہ پڑھو۔ جب نماز پڑھو تو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرو۔

(أخرجه الترمذي في الجامع ص ۳۳ ج ۱ لفظ له، وابن ماجه في السنن ۵۹ و أحمد في

مسندہ ج ۴ ص ۸۵ - (۱۶۹۰۹) - وج ۵ ص ۵۴ - (۲۰۸۱۹) و ص ۵۵ (۲۰۸۳۳) و عبد

الرزاق في المصنف ج ۲ ص ۸۸، وابن أبي شيبة في المصنف ج ۱ ص ۴۴۷ - ملتان)

تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے کیونکہ اس کو

بدعت کہنے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی حضرت عبد اللہ بن مغفل

رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدعتی کون لوگ ہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں کی

عقل پر جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل اور کام کو تو بدعت کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں اور جن امور کو

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بدعت کہا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

الٹی بی چال چلتے ہیں دیوانگانہ نجد دیں کو پامال کرتے ہیں وقار کیلئے

عن ابراهيم قال جهر الامام بيسم الله الرحمن الرحيم بدعة -



(ابن ابی شیبہ فی المصنف ج ۱ ص ۴۴۸۔ ملتان)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام کا بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا بدعت ہے

وقال بعض التابعين الجهر بدعة - (مرفاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۵۳۰ ج ۱)

اور بعض تابعین نے کہا ہے کہ بسم اللہ شریف کا جہر کرنا بدعت ہے۔

عن ابن عباس قال الجهر بسم الله الرحمن الرحيم قراءة الاعراب-

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنی گنواروں کی قرأت ہے۔

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف ج ۱ ص ۴۴۸، وعبد الرزاق في المصنف ج ۱ ص ۴۱۱ والطحاوی فی شرح معانی الآثار ص ۱۴۰ ج ۱، وابن عبد البر فی التمهید ج ۱ ص ۲۰۹، وفي الاستذکار ج ۱ ص ۵۸)

ان ابن عباس سئل عن الجهر بسم الله الرحمن الرحيم فقال كنا نقول هي قراءة الاعراب-

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نماز میں بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ہم کہتے ہیں کہ یہ گنواروں کی قرأت ہے۔

(أخرجه البزار في مسنده كما قال الهيثمي في المجمع الزوائد ص ۲۸۰ ج ۲)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ”سئل عن الجهر بالبسملة فقال انما يفعل ذلك الاعراب۔ یعنی جہر بسم اللہ کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ گنواروں

کا کام ہے۔ (أحكام القرآن للحصاص ۱۷/۱)

پس ثابت ہوا کہ ہمارا یہ سوال ابھی تک لاندہ ہوں کی گردنوں پر بھاری پتھر کی طرح پڑا ہوا

ہے۔

### سوال نمبر (۱۰)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات تک رفع الیدین عند الركوع وبعد الركوع کیا تھا؟

**جواب:** اگر ہر عمل میں شرط لگا دی جائے کہ حدیث میں صراحت ہو کہ آپ ﷺ نے وہ عمل تا وفات کیا ہو تو یہ ایک ایسی شرط ہے جس کی وجہ سے بہت سے اعمال نبویہ کا تعلق ہماری زندگی سے ختم ہو جائے گا بلکہ دین اسلام کی اصلی شکل مسخ ہو کر رہ جائے گی۔

**اقول:** ہم ہر عمل کے لئے یہ شرط نہیں لگاتے، یہ شرط صرف وہاں لگائی جاتی ہے جہاں کسی عمل کے منسوخ ہونے میں اختلاف پیدا ہو جائے، چونکہ اس مسئلہ میں ہمارا دعویٰ ہے کہ رفع الیدین بعد الافتتاح منسوخ ہے اور آپ حضرات کہتے ہیں کہ یہ منسوخ نہیں۔

لہذا یہ قید اس واسطے ہے کہ چونکہ نماز تو آپ ﷺ نے تمام عمر پڑھی ہے، لہذا اگر یہ رفع الیدین منسوخ نہیں تو پھر جب تک نماز ہے اس وقت تک رفع الیدین کا ثبوت بھی ہونا چاہئے، اگر آپ ایسی روایات با سند صحیح، صریح، مرفوع، غیر مختل پیش کر دیں تو ہمارا دعویٰ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر آپ ایسی روایت پیش نہ کر سکیں اور یقیناً نہیں پیش کر سکیں گے تو پھر ہمارا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔

**مقولہ لا مذهب:** ”دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے سوال میں ”وفات تک“ کے کلمات بتا رہے ہیں کہ آپ بریلوی ہو کر وفات رسول کے قائل ہیں کیا خیال ہے؟

**اقول:** ہم آپ ﷺ پر وفات کے وقوع کے قائل ہیں لیکن اب قبر میں آپ ﷺ کو حقیقی زندگی کے ساتھ زندہ مانتے ہیں وفات کے واقع ہونے کا کوئی سنی بھی منکر نہیں۔



ہماری کتب میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن آپ لوگوں کی گستاخی یہ ہے کہ آپ نبی اکرم ﷺ کو قبر مبارک میں زندہ تسلیم نہیں کرتے بعد از وفات آپ کی زندگی کا منکر گمراہ ہے۔

**مقولہ لا مذهب:** تیسری بات یہ ہے کہ رفع الیدین کی احادیث کو روایت کرنے والے صحابہ میں سے ایک صحابی وائل بن حجر بھی ہیں، ان کی روایت صحیح مسلم میں موجود ہے، یہ صحابی ۹ ہجری کو مسلمان ہوئے حضور علیہ السلام سے تربیت لے کر اپنے علاقے کی طرف واپس چلے جاتے ہیں ایک سال بعد یعنی دس ہجری کو پھر مدینہ منورہ آتے ہیں تو صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ کا رفع الیدین عند الركوع وغیرہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں (دیکھئے ابوداؤد)۔

گیارہ ہجری کے تقریباً ابتدائی ماہ بارہ ربیع الاول میں آپ کی وفات ہو جاتی ہے، بتائیے وہ کون سی مرفوع صحیح روایت ہے جس نے اسے منسوخ کر دیا؟۔

**اقول:** یہ حدیث بھی غیر مقلدین پر حجت ہے، یہ حدیث پوری نقل نہیں کی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بھی رفع الیدین بین السجدتین کا ذکر ہے، اگر مان لیا جائے کہ یہ حدیث نبی اکرم، نور مجسم ﷺ کی آخری نمازوں کے بارے میں ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ سجدوں میں رفع الیدین بھی ایسے ہی سنت ہے، جیسے کہ رفع الیدین عند الركوع و بعد الركوع سنت ہے، لیکن غیر مقلدین سجدوں میں رفع الیدین کے منکر ہیں اور اکثر اپنی کتابوں میں احادیث کا نٹ چھانٹ کر پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

جب آپ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ دین کی تکمیل اسی نماز پر ہوئی اور اس کے بعد کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا تو سجدوں میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا حکم کب نازل ہوا جو آپ لوگ اس کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

## اس روایت میں رفع الیدین بین السجدتین کا ثبوت

ابوداؤد میں اس روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

”واذا رفع رأسه من السجود أيضا رفع يديه۔۔“ (سنن ابو داؤد ۱۰۸/۱۸۲۲)

اور جب سجدوں سے سر مبارک اٹھاتے تو بھی رفع الیدین کرتے۔

اور مسند احمد میں الفاظ اس طرح ہیں:

”قال: رأيت رسول الله ﷺ يرفع يديه مع التكبير“ (مسند احمد ۴/۳۱۶)

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ اور سنن دارمی میں یہ الفاظ درج ہیں:

عن وائل الحضرمي، أنه صلى مع رسول الله ﷺ فكان يكبر إذا خفض وإذا رفع، و يرفع يديه عند التكبير - (سنن الدارمی ۱/۲۲۹، ملتان)

حضرت وائل حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، پس آپ ﷺ ہر اونچ نیچ میں تکبیر کہتے اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

اور دارقطنی میں یہ الفاظ درج ہیں: ”انه رأى رسول الله ﷺ يرفع يديه حين يفتح الصلاة و اذا ركع و اذا سجد“ - (سنن الدارقطني ۱/۲۹۱)

یعنی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ہر رفع الیدین کرتے نماز کے شروع میں اور جب رکوع کرتے اور جب سجدہ کرتے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ”جزء رفع الیدین“ میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ:

”كان يرفع يديه اذا ركع و اذا سجد“ - (جزء رفع الیدین ص ۵۱ مترجم)



یعنی آپ ﷺ رکوع اور سجدوں میں رفع الیدین کرتے تھے۔

اور ”سنن الکبریٰ للبیہقی“ میں اس طرح ہے:

”قال: صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فلما کبر رفع یدیه مع التکبیر واذا

رکع واذا رفع أو قال سجد - (سنن الکبریٰ ۱/۱۲۶)

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، پس جب آپ تکبیر کہتے تو تکبیر کے ساتھ ہی رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے یا کہا جب سجدہ کرتے۔

**مقولہ لا مذهب:** صاحب ہدایہ نے ابتدائی رفع الیدین کے لئے ”واظب علیہ“

کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں یعنی اس رفع الیدین پر آپ ﷺ نے ہیشگی فرمائی۔

علامہ زیلعی حنفی نے اس روایت کو واضح کر دیا جس کی طرف بطور دلیل صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا تو وہ روایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی ہی تھی جس میں رفع الیدین عند الركوع والرفع منہ کا بھی ذکر تھا۔

**اقول:** علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مقامات میں رفع الیدین والی احادیث نقل کر

کے یہ ثابت فرمایا ہے کہ بعض روایات میں عند الركوع اور بعد الركوع کا اثبات ہے۔

جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت اور بعض احادیث میں سجدوں میں رفع الیدین کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ وائل بن حجر اور مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث اور بعض روایات میں رفع الیدین فی السجود کی نفی اور بعض میں بعد از افتتاح کے تمام جگہوں میں رفع الیدین کی نفی۔

لیکن تمام روایات میں رفع الیدین عند الافتتاح کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ

ﷺ نے رفع الیدین عند الافتتاح پر موافقت فرمائی ہے، لیکن غیر مقلد ایسی باتیں کیسے سمجھ سکتا ہے۔ اس نے صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی روایت ہی دیکھی ہے اور علامہ زیلعی پر اعتراض کر دیا۔

**مقولہ لا مذهب:** تعجب ہے کہ ایک ہی روایت میں تین جگہ رفع الیدین بیان ہوا وہ روایت پہلے رفع الیدین کے لئے ہیشگی کی دلیل بن گئی اور دوسرے مقامات کے رفع الیدین منسوخ پا گئے۔ انصاف کا تقاضا تھا کہ یا تو تینوں مقامات کے رفع الیدین منسوخ قرار پاتے یا تینوں مقامات کے رفع الیدین ہمیشہ کے لئے ثابت ہو جاتے کیونکہ روایت ایک ہی ہے۔

**اقول:** اب لا مذهب ذہن پر یہ شعر فٹ ہوتا ہے کہ

نکتہ توحید سمجھ میں آ تو سکتا ہے تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

**سوال نمبر (۱۱)**

ایک صحیح، صریح، مرفوع، غیر مختل حدیث پیش کریں کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم حدیث میں ہو۔

**جواب:** صحت نماز کے لئے سر پر کپڑا باندھ کر رکھنے کی شرط میں نہ کوئی قرآنی آیت ہے اور نہ ہی صراحتاً رسول اللہ ﷺ کی حدیث شریف ہے، نہ ہی رسول اللہ ﷺ اس کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ جس حال میں ہوتے نماز ادا کر لیتے، یہی وجہ ہے کہ احادیث شریفہ میں آپ کا ننگے سر نماز ادا کرنا بھی آیا ہے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ ایک ہی کپڑا اوڑھے ہوئے تھے جس کے دونوں کنارے آپ



کے کندھوں پر تھے (بخاری و مسلم)

**اقول:** جو حدیث آپ نے پیش کی، اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تہبند شریف کا بھی خصوصی اہتمام نہیں فرماتے تھے بلکہ ایک ہی چادر کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے، لہذا لاندہوں کو چاہئے کہ وہ بھی نماز میں تہبند و شلوار کا خصوصی اہتمام نہ کیا کریں۔

**مقولہ لا مذہب:** ”حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا میں شکار کے لئے نکلتا ہوں تو ایک ہی قمیص میں نماز پڑھ لیا کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں البتہ قمیص کو آگے سے بند کر لیا کرو۔ (ابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی۔

**اقول:** مذکورہ احادیث سے جو نصیحت و مسئلہ دریافت ہوتا ہے اس پر تو لاندہوں کا عمل نہیں اور جو ثابت نہیں ہوتا اس پر زور ہے یعنی تینوں احادیث میں صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز ہے جس پر وہابیوں کا عمل نہیں نماز پڑھتے ہوئے یہ لوگ شلوار، قمیص، بنیان، جرابیں وغیرہ کئی کپڑے پہنے ہوتے ہیں، ہم نے آج تک کسی لاندہب وہابی کو نہیں دیکھا کہ وہ شلوار اتار کر صرف قمیص میں یا قمیص و شلوار اتار کر صرف ایک چادر کو پلیٹ کر نماز پڑھ یا پڑھا رہا ہو، حالانکہ مذکورہ بالا احادیث اس میں واضح ہیں اور ان میں ننگے سر کا ذکر نہیں لیکن اس پر لاندہ ہوں کا بزاز و شور ہوتا ہے، ویسے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم و معمول منسوخ ہے۔

تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

### ننگے سر نماز پڑھنا

مولوی محمد اسماعیل سلفی (لاندہب) غیر مقلد کا فتویٰ

سوال: بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دینی اور کوئی عذر بھی نہ ہو اور ہمیشہ اس طرح نماز پڑھنا اگرچہ فرض نماز باجماعت مسجد میں ہو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ سے ثبوت ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو عبارت مع صفحہ تحریر فرمادیں۔

(۲) ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانک کر، اگر سر ڈھانک کر نماز پڑھنی افضل ہے تو اس کی دلیل پیش فرمائیے گا؟۔ (عبداللہ خطیب جامع مسجد اہل حدیث ڈیرہ غازی خان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: وباللہ التوفیق! متذکرہ صدر سوال پر تین وجوہ سے غور کیا جاسکتا ہے۔

(۱) مطلق جواز اور اباحت کے لحاظ سے

(۲) افضلیت یعنی آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے عام عمل کے لحاظ سے۔

(۳) حرمت اور عدم جواز کے لحاظ سے۔

نماز میں ستر مغلظ (شرمگاہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق ضروری ہے ان میں سے اگر کوئی حصہ ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی اور ان اعضاء کو ننگا رکھنا شرعاً حرام ہے بہر بن حکیم سے مروی ہے:

”احفظ عورتک الا من زوجتک او ما ملکک یمینک۔ (رواہ الخمسة الا النسائی)

بیوی اور مملوکہ کے سوا اعضاء ستر دیکھنے کا کسی کو موقع نہ دے۔

شوکانی فرماتے ہیں: ”والحق وجوب ستر العورة في جميع الأوقات الا وقت

قضاء الحاجة واقضاء الرجل الى أهله۔ ۱ھ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۲)

حد ستر میں اہل علم مختلف ہیں جمہور ناف سے گھٹنے تک ڈھانپنا ضروری سمجھتے ہیں بعض صرف

ران ڈھانپنا واجب سمجھتے ہیں۔ امام احمد اور امام مالک سے ایک روایت میں آیا ہے



”العورة القبل والدبر“ (نیل الوطار ج ۲ ص ۶۴) غرض ستر کی جو حد بھی اہل علم کے نزدیک ہے اگر اسے نگار کھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ اعضاء ستر کو ویسے بھی نگار کھنا درست نہیں۔ نماز میں تو قطعاً حرام و ناجائز ہوگا۔ سر چونکہ بالاتفاق اعضاء ستر میں نہیں اس لئے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق جائز ہوگی۔ اس کے لئے نہ بحث کی ضرورت ہے نہ احادیث کی ٹٹول کی ضرورت۔ جس طرح کوئی پنڈلی، پیٹ، پشت وغیرہ اعضاء ننگے ہوں تو نماز جائز ہے۔ سر ننگے بھی درست ہے۔ لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیے امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف کرے یا مقتدی کوئی ایسی حرکت کریں، حدیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن عقل مند ایسا کرنے سے پرہیز کرے گا۔ ننگے سر کی عادت بھی قریباً اسی نوعیت کی ہے۔ جو اس کے باوجود ایسی عادات عقل و فہم کے خلاف ہیں۔ عقلمند اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آنحضرت، صحابہ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متواتر اور معمول بہا ہے۔ کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو، خصوصاً باجماعت فرائض میں، بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

امام بخاری فرماتے ہیں: باب وجوب الصلوة في الثياب وقول الله تعالى خذو زينتكم عند كل مسجد و من صلى ملتحفاً في ثوب واحد و يذكر عن سلمة بن الأكوع ان النبي ﷺ قال برك و لو بشركة في اسناده نظر الخ۔ (صحیح بخاری مع فتح مطبوعه مصر ج ۱ ص ۳۱۸)

امام بخاری کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضاء ستر

ڈھانپنے کے علاوہ اچھے کپڑوں میں ادا کی جائے۔ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے۔ کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کی جائے تو سرنگا رہے گا۔ حالاں کہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جاسکتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث ام ہانی، ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ، سلمہ بن اکوع، عمر بن ابی سلمہ، طلق بن علی وغیرہ سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد وغیرہ دو اویں سنت میں موجود ہیں لیکن کسی میں سرنگا رکھنے کا ذکر نہیں۔ خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو، پھر احادیث میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو صرف اظہار جواز کے لئے ہے۔ یا کپڑوں کی کم بانی کی وجہ سے۔ ان حالات سے جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے۔ سنت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے: ”او لکلکم ثوبان (ابوداؤد ص ۲۴۰) طلق کی روایت میں ہے: ”او لکلکم یجد ثوبین“ (ابوداؤد مع عون ج ۱ ص ۲۴۱) کیا سب کو دو کپڑے میسر آسکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اثر میں مزید تفصیل ملتی ہے، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں:

ام رجل الى النبي ﷺ فسئل عن الصلوة في الثوب الواحد فقال او كلکم یجد ثوبین ثم سئل عمر فقال اذا وسع الله فاوسعوا جمع رجل عليه ثیابه صلی رجل في ازار و رداء في ازار و قميص في ازار و قباء في سراويل و رداء في سراويل و قميص في سراويل و قباء في ثبان و قباء في ثبان و قميص قال و احسبه في ثبان و رداء۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک آدمی نے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ وسعت دے تو نماز میں بھی وسعت سے کام لینا چاہیے



اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حسب استطاعت نماز میں لباس کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا۔ حضرت عمر کا ارشاد حکم ہو یا صرف خبر اس میں کپڑوں کی قلت اور عدم استطاعت صراحتہ سمجھ میں آتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے کپڑے میسر ہو سکیں اور کوئی مانع نہ ہو تو تکلف سے مسکنت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

ابن مسیر فرماتے ہیں: ”الصحيح انه كلام في معنى الشرط كانه قال ان جمع رجل عليه ثيابه فحسن اه (فتح ج ۱ ص ۳۲۴) اگر ایک سے زائد کپڑے نماز میں استعمال کرے تو بہتر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وفي هذا الحديث دليل على وجوب الصلوة في الثياب لما فيه من ان الاقتصار على الثوب الواحد كان لضيق الحال وفيه ان الصلوة في الثوبين افضل من الثوب الواحد وصرح القاضي عياض بنفي الخلاف في ذلك اه۔ (فتح الباری ص ۳۲۴)

اس حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ (مستطیع کے لئے) زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ کیوں کہ ایک کپڑے کی اجازت صرف ضیق کی وجہ سے تھی اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں دو کپڑے استعمال کرنا افضل ہے۔ غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں، محض بے عملی یا بد عملی یا کس کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے۔ بلکہ جہلاء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے ابن عمرؓ اس حضرت ﷺ سے ذکر فرماتے ہیں اذا صلى احدكم فلياتزر وليورته ۵۱۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۳۵)

نافع فرماتے ہیں عبد اللہ بن عمر مرفوعاً فرماتے ہیں: اذا صلى احدكم فليلبس ثوبيه فان الله عز وجل احق ان يربن له الخ (سنن کبریٰ)

نافع فرماتے ہیں عبد اللہ بن عمر نے مرفوعاً فرمایا نماز دو کپڑوں میں پڑھو۔ اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ نافع فرماتے ہیں میں ایک دن اونٹوں کی گھاس کے سلسلہ میں نماز سے پیچھے رہ گیا، عبد اللہ بن عمر آئے تو میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا حضرت عبد اللہ نے فرمایا کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں؟ میں نے عرض کیا، دو ہی موجود ہیں آپ نے فرمایا: ”أرئيت لو بعثتك الى بعض أهل المدينة أكنت تذهب في ثوب واحد؟ قلت لا قال فالله أحق ان يتجمل له الخ (بیہقی سنن ص ۲۳۶) اگر میں مدینہ میں کسی کے پاس تمہیں بھیجتا تو تم ایک کپڑے میں جاتے؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔

ان احادیث میں سر ڈھانپنے کی صراحت نہیں لیکن دو کپڑوں سے سر ڈھانپنے کا زیادہ امکان ہو جاتا ہے۔ کپڑا موجود ہو تو سر ننگے نماز ادا کرنا یا ضد سے ہو گیا یا قلت عقل سے۔ نیز یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ آیت تخذوا زينتكم کے مضمون سے بھی اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

ابوداؤد میں ایک اثر ہے جس سے شاید کوئی کم سواد آدمی استدلال کرے۔ حدثنا عبد الله بن محمد الزهري ثنا سفيان بن عيينة قال رات شريكاً صلى بنا في جنازة العصر فوضعت قلبسوته بين يديه يعني في فريضة۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۶ مع عون)

یعنی شریک نے فرضوں کی نماز بوقت عصر ٹوپی اتار کر پڑھی اور ٹوپی اپنے سامنے رکھی۔ اھ اول تو یہ نہ مرفوع حدیث ہے۔ نہ کسی صحابی کا اثر۔ دوم معلوم نہیں، یہ شریک کون بزرگ ہیں



شریک بن عبد اللہ بخفی تبع تابعی ہیں یا شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر تابعی۔

ان دونوں میں کم و بیش ضعف ہے۔ لیکن یہ ان کا عمل ہے جو کسی طرح بھی قابل حجت نہیں۔  
سوم امام ابو داؤد نے اسے باب الحظ اذا لم یجد عصا میں ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہاں ضرورتاً سرنگا رکھا گیا ہے کیوں کہ جب انہیں سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو انہوں نے سترہ کا کام ٹوپی سے لے لیا۔ ضرورت اور عذر سے سرنگا رکھا جائے تو اس میں بحث نہیں، بحث اس میں ہے کہ فیشن اور عادت کے طور پر نماز میں سرنگا رکھنا کہاں تک درست ہے؟ حافظ عینی نے شرح بخاری میں مختلف مذاہب کے ذکر میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ایک کپڑے میں درست ہے لیکن جب وسعت ہو کپڑے میسر آسکیں تو پھر ایک پر اقتصار مستحسن نہیں۔

حافظ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں الفصل الثانی فی فضیلة وهو ان یصلی فی ثوبین او اکثر فانه اذا بلغ فی الستر یروی عن عمر انه قال اذا وسع اللہ فافسعو۔ اھ (ص ۶۲۱) مفتی ابن قدامہ مع الشرح یعنی فضیلت اس میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز ادا کرے کیوں کہ اس میں ستر اور پردہ زیادہ ہوگا۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے۔ جب اللہ مال میں وسعت فرمائیں تو آدمی کو وسعت سے کام لینا چاہیے اس کے بعد تمیمی کا قول ذکر فرمایا ہے۔ الثوب الواحد یجزی والثوبان احسن والاربع اکمل قمیص و سراویل و عمامة و ازار۔ اھ۔ (ابن قدامہ ص ۶۲۱) ایک کپڑا جواز نماز کے لئے کافی ہے دو کپڑے بہتر ہیں چار ہوں تو نماز اور کامل ہوگی۔ قمیص، پاجامہ، پگڑی اور ازار۔

ان تمام گزارشات سے مقصد یہ ہے کہ سرنگا رکھنے کی عادت اور بلاوجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں

یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پگڑی کے متعلق تجزیہ کا رواج تھا یعنی پگڑی کا ایک لپیٹ گردن کے نیچے سے باندھتے تھے آج کی عربی پگڑیاں اور ہماری پگڑیاں اس وقت کی پگڑیوں سے وضع میں مختلف ہیں ایسی پگڑی کا اتارنا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ وللتفصیل وقت اخر۔ ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے اگر اس جنس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو، تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔ والسلام (فتاویٰ علماء حدیث ج ۴ ص ۲۸۶ تا ۲۸۹)

ایک اور بیٹ بڑے لاندہب مولوی محبت الدین راشدی سندھی نے لکھا ہے  
”بعض حضرات اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں یہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور اس میں ٹوپی وغیرہ بھی داخل ہے یعنی بغیر سر ڈھانپنے نماز پڑھی۔

اولاً: یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی تنگی تھی اور اتنی فردانی نہ ہوتی تھی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہم میں سے ہر ایک کے پاس دو تین کپڑے نہ تھے۔ اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے کسی نے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟

اس سے جو بات نکھر کر سامنے آ جاتی ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

ثانیاً: میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے جواز کے ثبوت سے اس کا نزلہ یہ حضرات صرف ٹوپی پر ہی کیوں گرانے پر مصر ہیں۔ اگر ننگے سر نماز پڑھنے کے



مسنون ہونے کا مدار آپ حضرات ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث پر ہی رکھتے ہیں تو بسم اللہ آپ گھر سے ہی کریں اور اس طرح نماز بھی پڑھ لیں۔ یہ اچھی ستم ظریفی ہے کہ گھر سے تو قمیص، شلوار، کوٹ وغیرہ پہن کر آتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد صرف پگڑی یا ٹوپی اتار کر نماز پڑھنے شروع کر دی۔ کیا آپ حضرات کے نزدیک اس کا معنی و مطلب یہ ہے کہ اور تو سب کپڑے پہنے ہونے چاہئیں صرف ٹوپی وغیرہ کو اتار دیا جائے لیکن یہ مطلب سراسر غلط ہے۔

شاید کچھ لوگ کہنے لگیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم ہے کہ مسجد میں زینت پکڑ یعنی لباس پہنوا اور جب آج کپڑوں کی فراوانی ہے تو ہم یہ سارا لباس زیب تن کرتے ہیں لیکن سر کو ننگا رکھتے ہیں۔ لوگوں کی خدمت میں بادب عرض ہے کہ اگر دوسرے کپڑے زینت میں داخل ہیں تو ٹوپی وغیرہ کو آپ کس دلیل سے اس زمرہ میں سے نکال باہر کر رہے ہیں۔ اوپر صفحات میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا اکثر و بیشتر معمول سر کو ڈھانپنا تھا لہذا میں ٹوپی وغیرہ سے سر ڈھانپنے کے زینت ہونے پر اور کیا مضبوط ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسول ﷺ کا پسندیدہ معمول اعلیٰ درجہ کی زینت بھی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ بھی۔

بہر حال ان وجوہات کی بناء پر مجھے تو نماز کی حالت میں اور عام حالت میں سر ڈھانپنا بہر حال میں بہتر و اولیٰ اور مستحب و مندوب نظر آتا ہے۔ اگر کسی اہل علم نے اس پر تعاقب فرمایا کہ میری اس کاوش کو غیر صحیح ثابت کر دیا اور بات سمجھ میں آگئی تو انشاء اللہ تعالیٰ رجوع بھی کر لوں گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا سوال ابھی تک لاجواب ہے۔

### سوال نمبر (۱۲)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں جس میں نماز میں دو، دو فٹ کھلے پاؤں کر کے کھڑے ہونے کا حکم ہے؟

**جواب:** یہ محض مبالغہ ہے۔ ہم نے کبھی بھی ایسا نہیں کہا اور بیان کیا۔ کوئی شخص بے خبری میں ایسا کرتا ہے تو درست نہیں کرتا۔۔۔۔۔ البتہ ہم تو اپنے مقتدیوں کو یوں کہتے ہیں کہ دو قدموں کے درمیان اس قدر فاصلہ رکھو کہ ساتھ والے نمازی سے کندھا بھی مل جائے کیونکہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے پیچھے یوں ہی نماز کے لئے صف بندی کرتے اور کھڑے ہوتے تھے۔

الحمد للہ ہمارے نمازی اس طرح یعنی حدیث کے مطابق کھڑے ہوتے ہیں، مقلدین کی طرح نہیں کہ جماعت میں کھڑے ہو کر بھی اس طرح دور دور رہتے ہیں جیسے ایک دوسرے کے دشمن مجبوراً کھڑے ہوں۔

باقی رہا کیلئے نمازی تو اس کے لئے شرعاً کوئی پابندی نہیں کہ وہ دو قدموں کے مابین کتنا فاصلہ رکھے۔ اگر آپ کے پاس کوئی مرفوع، صحیح، صریح روایت ہو تو پیش کریں؟

**اقول:** الحمد للہ رب العالمین! یہاں پر بھی لاندہب غیر مقلد نے شکست تسلیم کر لی اور واضح طور پر تسلیم کر لیا کہ ہم نے وہابیوں کو اس کا حکم نہیں کیا بلکہ وہ جاہل خود ہی اس پر عمل کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔

جہاں تک مبالغہ کا تعلق ہے تو ہم عرض کریں گے کہ آپ لوگ تجربہ کر کے دیکھ لیں، بعض نہیں بلکہ اکثر وہابی اتنے ہی چوڑے پاؤں کر کے کھڑے ہوتے ہیں جتنے ہم نے

سوال میں بیان کیا ہے۔



اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے سارے سوالات ابھی تک جواب طلب ہیں اور ہمارا اب بھی یہ دعویٰ ہے کہ کوئی لاندہب غیر مقلد و ہابی ان کے جوابات صحیح، صریح، مرفوع حدیث سے پیش نہیں کر سکا اور نہ ہی کبھی کر سکے گا۔

اب آخر میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ عجیب غیر مقلد نے جو سوالات اہل سنت احناف پر وارد کئے ہیں صرف ہمارے اصول سے ناواقفیت کی وجہ سے کئے ہیں۔ پہلے وہ کتب اصول فقہ کو پڑھے اور احناف کے اصول دیکھ کر سوال کرے ہم ان شاء اللہ اس کی تشفی فرمادیں گے۔

(نوٹ)

دین اسلام میں چار مذاہب اسلاف و اخلاف میں مشہور و معروف ہیں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی۔ چونکہ موجودہ دور کے غیر مقلدین ان میں سے کسی مذہب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ تعلق نہیں رکھتے بلکہ اس تعلق کو بدعت و شرک کہتے ہیں اس لئے اہل عرب ان کو ”لاندہب“ کہتے ہیں، لہذا میں نے بھی ان کو اسی نام سے لکھا ہے۔

خاکپائے علمائے اہل سنت و جماعت:

محمد عباس رضوی

واہنڈو، تحصیل کاموکی، ضلع گوجرانوالہ۔

(حصہ اول)

زیرِ علیٰ لاندہب کے جواب میں  
(از قلم)

ڈاکٹر قاری ابوالاحمد محمد ارشد مسعود اشرف چشتی رضوی

بانی و ناظم (اعلیٰ) جوار (الفلم اسلامک ریسرچ سنٹر) پاکستان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الكريم الامين ، اما بعد :  
۱۰ اشوال ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۱ ستمبر ۲۰۱۰ء کو بعض ناعاقت اندیش لوگوں میں سے ایک دُشنام طراز نے اپنے ماہنامہ رسالہ ”الحدیث“ حضور، شمارہ نمبر ۷۸ میں ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان رکھا ”عباس رضوی صاحب کہاں ہیں؟ جواب دیں!“ اس میں قبلہ حضور مفتی محمد عباس رضوی صاحب زاد اللہ عزہ و شرفہ الی یوم المعاد کی طرف سے آج سے تقریباً ۱۳ سال قبل لاندہ ہوں پر کئے گئے ۱۲ سوالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”عباس رضوی نامی ایک رضا خانی بریلوی نے اہل حدیث یعنی اہل سنت سے (۱۲) سوالات کئے تھے اور یہ سوالات وصول ہونے کے بعد راقم الحروف نے ۱۳/ رمضان ۱۴۲۹ھ (۱۳/ ستمبر ۲۰۰۸ء) کو ان کے دندان شکن جوابات مع اہل حدیث (اہل سنت) کے بارہ سوالات لکھے تھے پھر یہ سوال و جواب ماہنامہ الحدیث حضور (محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری ۲۰۰۹ء) عدد ۵۶ میں شائع کر دیئے گئے تھے۔ اب ایک سال سے کافی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، مگر کہیں سے بھی عباس رضوی کی طرف سے ہمارے سوالات کا جواب ہمارے علم میں نہیں آیا“

اولاً: اے نومولود مفتری! محمد عباس رضوی صاحب کوئی مجہول شخص نہیں بلکہ ایک معروف و مشہور اہل سنت عالم دین ہیں جن کے سامنے سے تو اور تیرا مناظر طالب --- یوں غائب ہوئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

ثانیاً: اے مفروہ و گور انوالہ! یہ آج کل اہل ہوا لوگوں کے سروں پر اہل سنت میں شامل ہونے کا کیوں: ”وت سوار ہو چکا ہے؟“ میرے خیال میں یہ صرف اس لئے ہے کہ تم جیسے لاندہ ہوں، ناعاقت اندیشوں، نابکاروں کو یہ تو علم ہے ہی کہ اللہ والوں کی گستاخیاں اور اہل

اللہ پر کذب و افتراء باندھنے کی وجہ سے آخرت میں ہمارا کوئی حصہ نہیں لیکن اس دنیا میں لوگوں کو دجل و فریب دے کر اپنے آپ کو اہل حق کے نام سے منسوب کر لیں، تاکہ دنیا میں تو پردہ پڑا رہے۔

سر محشر جو تم اہل خبیثوں کی گستاخیوں اور بے ادبیوں کی وجہ سے رسوائی ہوگی وہ احادیث کی روشنی میں تم پر بھی آشکارا ہے۔

ثالثاً: اے مراقی! اپنے ہمنواؤں سے خبر لے لینی تھی کہ یہ سوالات کب سے ہم لاندہ ہوں پر قرض ہیں اور ہم میں سے کتنے ان لا جواب سوالوں کے جواب دیتے دیتے اپنے ترکش خالی کر چکے ہیں؟ اور کتنوں کی امید برآئی ہے، جو ان سے ٹکرا کے پاش پاش ہوئے؟ اگر تم عقل کے ناخن لیتے تو تمہیں تیرے ہمنوا ہی بتا دیتے کہ اس معاملہ میں ہماری امیدیں اٹھ چکی ہیں۔

رابعاً: اے غیر مقلدین میں اجتہاد و قیاس کے مبدع! ہم نے تو تمہاری طرف سے دیے جانے والے جوابات کو کوئی اہمیت اس لئے نہ دی کہ تمہارے ہمنوا یہی تیر پہلے آزما چکے تھے اور ان کے لایعنی دلائل کی حقیقت ہم نے واضح کر دی تھی، اور تیری طرف سے لکھے گئے جوابات میں بھی کوئی خاص نئی دلیل نہ تھی جس کی وجہ سے ہم نے ان کی اشاعت کے بعد ان کے تفصیلی جواب کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

ہاں! ہم نے ان کے ملنے کے بعد ۲۰۰۹-۰۹-۰۶ کو مختصراً ان بے سرو پا اعتراضات کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح کر کے چند اوراق عزیزم فیصل خان کو بھجوا دیے تھے، جن کو وہ کچھ مصروفیات کی وجہ سے شائع نہ کروا سکے۔ اب وہی چند صفحات تھوڑے سے اضافہ کے بعد جو کہ تیری طبیعت کی ناسازی کے پیش نظر کیا گیا ہے مع مقدمہ، اور



”ڈھول کا پول“ جو کہ تیرے ہمنواؤں کے جواب میں شائع کیا گیا تھا شائع کر دیا ہے۔

پس ہمارے سوالوں کے ہماری بیان کردہ شرائط، جو درحقیقت تمہارے بڑوں کے بیان کردہ اصول ہی ہیں کہ ”اہل حدیث کے دو اصول کتاب اللہ اور سنت رسول“ کے مطابق جواب دو۔ ان کے مذکور شرائط کے مطابق جوابات کے بعد پھر ہم پر سوال کرو گے تو ہم ان کا جواب دیں گے، ان شاء اللہ، لیکن پہلے ہمارے اصول و ضوابط سے بے خبری کو دور کر لینا۔

**خامساً:** دس گیارہ سال بعد تجھے جو لایعنی اور غیر متعلق جواب دینے کا شوق چرایا تو صرف اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں اپنے حواریوں میں ہی تمہاری ہوا اکھڑ جائے، لہذا یہ سوچا کہ اس بارے میں کچھ ورق سیاہ کر دینے چاہئیں۔ باقی رہا یہ جوابات جن کو جناب دندان شکن جوابات کہہ رہے ہیں، یہ بات جناب کے رفیقوں میں تو تمہاری ناک اونچی کر سکتی ہے لیکن میدان تحقیق میں یہ تیری ناک قلم کروانے کا باعث بننے کے علاوہ تجھے ذلیل و رسوا کر کے چھوڑے گی، اور ان جوابات سے علیرزئی کی علمی لیاقت و دیانت کا بھی بھرم کھل گیا اور آنے والی سطور میں مزید عیاں ہو جائے گا۔

آگے لاندہب لکھتا ہے کہ: ”اگر عباس رضوی صاحب کسی کو نے کھدرے میں زندہ موجود ہیں تو پھر ہمت کر کے ان سوالات کے جوابات پیش کریں اور اگر وہ مر کر آنجہانی ہو چکے ہیں تو پھر نام نہاد نوریوں اور ناریوں سے مطالبہ ہے کہ وہ ہمارے سوالات مکمل (بغیر کسی تبدیلی کے) نقل کر کے ان کے جوابات بھیجیں تاکہ عوام کی معلومات میں اضافہ ہو اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے؟ صرف سوالات کر کے بھاگ جانا مردوں کا کام نہیں اور نہ اس میں عوام کا فائدہ ہے۔“

**اولاً:** الحمد للہ! حضرت علامہ مولانا محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی تو زندہ و

حیات ہیں اور خدا تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ اتنی جرأت و ہمت رکھتے ہیں کہ تم جیسے گوجرانوالہ کے مفروروں کو، ایک گھنٹہ تو بہت زیادہ وقت ہوتا ہے اس سے بھی کم وقت میں، نہ صرف زیر کر دیتے ہیں بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے یوں بچھاڑتے ہیں کہ دم دبا کے بھاگتے ہوئے نظر بھی نہیں آتے ہو۔

**ثانیاً:** جناب جیسے ہزاروں نام نہاد اور خود ساختہ قسم کے فضیلۃ الشیخ و محدث جو تار عنکبوت سے دیواریں کھڑی کرتے ہیں ان کو تو وہ نظر میں بھی نہیں لاتے چہ جائیکہ کہ جناب جیسے خالی خولی بڑھکیں ماریں اور ان سے مقابلہ کی سوچیں۔ باقی رہے وہ جوابات جو جناب نے ہمارے سوالات کے جواب میں دینے کی کوشش کی ہے ان کا حال ستیاناس آئندہ اوراق میں کھل کر سامنے آ رہا ہے جس سے یہ واضح ہوگا کہ علیرزئی نے کس طرح اپنے لاندہب گروہ کا ستیاناس کیا ہے، اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ جناب ایک بھی سوال کا جواب نہیں دے سکے اور نہ ہی قیامت تک کوئی لاندہب اپنی لاندہبیت کی دلدل میں پھنسے رہ کر جواب دینے کی ہمت و جرأت رکھتا ہے۔

**ثالثاً:** الحمد للہ! نوری تو یہ جانتے ہیں کہ لاندہب ایک بھی سوال کا جواب نہیں دے سکا، پس پہلے ہی نوریوں کا تمہارے اوپر اور تمام دوسرے لاندہبوں پر قرض موجود ہے۔ جب پہلا قرض ادا کر لو گے تو پھر دیکھنا کہ نوری کیسے تجھ جیسے نابکار جاہل مطلق اور تیرے ہمنوا ناریوں کو تحت الثریٰ تک پہنچاتے ہیں۔

**رابعاً:** ایک لاندہب و بے اصول انسان کی باتوں میں تبدیلی کا تو وہ سوچیں جن کے پاس کوئی مذہب و اصول نہ ہو، الحمد للہ ہم تو مذہب و اصول والے ہیں، اپنے مذہب و اصول کی پاسبانی کرنے کی خدائے بزرگ و برتر نے توفیق و ہمت عطا فرمائی ہے، جو کسی کے اصول



سے واقف ہی نہ ہو، اور بے بنیاد اٹکل پچو لگانے میں ہی مصروف رہتا ہو، اس کی باتوں کی طرف توجہ کرنا کوئی دانائی نہیں۔ اگر جناب کو ہمارے سوالات کے جوابات دینے کا اتنا ہی شوق ہے تو پہلے ہمارے اصول پڑھ، پھر ہم سے سوال کر، پھر دیکھ تجھے کیسے جواب ملتے ہیں۔ ہم نے تو تمہارے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق سوالات کئے تھے جن کے جواب ابھی تک ان شرائط کے مطابق نہیں دیے جاسکے جو سوالات کے ساتھ مذکور ہیں اور قیامت تک نہیں دیے جاسکیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

**خامساً:** ”ڈھول کا پول“ کی اشاعت کے بعد عوام کو یہ واضح ہو گیا تھا کہ لاندہب کبھی بھی اپنے قائم کردہ اصولوں کے تحت ان سوالوں کے جوابات نہیں دے سکتے، ہاں ادھر ادھر کی ٹانک ٹوئیاں مارنے کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں، لیکن کیا کریں بے ہنگم و بے بنیاد شور نہ مچائیں تو بات نہیں بنتی، لہذا انہوں نے یہ سبق اچھی طرح یاد کر لیا ہے کہ چور چائے شور چور چور۔ یہی کام آپ جناب نے سرانجام دیا کہ کوئی جواب تو بن نہ سکا لیکن چند ورق سیاہ کر کے اپنے شور کو وہابی ریکارڈ پر ریکارڈ کروادیا۔

آگے علیزئی نے لکھا کہ: ”عباس رضوی صاحب سے مطالبہ ہے کہ بزدلی چھوڑ دیں، مرد میدان بنیں اور جس طرح بیت العنکبوت میں بیٹھ کر سوالات داغے تھے، اسی طرح بیت العنکبوت میں بیٹھ کر ہمارے سوالات وصول کریں اور ان کے جوابات پیش کریں۔“

**اولاً: سبحان اللہ! علیزئی صاحب! آپ جناب جیسے جنم جنم کے ڈرپوک گیڈر شیروں کو بہادری و شجاعت کا درس دے رہے ہیں۔**

اے مخل الحواس! کیا گوجرانوالہ کی سرزمین سے دُم دبا کر اپنی منہی سی جان بچانا: ”ول گئے کہ اب مرد میدان بننے کی باتیں جناب کو یاد آگئیں؟“

**ثانیاً:** ہمارا تو پہلے بھی تمام لاندہب محققین اور نام نہاد خود ساختہ محدثین کو چیلنج تھا کہ کوئی لا مذہب ہماری طرف سے کئے جانے والے سوالات کے عائد کردہ شرائط کے مطابق جواب دینے کے لئے ہمارے سامنے آئے، مگر نہ جانے لاندہبوں نے کس طرح ایک بے چارے طالب۔۔ شاہ کو تیار کر کے سامنے لانے کی سعی لا حاصل کی جو چوتھے سوال تک مقابلہ کی تاب نہ لاسکا اور بالآخر اس نے بھی دُم دبا کر بھاگنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی، اور مجھے یقین کامل ہے کہ اس کے بعد آج تک دوبارہ ان سوالات کے جوابات دینے کا اس نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اگر جناب میں کوئی دم خرم اور سکت ہے تو آئیے ہم پھر دعوت مبارزت دیتے ہیں کہ مرد میدان بنیں اور عورتوں کی طرح چھپ کر مقابلہ کی بجائے سامنے تشریف لائیں۔

ہاں! یہ ذہن نشین رہے کہ کسی ایسے غیرے سے بات نہیں ہوگی بلکہ آپ جناب جو بزعم خویش علمی میدان کے بڑے شہسوار بنے پھرتے ہیں سے بات ہوگی۔ باقی سب کچھ اس کہادت کی طرح سمجھا جائے گا کہ ”شیر شاہ کی داڑھی بڑی یا سلیم شاہ کی؟“ سمجھ تو گئے ہوں گے؟

**ثالثاً:** جناب کے بقول، یہ سوالات بیت العنکبوت میں بیٹھ کر داغے گئے تھے، اس کے باوجود یہ عالم ہے کہ ۱۲ سال میں تین نام نہاد محققین اور مناظرین نے ہمت کی لیکن انہیں بھی منہ کی کھانی پڑی۔ اب آپ جناب کے سر پر وہابی بھوت سوار ہوا ہے تو آئیے ہم آپ کو کھلم کھلا دعوت مبارزت دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے چلیں کہ اگر بیت العنکبوت میں بیٹھ کر داغے جانے والے سُسنی میزائل اتنے تکلیف دہ اور تباہ کن ثابت ہوئے ہیں تو جب بیت السلاخ سے داغے جائیں گے تو لاندہبیت و نجدیت کا کیا حال ہوگا۔

**رابعاً:** ہم ان کے علاوہ بھی ہر سوال کا جواب دینے کے لئے چشم براہ ہیں لیکن پہلے ہمارے



سوالوں کے جوابات تو دیں۔ کسی اعتراض کا صحیح جواب تو بن سکا نہیں اور آگے سے سوال کرنے بیٹھ گئے۔ خیر، ہم پھر بھی تیار ہیں لیکن جناب پہلے یہ تو تسلیم کر لیں اور اپنے رسالہ میں شائع کر دیں کہ اُن شرائط کے مطابق، جو جناب ہی کے بڑوں کے قائم کردہ اصول ہیں، ہم ان سوالوں کے جوابات نہیں دے سکتے، لہذا ہمارے سوالوں کے جوابات دیئے جائیں۔

**خامساً:** آگے جناب علیزئی نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ایک تہمت و افتراء لگاتے ہوئے لکھا کہ اس کا جواب دیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد انہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میرے باقی سوالات تو فضول ہیں صرف یہ ایک سوال ہے جو شاید ان کے لئے بہت بھاری ہے اور اس کا جواب نہیں بن پڑے گا۔

علیزئی صاحب نے لکھا ہے کہ: ”احمد رضا خان بریلوی نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا، جس کا باحوالہ ذکر اہل حدیث سوال نمبر ۸ میں موجود ہے اس کا جواب دیں اور اپنے نومولود رضا خانی فرقی کے امام کو کذب و افتراء کی جرح سے بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

اگر زندہ ہیں تو جواب دیں! (ارشوال ۱۴۳۱ھ، ۱۱ ستمبر ۲۰۱۰ء)

**اولاً:** ﴿لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ اے کذاب و مفتری! کیا علیزئی صاحب جناب جانتے نہیں کہ کسی انسان پر تہمت لگانا کتنا بڑا جرم ہے؟۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو اللہ رب العزت پر کوئی جھوٹ بولا ہے اور نہ ہی ان کا یہ بیان کرنا ذاتی ہے، بلکہ آپ نے تو جمادات و نباتات میں اطاعت و معصیت کے مادہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جمادات و نباتات میں بھی معصیت کا مادہ پایا جاتا ہے، اور اس پر آپ نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جو کہ نہ تو جھوٹ ہے اور نہ ہی آپ کا ذاتی بیان، جیسا کہ آگے اس کے بارے میں ذکر ہوگا، ان شاء اللہ العزیز۔

**ثانیاً:** اگر اس بات کا جواب کتب تفسیر و احادیث اور کتب اسلاف سے مل جائے تو پھر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر تیرا افتراء ثابت ہو جائے گا، اسی لئے میں نے تیرے بارے میں کذاب و مفتری کے الفاظ استعمال کئے ہیں کیوں کہ وہ بات جس کو تو اللہ عز و جل پر جھوٹ بولنے سے تعبیر کر رہا ہے وہ احادیث مبارکہ میں ثابت ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے، ان شاء اللہ العزیز۔

**ثالثاً:** الحمد للہ! ہم اہل سنت وہ ہیں جن کے بارے میں تیرے بڑے بھی لکھ گئے ہیں کہ جو جماعت رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں موجود تھی، اور جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت تھی، وہ اہل سنت ہی تھی۔

جیسا کہ تمہارے ہی بڑے ”صادق سیالکوٹی“ نے لکھا کہ: ”ان الناس كانوا في حياة النبي ﷺ أهل السنة“۔ (کنز العمال بحاشیہ مسند احمد)

”بے شک لوگ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اہل سنت تھے“۔ (سبیل الرسول ﷺ صفحہ ۶۸)

**رابعاً:** نومولود کون ہیں؟ اس کے متعلق بھی جناب اپنے ہی بڑے کی زبانی سن لیں۔

آپ ہی کا بڑا عبد المجید سوہدروی، محمد حسین بٹالوی کا تذکرہ کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھتا ہے:

”آپ کا وطن بٹالہ تھا۔ مگر قیام زیادہ تر لاہور ہی میں رہا پہلے بھائی گیٹ کی مسجد میں اقامت اختیار فرمائی، پھر چیمپا نوالی مسجد میں آگئے۔ لاہور میں آٹھ تراویح کی ترویج آپ ہی سے ہوئی۔ ”اشاعۃ السنۃ“ کے ذریعہ اہل حدیث کی بہت خدمت کی لفظ وہابی آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔ (سیرت ثانی حاشیہ صفحہ ۴۵۲-۴۵۳)



محمد حسین بٹالوی ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء میں اپنی موت آپ مر ۱۱ اور ۸۵ سال عمر پائی۔

اس طرح ۱۸۳۵ء اس کی تاریخ پیدائش ٹھہری اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بٹالوی نے پیدا ہوتے ہی کوششیں شروع کر دی تھیں کہ وہابیوں نجدیوں کو اہل حدیث کا نام الاٹ ہو جائے تب بھی تمہارے الحمدیث بننے کی عمر زیادہ سے زیادہ پونے دو سو سال (۱۷۵) بنتی ہے۔

اب تو جناب علیزئی صاحب آپ کو علم ہو گیا ہوگا کہ نومولود فرقہ کون سا ہے؟

ہاں کتب احادیث و سیر و تاریخ میں کہیں سے بھی نکال کر اہل حدیث کے لفظ کو جناب اپنے اوپر فٹ مت کر لیا کرو کیونکہ جناب ہی کا بڑا مولوی، اسماعیل سلفی، لکھتا ہے کہ:

”وہابیوں نے بھی الحمدیث کا مذہب ہندوستان ہی سے لیا ہے“ (الاطلاق الفکری ص ۱۱۸)

اس وقت ہم ان عبارات پر نہ تو تبصرہ کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی مزید وضاحت کرتے ہیں، اگر جناب کو اور ڈوز کی ضرورت محسوس ہوئی تو پھر ان شاء اللہ پوری خوراک دے دیں گے۔

**خامساً:** قارئین کرام! اب ملاحظہ ہو اس مفتری و کذاب کا وہ سوال جس کی اس نے بات کی ہے: ”اہل حدیث کا سوال نمبر ۸: نماز کے سوالات سے ہٹ کر عرض ہے کہ احمد رضا خاں نے کہا: ”غزوہ احزاب کا واقعہ ہے رب عز وجل نے مدد فرمائی چاہی اپنے حبیب کی شمالی ہوا کو حکم ہوا جا اور کافروں کو نیست و نابود کر دے۔ اس نے کہا ”الحلائل لا یختر جن باللیل“ یہ بیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں فأعقمها اللہ تعالیٰ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بانجھ کر دیا اسی وجہ سے شمالی ہوا سے کبھی پانی نہیں برستا“

(ملفوظات حصہ ۳ ص ۳۱۹ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، ۳۸۔ اردو بازار لاہور)

ہوا کا اللہ کے حکم سے انکار کر دینا کون سی صحیح حدیث میں لکھا ہوا ہے؟ باحوالہ اور تصحیح سند جواب دیں اور یہ مسئلہ بھی سمجھا دیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہوا کو حکم دے تو ہوا اس پر عمل کرنے سے

انکار کر دیتی ہے۔ کن فیکون کا کیا مطلب ہے؟

**الجواب:** جناب کے امام محمد بن علی بن محمد شوکانی اپنی تفسیر ”فتح القدیر“ میں ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم کی الکنی، ابوالشیخ، ابن مردویہ اور ابونعیم کی دلائل النبوة کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

عن ابن عباس قال: لما كان ليلة الأحزاب جاءت الشمال الى الجنوب، فقالت: انطلقني فانصري الله ورسوله، فقالت الجنوب: ان الحرة لا تسري بالليل، فغضب الله عليها وجعلها عقيماً، فأرسل عليهم الصبا، فأطفأت نيرانهم وقطعت أطنابهم فقال رسول الله ﷺ: نصرت بالصبا وأهلك عاد بالدبور، فذلك قوله ﴿فأرسلنا عليهم ريحا وجنوداً لم تروها﴾۔ (فتح القدیر الجامع بین فنی الروایة والدرایة من علم التفسیر ۴۰۴/۲)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرمایا کہ جب غزوہ احزاب کی رات آئی تو (ہوا) شمال کی طرف سے جنوب کی طرف چلی، پس فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کے لئے چل، تو جنوب کی (ہوا) نے کہا: گرمی رات کو نہیں چلتی، پس اللہ عز وجل اس پر نازل ہوا اور اس کو بانجھ بنا دیا۔ پھر ان پر صبا کو بھیجا تو اس نے ان کی آگ کو بجھا دیا اور ان کے خیموں کی رسیوں کو توڑ دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری صبا سے مدد کی گئی ہے، عاد کو دبور سے ہلاک کیا گیا، یہ ارشاد خداوندی ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اسی بارے میں ہے۔

کیا جناب کے یہ امام اللہ عز وجل پر جھوٹ باندھنے والے ہیں؟ کیا جن کے حوالہ سے شوکانی صاحب نے بیان کیا وہ تمام بھی اللہ عز وجل پر جھوٹ باندھنے



والے ہیں؟ کیا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اللہ عزوجل پر جھوٹ باندھنے والے ہیں؟ معاذ اللہ من ذلك۔

ہو سکتا ہے کہ آپ جناب اپنی عادت کے مطابق اپنے اس امام کو بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا لکھ دیں لیکن یاد رکھنا کہ ایک یہی نہیں بلکہ ساتھ ابن کثیر بھی شامل ہیں کیونکہ انہوں نے بھی پہلے ابن جریر کے حوالہ سے اسے عکرمہ سے بیان کیا، پھر کہا کہ ابن ابی حاتم نے ”ابن سعید الانشاج، عن حفص بن غیاث، عن داود، عن عکرمہ عن ابن عباس“ بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۶/۳۸۵)

اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ والی روایت کو اپنی تفسیر ”معالم التنزیل ۶/۳۲۱-۳۲۲“ پر۔ امام دیویری رحمۃ اللہ علیہ نے ”المجالسة وجواهر العلم ۱۹۹ (۱۱۴۰)“ میں۔

اسی طرح عکرمہ کی روایت کو ابن عادل جنبل نے اپنی تفسیر ”اللباب“ ابن جریر نے اپنی تفسیر ”جامع البیان“ اور ثعلبی نے اپنی تفسیر ”الکشف والبیان“ اور محمد شری بنی الخطیب نے اپنی تفسیر ”السراج المنیر“ اور خازن نے اپنی تفسیر ”لباب التأویل“ میں سورت احزاب کی تفسیر میں اس روایت کو بیان اور نقل کیا ہے۔

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الدر المنثور ۶/۵۷۳“ میں اور ”الخصائص الکبریٰ ۱/۳۸۰“ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اور دوسرے کئی علماء مثل (مدارج النبوت ۲/۱۷۳) شاہ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی شرح ”فتح الباری“ میں لکھا ہے

کہ:

”وروی ابن مردويه في التفسير من طريق أخرى عن ابن عباس أيضا: قالت الصبا للشمال: اذهبي بنا ننصر رسول الله ﷺ فقالت: ان الحرائر لا تهب بالليل، فغضب الله عليها فجعلها عقيما۔

(فتح الباری، کتاب المغازی ۲/۱۸۱۷، وفی نسخة ۲/۴۰۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس روایت کو امام بزار نے اپنی مسند میں ایسی سند کے ساتھ، جس کے تمام راوی ثقہ ہیں، روایت کیا ہے۔

ملاحظہ ہو سند مع متن حدیث:

حدثنا عبد الله بن سعيد، قال: حدثنا حفص بن غياث عن داود، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، قال: أتت الصبا الشمال فقالت: مري حتى ننصر رسول الله ﷺ فقالت الشمال: ان الحرة لا تسري بالليل فكانت الريح التي نصر بها رسول الله ﷺ الصبا۔

(مسند البزار ۲/۱۶۲ (۴۷۲۱))

اس روایت کے پہلے راوی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی بھی ہیں۔

دوسرے راوی: حضرت ابو عبد اللہ، عکرمہ مولیٰ ابن عباس ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

”ثقة ثبت عالم بالتفسير، لم يثبت تكذيبه عن ابن عمر، ولا ثبت عنه بدعة، من الثالثة“۔ (تقریب التهذیب ۴۳۷ (۴۶۷۳))



تیسرے راوی: ابو بکر اد ابومحمد، داود بن ابی ہند القشیری ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

”ثقة متقن كان يهتم بأخوة“۔ (تقريب التهذيب ۱۸۷ (۱۸۱۷))

چوتھے راوی: ابو عمر، حفص بن غياث بن طلق ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

”ثقة فقيه تغير حفظه قليلا في الآخرة“۔ (تقريب التهذيب ۱۵۷ (۱۴۳۰))

پانچویں راوی: ابوسعید، عبد اللہ بن سعید بن حصین ہیں، جن کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”ثقة“۔ (تقريب التهذيب ۳۲۰ (۳۳۵۴))

چھٹے راوی: صاحب مسند امام بزار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

جبکہ امام ابوالشیخ کی ”العظمة ۱۳۴۶/۴“ میں ان کے متابع امام عبد الرحمن بن ابی حاتم، عمر بن عبد اللہ اور امام ابن الجارود ہیں جبکہ امام ابن ابی الدنیاء نے بھی عبد اللہ بن سعید سے ”المطر والرعد والبرق ۱۳۹ (۱۳۴)“ میں اس کو روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن سعید سے ”کتاب الفتن، باب: خروج النار“ میں روایت لی ہے، اور حفص بن غياث سے تقریباً ۸۵ روایات لی ہیں، جبکہ امام مسلم نے عبد اللہ بن سعید بن حفص بن غياث کی سند سے اپنی صحیح میں ”کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: من أحق بالامامة“ ص ۳۱۵ (۱۵۳۷) وغیرہ مقامات پر روایات لی ہیں، اور داود بن ابی ہند سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تقریباً پانچ (۵) روایات، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں تقریباً چونتیس (۲۴) روایات بیان کی ہیں، جبکہ عکرمہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تقریباً دو سو بیس (۲۲۰) اور

امام مسلم نے اپنی صحیح میں دو (۲) روایات کا اخراج کیا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تقریباً چھ سو بیس (۶۲۰) اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں تقریباً دو سو چھتیس (۲۳۶) روایات لی ہیں۔

اسی لئے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ”مجمع الزوائد“ میں اس روایت کو امام بزار کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: ”رواه البزار ورجاله رجال الصحيح“۔

(مجمع الزوائد، باب نصره بالريح والريح، ۱۲۸/۶ (۱۰۱۵۸) وفي نسخة: ۳۴/۶ (۹۹۳۶)) اور محمد بن یوسف الصالحی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”سبل الهدى والرشاد ۳۷۶/۴، و ۳۱۶/۱۰“ میں فرماتے ہیں کہ: ”وروى ابن أبي حاتم وأبو نعیم والبزار برجال الصحيح عن ابن عباس“ اور دوسرے مقام پر ”روى البزار برجال الصحيح“۔

یہی لاندہب علیز کی کئی مقامات پر کسی راوی کی توثیق ثابت کرنے کے لئے امام ترمذی، نسائی اور ابن خزیمہ وغیرہما کی جامع، سنن یا صحیح میں بغیر کسی جرح کے بیان ہونے والی روایات کے راویوں کو ان کے نزدیک ثقہ تسلیم کرتا اور لکھتا ہے۔

پس آئیے اس لحاظ سے اس روایت کے بارے میں کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

عن داود بن أبي هند عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما کی سند: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ”الجامع“ میں ”کتاب التفسير، سورة بني اسرائيل“ صفحہ ۸۷۰ (۳۱۵۲) میں اس سند سے ایک روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ”هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه“۔

اور اسی طرح ”سورة العلق“ ﴿اقرأ باسم ربك الذي خلق﴾ ص ۹۳۱ (۳۳۶۰)“



کی تفسیر میں اسی سند سے ایک روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ”ہذا حدیث حسن غریب صحیح“۔

اور عبد اللہ بن سعید عن حفص بن غیاث کی سند سے اپنی ”الجامع“ میں ”كتاب الطهارة“ ۶۷ (۱۴۶) میں ایک روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ”هذا حديث حسن صحيح“، اور ”كتاب الأحكام“ ۴۱۹ (۱۳۶۶) میں ایک روایت کے بارے میں کہا کہ: ”حديث البراء حديث حسن غريب“، اور ”كتاب الأضاحي“ ۴۶۲ (۱۵۰۰) میں کہا کہ: ”هذا حديث حسن صحيح غريب“، یونہی کہیں تحسین اور کہیں تصحیح فرمائی ہے۔

اسی طرح امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے اپنی ”صحیح“ میں اسی سند سے ایک روایت ”باب: اباحة الزيادة على التلبية في الموقف بعرفة بأن الخير خیر الآخرة“، ج ۲ ص ۱۳۳۵ (۲۸۳۱) میں روایت کی ہے۔

اور عبد اللہ بن سعید عن حفص بن غیاث کی سند سے اپنی ”صحیح“ میں ”باب: الزجر عن لبس الأقبية في الاحرام“، ج ۲ ص ۱۲۳۵ (۲۵۹۸) اور ”باب: اباحة الوقوف حيث شاء الحاج من المزدلفة اذ جميع المزدلفة موقف“، ج ۲ ص ۱۳۴۶ (۲۸۵۸) اور ”باب: الرخصة في النحر والذبح أين شاء المرء من منى“، ج ۲ ص ۱۳۵۹ (۲۸۹۰) وغیرہم مقامات پر روایات لی ہیں۔

یونہی امام ابن حبان اپنی ”صحیح“ میں ”كتاب الطهارة“، ج ۳ ص ۴۱۱ (۱۱۲۹)، و کتاب النکاح، ج ۹ ص ۴۳۷ (۴۱۲۹) وغیرہم مقامات پر روایات لائے ہیں۔ اور دوسرے کئی مقامات پر عبد اللہ بن سعید اور حفص بن غیاث کی روایات بیان کی ہیں۔

لہذا ثابت ہوا کہ علیزئی کے اصول کے مطابق اس روایت کے تمام راوی امام ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہیں اور ان کی یہ روایت صحیح ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”المستدرک علی الصحیحین“ میں ایک روایت مندرجہ ذیل سند کے ساتھ بیان کی: ”حفص بن غیاث عن داود بن أبي هند، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما۔ الخ۔ اور فرمایا کہ: ”هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه“۔ (مستدرک ۴۸۲/۲ ص ۲۶۷۵)

اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تلخیص“ میں لکھا کہ ”صحیح“۔ پس امام حاکم اور ذہبی کے نزدیک حفص بن غیاث سے لے کر حضرت ابن عباس تک ساری سند صحیح ہے، اور امام حاکم نے عبد اللہ بن سعید کی بھی کئی روایات کی تصحیح فرمائی ہے۔ حفص بن غیاث کا آخری عمر میں تھوڑے اختلاط کا شکار ہو جانا، یہ بھی اس روایت میں نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ اسی لاندہب علیزئی نے سماک بن حرب کے اختلاط کی بحث میں لکھا ہے کہ:

”ابن الصلاح اشبر زوری نے کہا:

”واعلم أن من كان من هذا القبيل محتجا بروايته في الصحيحين أو أحدهما فانا نعرف على الجملة أن ذلك مما تميز و كان ماخوذا عنه قبل الاختلاط والله أعلم“ (علوم الحديث مع التقييد والايضاح ص ۴۶۶ نو ۶۲)

یعنی متخلطین کی صحیحین میں بطور حجت روایات کا مطلب یہ ہے کہ وہ اختلاط سے پہلے کی ہیں، یہ قول دوسرے قرائن کی روشنی میں بالکل صحیح ہے۔ (مقالات ج ۱ ص ۳۳۵)

لہذا حفص بن غیاث کا آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو جانا بھی اس روایت کے لئے اسی لا



مذہبِ علیزی کے بیان کردہ قانون کے تحت مفسر نہیں۔

جبکہ امام ابوالشیخ اپنی کتاب ”العظمة“ میں مندرجہ ذیل سند و متن کے ساتھ بھی اسے روایت کرتے ہیں:

”حدثنا عبد الرحمن بن الحسن حدثنا يحيى بن ورد حدثنا أبي حدثنا عدي بن الفضل عن داود عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: لما كانت ليلة الأحزاب جاءت الشمال الى الجنوب فقالت: انطلقني فانصري الله ورسوله فقالت الجنوب: الحرة لا تسري بالليل، فأرسل الله الصبا، فأطفأت نيرانهم وقطعت أطنا بهم فقال رسول الله ﷺ نصرت بالصبا، وأهلك عاد بالدبور۔ (العظمة ۴/۱۳۴۸) (۸۶۶۷۰)

اس روایت کی سند کے تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے، سوائے عدی بن فضل کے، اس کو امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن اکثریت نے اس کی تضعیف کی ہے۔

اور اس روایت کی شاہد وہ مرسل روایت بھی ہے، جس کو دوسرے محدثین کے علاوہ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت عکرمہ سے مندرجہ ذیل سند و متن کے ساتھ روایت کیا ہے:

”حدثنا محمد بن المثنى، قال: عبد الأعلى، قال ثنا داود عن عكرمة قال: قالت الجنوب للشمال ليلة الأحزاب: انطلقني نصبر رسول الله ﷺ، فقالت الشمال، ان الحرة لا تسري بالليل، قال: فكانت الريح التي أرسلت عليهم الصبا۔ (أخرجه الطبري في تفسيره ۱۰/۲۶۳) (۲۸۳۵۹)

پہلے راوی: امام ابن جریر طبری جو کہ مشہور و معروف محدث و مفسر ہیں۔

دوسرے راوی: محمد بن شعیب بن عبد بن دینار، جن کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ

علیہ لکھتے ہیں کہ: ”ثقة ثبت“۔ (تقريب ۵۶۲)

تیسرے راوی: عبد الاعلیٰ بن عبد الاعلیٰ، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”ثقة“۔ (تقريب ۳۵۱)

پھر ان کے متابع بھی موجود ہیں جیسا کہ ”المجالسة وجواهر العلم ۵۲۴/۳“ اور ”الأسامي والکنی ۸۸/۳“ اور ”علل الترمذی الكبير ۴۳۸/۲“ وغیرہم میں بشر بن مفضل ہے، اور اس سے روایت کرنے والے دوسرے لوگ بھی ہیں۔

اور داود بن عکرمہ کے متعلق پیچھے ذکر ہو چکا۔

اسی طرح اس روایت کو امام ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب ”المطر والرعد والبرق (۱۳۲)“ میں روایت کیا ہے جو کہ: ”عن قتادة أو داود بن أبي هند موقوف“ ہے۔

اب ہم کذاب و مفتری علیزی اور اس کے وہ ہمنوا جنہوں نے اس سے قبل اس بات کی وجہ سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کئے ہیں اُن سے پوچھتے ہیں کہ:

کیا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنہوں نے اس کو بیان کیا اور وہ تمام تابعین اور تبع تابعین جنہوں نے بیان کیا، اور وہ تمام آئمہ اسلام جنہوں نے اس بات کو روایت یا نقل کیا تمہارے نزدیک کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ کیا وہ اللہ رب العزت پر جھوٹ گھڑنے والے کذاب ہیں؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

قسم بخدا! وہ لوگ نہ تو اللہ عز و جل پر جھوٹ بولنے والے اور نہ ہی کذاب ہیں، بلکہ ان پر اس وجہ سے اعتراضات کرنے والے تم لوگ تعلیمات اسلامیہ سے جاہل ہو۔

تمہیں چاہیے تو یہ تھا کہ اپنی جہالت پر ماتم کرتے لیکن نہ جانے تم لوگ عوام الناس کے



سامنے اپنے آپ کو عالم منوانے کے لئے کیوں اہل اسلام اور بزرگان دین پر تہمت و افتراء باندھ کر اپنی عاقبت کو خراب کرنے کے درپے ہو گئے ہو، جس کی وجہ سے تمہارا انجام تو جو ہوگا سو ہوگا ہی لیکن نہ جانے تم لوگ کتنے سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانے کا بھی ذریعہ بن رہے ہو، مگر یاد رکھنا کہ ان کا وبال روز قیامت تمہارے سروں پر ہوگا۔

اے الزام تراشا! ہوش کے ناخن لو، اور ذہن میں رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا. وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيٍ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ [الأحزاب: ۵۷-۵۸]

جس کو صادق و مصدق نبی ﷺ نے بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کی ”کتاب الرقاق“ میں روایت فرمایا ہے کہ:

”ان الله قال من عادى لي وليا فقد اذنته بالحرب -- الخ۔

(صحيح البخاري جزء ۸ ص ۱۰۵) (۶۵۰۲)

نا عاقبت اندیشو! سوچو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی مول لے کر کس کو اپنا ولی و مددگار بنا دے گا؟۔

کیوں جناب! اب تو کن فیکون کی سمجھ آگئی یا ابھی بھی جناب مہمل و مختل کلام سے اوراق کو سیاہ کرنے کی سعی لا حاصل کریں گے؟۔

اگر جناب مخموریت میں قلم کو حرکت دیں تو ہمیں ان شاء اللہ العزیز اپنی طبع آزمائی کے لئے تیار پائیں گے۔

محمد ارشد مسعود 2010/12/09

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

اما بعد:

آج سے تقریباً بارہ (۱۲) سال قبل اہل سنت و جماعت کی طرف سے مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی نے غیر مقلدین پر بارہ (۱۲) سوال قائم کیے جن کی تشہیر تقریراً و تحریراً اور بذریعہ اشتہارات اور انٹرنیٹ پر بھی خوب کی گئی۔ آج بھی کئی ویب سائٹس اور (you tube) پر ہمارے سوالات موجود ہیں۔

پہلے گوجرانوالہ کے ایک لاندہب فاروق صارم نے ان کے جوابات دینے کی ناکام کوشش کی، جس کا جواب ”ڈھول کا پول“ نامی رسالہ میں دے دیا گیا۔

اس کے بعد انہی سوالات پر پروفیسر طالب۔۔۔ آف راولپنڈی، ایک لاندہب و جاہل مناظر، سے انٹرنیٹ پر بعض دوستوں نے مناظرے کا اہتمام کیا، جس میں پہلے چار سوالوں پر گفتگو ہوئی تو اس نے تسلیم کیا کہ ان مسائل میں ہمارے پاس مذکورہ شرائط کے مطابق دلائل نہیں ہیں۔

بقیہ سوالات کے جوابات دینے کے لئے آئندہ مناظرے کا وقت متعین کرنے اور وعدہ کر لینے کے باوجود اس نے نہ آنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ یہ مناظرہ اب بھی مختلف ویب سائٹس پر موجود ہے۔

اب کافی عرصہ بعد ان سوالات کا جواب (مشہور لاندہب) زبیر علی زئی کی طرف سے آیا ہے۔ یہ جوابات پڑھ کر افسوس ہوا کہ جو شخص محدثین پر اعتراضات کرتے ہوئے، ان کے



اقوال کو باطل و مردود کہتے ہوئے اور فقہاء امت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے نہ تھکتا ہو، اس کا اپنا مبلغ علم یہ ہے۔

سب سے پہلے یہ عرض کرتے چلیں کہ لاندہبوں (غیر مقلدین) کا یہ نام نہاد محقق و محدث ایسا پیدا ہوا ہے کہ اس نے لاندہبوں کے بنائے ہوئے اصولوں کی ہی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔

ان لاندہبوں (وہابیوں) کے بڑے تو خود کہتے اور لکھتے رہے کہ:

”بمحلہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلد، وہابی، لاندہب) صرف انہیں دو چیزوں پر عامل اور قائم ہے نہ تیسری چیز کی ضرورت دین میں تھی نہ انہیں محسوس ہوئی، نہ انہوں نے تیسری ہستی ٹٹولی۔“ (توحید محمدی ۹۱، مکتبہ محمدی R-7 / چچہ وطنی، ساہیوال)

اور یہی جونا گڑھی ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ:

”۔۔۔ ایک مٹھی میں قرآن و دوسری میں حدیث لو جب تیسرا ہاتھ پیدا ہو تب تیسری چیز بھی پیدا کر لینا اب تو قرآن حدیث بس ہے باقی سب ہوس ہے۔۔۔۔۔“

(شیخ محمدی ۲۷، مکتبہ محمدی R-7 / چچہ وطنی، ساہیوال)

اور یہی جونا گڑھی اسی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

”ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ جو قرآن حدیث میں جس طرح ہے وہی اسی طرح اسلام ہے جو اس میں نہیں وہ اسلام میں نہیں۔“ (شیخ محمدی ۱۴۰، مکتبہ محمدی R-7 / چچہ وطنی، ساہیوال)

سنو اور غور سے سنو! یہی تمہارا بڑا جونا گڑھی لکھتا ہے کہ:

”سنئے جناب! بزرگوں کی، مجتہدوں اور اماموں کی رائے قیاس اجتہاد و استنباط اور ان کے اقوال تو کہاں؟ شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر اللہ ﷺ بھی اپنی طرف سے بغیر وحی

کے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں“ (طریق محمدی ص ۵۷، مکتبہ محمدی R-7 / چچہ وطنی، ساہیوال)

یہی جونا گڑھی اسی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

”تجرب ہے کہ جس دین میں نبی کی رائے حجت نہ ہو اس دین والے آج ایک

امتی کی رائے کو دلیل سمجھنے لگے۔“ (طریق محمدی ص ۵۹، مکتبہ محمدی R-7 / چچہ وطنی، ساہیوال)

اسی جونا گڑھی نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ:

”جب اللہ کے پیغمبر کو یہ اجازت نہ تھی کہ اللہ کے دین میں اپنی طرف سے کچھ کہہ

دیں پھر اماموں اور مجتہدوں کو یہ منصب اور یہ رتبہ کیسے مل گیا؟۔

(طریق محمدی ص ۶۱، مکتبہ محمدی R-7 / چچہ وطنی، ساہیوال)

اور مناظرہ حافظ آباد (فاتحہ خلف الامام) میں تو لاندہبوں کے مشہور مناظرین عبدالرشید ارشد، سخی گوندلوی وغیرہا نے تحریراً یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہمارے نزدیک اجتہاد، قیاس حجت شرعیہ نہیں ہے۔ یہ دعویٰ آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہے اور ویڈیو کیسٹ میں بھی پڑھ کر سنا دیا گیا تھا۔

مگر یہ لاندہب وقت پڑنے پر اجماع، اجتہاد اور قیاس کو بھی دلیل تسلیم کرتا ہے۔

وہابیو! دیکھنا کہیں یہ تم میں ”آدھا تیترا آدھا بٹیر“ تو پیدا نہیں ہو گیا؟۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا کوئی مذہب نہیں ہے، ان کے بڑے کچھ کہتے اور لکھتے

رہے، یہ آج کچھ اور کہہ اور لکھ رہے ہیں۔ مگر یہ بات قابل افسوس نہیں، کیوں کہ یہ وہ گروہ

ہے جو شہر بدلنے سے اپنا مسلک بدل لیتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو ملک بدلنے سے، زمانہ

بدلنے سے، حکومت بدلنے سے نظریات تبدیل کر لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:



مولوی عبد اللہ خانپوری نے ایک کتاب ”تذکرہ علمائے خانیور“ لکھی جس میں اس نے اپنے لاندہب مولویوں کے تذکرے لکھے ہیں، اس میں وہ قاضی عبد الاحد بن قاضی محمد حسن م ۱۹۲۸ء کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ:

(قاضی عبد الاحد) ”شہر کی مختلف مساجد میں نماز کے لئے جاتے اور جو کچھ وہاں دیکھتے وہاں کے امام سے چند سوالات کر کے اسے راہ پر لے آتے، اس غرض کے لئے مساجد احناف میں وہ آمین بالجبر اور رفع الیدین بھی نہ کرتے تھے۔“

(تذکرہ علمائے خانیور ۲۸، المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

### آدم بر سر مطلب:

#### ہمارا سوال نمبر (۱)

کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز وتر میں بعد از رکوع عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے یا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے؟

جواب علیزنی لا مذہب:

نبی کریم ﷺ کے (۷۰) صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جب شہید ہو گئے تو آپ نے ایک مہینہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا تھا جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھیے صحیح بخاری (کتاب المغازی باب ۲۹ ج ۲۹۰۹)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”فقد رأیت رسول اللہ ﷺ كلما صلى الغداة رفع يديه يدعو عليهم“ پس یقیناً میں نے دیکھا، رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے، دونوں ہاتھ اٹھاتے، ان (کافروں) پر (ہلاکت و تباہی) کی دعا فرماتے۔

(صحیح ابی عوانہ ج ۵ ص ۴۱، دوسرا نسخہ ج ۴ ص ۷۲ ج ۵۹۱۳ و سندہ صحیح)

اس حدیث سے قنوت میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا ثابت ہے لہذا جواہل حدیث قنوت وتر میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، اس حدیث اور آثار کی بنا پر اٹھاتے ہیں۔

امام اہل سنت امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ دونوں قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کے قائل تھے۔

دیکھیے مسائل ابی داؤد (ص ۶۶) اور مسائل احمد و اسحاق (روایۃ اسحاق بن منصور الکوفی ج ۱/۲۱۱ ت ۳۶۵)

### اقول:

سوال گندم جواب چنا، یعنی سوال ہے نماز وتر کا اور جواب ہے نماز فجر کا، سوال ہے دعائے قنوت کا اور جواب ہے قنوت نازلہ کا، ماشاء اللہ، کیا ہی محدثانہ تحقیق ہے؟

اولاً: سوال ہے ہمیشہ کا اور جواب ہے ایک مہینہ کا۔

کیا علیزنی صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک مہینہ کیا ہو اور اللہ عزوجل کے حکم سے اس کو ترک کر دیا ہو اس پر ساری عمر عمل کرنا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے یا کہ رسول اللہ ﷺ سے بغاوت؟

ارشاد رب العالمین ہے:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾

[آل عمران: ۱۲۸]

اس آیت مبارکہ کا شان نزول ملاحظہ فرمائیں:

امام بخاری اپنی صحیح اور امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں (امام مسلم کے الفاظ یہ ہیں)

”كان رسول الله ﷺ يقول حين يفرغ من صلاة الفجر من القراءة و



يَكْبُرُ وَيَرْفَعُ رَأْسَهُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يَقُولُ: وَهُوَ قَائِمٌ اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَسَلْمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعِيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطَأَتَكَ عَلَى مُضَرٍّ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ كَسَنِي يُوسُفَ اللَّهُمَّ الْعَنِ لِحْيَانِ وَرِعْلًا وَذِكْوَانَ وَعَصِيَةَ عَصَتِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ثُمَّ بَلَّغْنَا أَنَّهُ تَرَكَ ذَلِكَ لَمَّا أَنْزَلَ ﴿كَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ (أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ فِي الصَّحِيحِ، فِي الصَّلَاةِ، (٦٧٥) وَابْنُ خَالٍ فِي الصَّحِيحِ، فِي التَّفْسِيرِ (٤٢٨٤) وَغَيْرُهُمَا)

علیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اپنے گروہ کو یہ بھی بتا دینا تھا کہ یہ جو ہمارا کام ہے اور جس پر ہم لاندہب کا ر بند ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو وحی کے ذریعے کرنے سے منع کر دیا تھا۔

لیکن یہ جناب نہیں بتائیں گے کیونکہ اس سے جناب کے حواری جناب سے ناراض ہو کر آج سے پہلے ساری زندگی میں جو کیا ہے اس کا سوال کریں گے، جس کی وجہ سے جناب کو ندامت اٹھانا پڑے گی، لیکن علیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب ہمارا آپ کو مشورہ ہے کہ اس فانی دنیا کی چند روزہ زندگی کو اخروی دائمی زندگی پر ترجیح مت دیں۔

رسول اللہ ﷺ تو ایک ماہ ایک عمل کریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے تحت اس کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں اور جناب اپنے حواریوں کو ساری زندگی کرنے کے دلائل فراہم کریں، کیا یہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع ہے؟

یہ فعل ترک کرنا حکم ربانی اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، جس پر الحمد للہ اہل سنت و جماعت کا ر بند ہیں۔

جناب نے لکھا ہے کہ: ”عباس رضوی نامی ایک بریلوی نے اہل حدیث (اہل سنت) سے

بارہ سوالات کئے ہیں“

جناب من! ویسے جناب کا یہ لکھنا عجیب سا لگا ہے۔

جیسا کہ آپ اس نام اور شخصیت سے بالکل ہی ناواقف ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے جناب کی یاد دہانی کے لئے عرض ہے کہ سرزمین گوجرانوالہ میں جناب اپنی جماعت کے مناظر طالب۔۔۔ شاہ کے ساتھ جب اپنی تحقیق ظاہر کرنے تشریف لائے تھے تو یہی شخصیت تھی جس نے جناب کو کہا تھا کہ پیچھے سے مشورہ دینے کی بجائے خود مناظر بن کر سامنے آئیے، مگر اس وقت جناب کو کیا ہوا تھا؟ شاید جناب کو سانپ سوگن گیا تھا۔ ویسے حاضرین تو جناب کے چہرے کی رنگت کے بدل جانے سے ہی جان گئے تھے۔

یہ وہی شخصیت تھی جن کے سوالوں کے جوابات نہ بن پڑنے پر جناب من اور جناب کی جماعت کے مناظر مع معاونین، اس شخصیت کے نماز پڑھنے کے دوران۔۔۔ دم دبا کر بھاگ گئے تھے۔

اگر یادداشت ساتھ نہ دے تو آج بھی مناظرہ وسیلہ کے کیسٹ منگوا کر یادداشت کو تازہ کر لیجئے۔

ویسے آپ کے بڑے تو اپنے آپ کو وہابی، احمدیہ ہی لکھتے رہے اور اپنے مد مقابل احناف کو اہل سنت لیکن آج کل یہ آپ کے لاندہب گروہ پر کیا بھوت سوار ہوا ہے کہ اپنے آپ کو اہل سنت میں شامل کرنے کے لئے کبھی ”اصلی اہل سنت“ اور کبھی ”اہل سنت“ لکھنا شروع کر دیا ہے اور عمل یہ کہ جس کو حکم ربانی رسول اللہ ﷺ نے ترک کیا اس پر دوام؟ فی اللعجب۔

ثانیاً: اب آئیے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی طرف، اس روایت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں کئی ایک مقامات پر بیان فرمایا ہے، کہیں مختصر اور کہیں



تفصیلاً۔

حضرت قتادہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

”قنت رسول اللہ ﷺ شہرا بعد الركوع يدعوا على أحياء من العرب“

(صحیح البخاری، کتاب المغازی)

مذکورہ بالا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ حدیث مبارکہ میں بعد از رکوع قنوت پڑھنے کا ذکر ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی موجود ہے کہ ”قنت رسول اللہ ﷺ شہرا بعد الركوع“ یعنی رکوع کے بعد جو قنوت (نازلہ) پڑھی گئی وہ ایک ماہ تھی۔

اب صحیح بخاری میں ہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ مفصل روایت کو ملاحظہ فرمائیں حضرت عاصم فرماتے ہیں:

”سألت أنس بن مالك عن القنوت فقال: قد كان القنوت، قلت: قبل الركوع أو بعده؟ قال: قبله، قال: فإن فلانا أخبرني أنك قلت بعد الركوع فقال: كذب إنما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهوراً أراه كان بعث قوما يقال لهم القراء زهاء سبعين رجلاً إلى قوم من المشركين دون أولئك وكان بينهم وبين رسول الله ﷺ عهد فقنت رسول الله ﷺ شهوراً يدعوا عليهم“ (أخرجه البخاري في الصحيح، في الوتر، ج ۱۰۰۲)

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ ایک ماہ کے علاوہ بعد از رکوع دعائے قنوت کو جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتا ہے وہ بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ کذاب ہے۔

ایک ماہ نبی اکرم ﷺ سے بعد از رکوع قنوت نازلہ پڑھنا ثابت، لیکن ساتھ ہی اس کا منسوخ ہونا حکم ربانی اور اس کا ترک کر دینا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

پس اب جو کوئی اس ایک ماہ کے بعد بھی، رکوع کے بعد و تروں میں قنوت پڑھنے کو سنت قرار دیتا ہے یا عمل کرتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے، یہ علیزئی بتائے؟۔

کیا لامذہب اس عمل کو امت کے لئے سنت سمجھتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے ترک کر دیا؟۔

عبد الرؤف لامذہب نے و تروں میں پڑھی جانے والی قنوت کے بارے میں مختلف روایات کے جوابات دینے کے بعد لکھا کہ: ”خلاصہ رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور صحابہ کے عمل سے قنوت قبل الركوع ہی ثابت ہے“۔ (صلوة الرسول ص ۴۰۱)

اب واضح ہو گیا کہ ہمارا سوال کہ ”کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز وتر میں بعد از رکوع۔۔ الخ“ ابھی تک علیزئی اور پوری لامذہبوں کی ذریت کی گردنوں پر باقی ہے جس کو وہ تاقیام قیامت اُتار نہیں سکیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

ثالثاً: علیزئی صاحب کا یہ لکھنا کہ:

”سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”فقد رأيت رسول الله ﷺ كلما صلى الغداة رفع يديه يدعو عليهم“ پس یقیناً میں نے دیکھا، رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے، دونوں ہاتھ اٹھاتے، ان (کافروں) پر (ہلاکت و تباہی) کی دعا فرماتے۔

(صحیح ابی حنوفہ ج ۵ ص ۴۱، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۷۲ ح ۵۹۱۳ و سندہ صحیح)

جو اس کے اپنے جواب کی ہی تکذیب کر رہا ہے، اور یہ روایت نقل کر کے علیزئی نے ثابت کر دیا کہ اس مسئلہ میں وہ بیچارہ لا جواب ہی نہیں بلکہ بے بس بھی ہے۔

علیزئی کی بیان کردہ روایت میں نماز وتر کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں صبح کی نماز کا



ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لاندہبوں کے اس محقق و ذی عزم کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کب ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے، جیسا کہ علیزئی کے ترجمہ سے ہی ظاہر ہے، اس میں نہ تو قبل از رکوع کا ذکر ہے اور نہ ہی بعد از رکوع کا۔

لہذا ہمارا سوال ہے کہ ”۔۔ نماز وتر میں بعد از رکوع عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے یا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے؟“ ابھی تک اپنی جگہ قائم ہے جس کا علیزئی اور لاندہبوں کے پاس کوئی جواب نہیں، ان شاء اللہ۔

رابعاً: علیزئی کا یہ لکھنا کہ ”اس حدیث سے قنوت میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا ثابت ہے، لہذا جو اہل حدیث قنوت وتر میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، اس حدیث اور آثار کی بنا پر اٹھاتے ہیں“ سبحان اللہ! علیزئی صاحب اور تمام لاندہبوں کو مبارک ہو کہ ان کا عمل نہ تو کسی صحیح، صریح، مرفوع حدیث سے ثابت ہو سکا اور نہ ہی وہ اس کو ایڑی چھوٹی کا زور لگانے کے باوجود سنت ثابت کر سکے، بلکہ صرف اپنی لنگڑی لولی سوچ و عقل پر انحصار کر کے قنوت نازلہ جو کہ ایک ماہ پڑھی گئی تھی اس کو دلیل بنا کر قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانا ثابت کرنے لگے۔

انہی کے ایک لاندہب نے لکھا کہ ”ناظرین! وتر کی دعائے قنوت میں بھی صرف آداب دعا کی وجہ سے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں ورنہ حدیث میں اس کا کوئی ثبوت ذکر نہیں ہوا۔ لہذا دعا میں ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں شامل ہے ورنہ وتر میں بھی نہ اٹھائے جائیں۔

(بشیر الرحمن سلفی، روح عبادت الدعاء ص ۱۸)

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

بشیر الرحمن سلفی لاندہب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز وتر کی دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھانا

ثابت نہیں، لہذا ہمارا سوال ابھی تک قائم و دائم ہے، بلکہ انہی کے گھر کی تائید رکھتا ہے۔

خامساً: علیزئی کا یہ لکھنا کہ ”امام اہل سنت امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ دونوں قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کے قائل تھے۔ دیکھئے مسائل ابی داؤد (ص ۶۶) اور مسائل احمد اسحاق (روایۃ اسحاق بن منصور الکلیج ۱/ ۲۱۱ ت ۳۶۵)“

سبحان اللہ! علیزئی صاحب! کیا یہ بات یعنی دونوں آئمہ کا فعل آپ کے نزدیک حجت ہے؟

جب کہ اس سے پہلے مذکورہ بالا سوال کے جواب میں نہ تو آپ کوئی صریح دلیل پیش کر سکے ہیں اور نہ ہی کر سکتے ہیں پھر ان دونوں آئمہ کے فعل کو کیا آپ نے حجت تسلیم کر لیا ہے، اگر کہیں کہ تائید کے طور پر تو تائید کے طور پر تب پیش کرتے جب پہلے کوئی صحیح، صریح دلیل قائم کرتے، جب کہ وہ تو آپ کر نہ سکے۔

پس ان دونوں اماموں کا فعل آپ کو فائدہ مند نہیں جب تک کوئی صریح، صحیح، مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکتے، اور وہ جناب کر نہیں سکیں گے ان شاء اللہ العزیز۔

## ہمارا سوال نمبر (۲)

کیا نبی اکرم ﷺ نماز جنازہ کی تمام تکبیرات میں رفع الیدین کرنے کا حکم فرماتے یا آپ ﷺ نے خود نماز جنازہ کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین فرمایا ہے؟

جواب علیزنی لا مذہب :

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: ”أن النبی ﷺ کان اذا

صلی علی جنازة رفع یدیه فی کل تکبیرة واذا انصرف سلم۔“

بے شک نبی ﷺ جب نماز جنازہ پڑھتے تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے اور جب



پھرتے تو سلام کہتے تھے۔ (العلل للدارقطنی ج ۱ ص ۲۲ مسئلہ: ۲۹۰۸ و سندہ صحیح و زیادة اللہ مقبولہ)  
اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بھی) جنازے کی ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۹۶ ج ۱۱۳۸، و سندہ صحیح)

**اقول:**

جناب من، نہ صرف من بلکہ دوس! اتنی بھی بے انصافی اچھی نہیں ہوتی۔

اگر جناب نے امام دارقطنی کی علل سے ہی یہ روایت نقل کی ہے تو اس کا متن ذکر کرنے کے ساتھ جو امام دارقطنی کا اپنا فیصلہ تھا اس کو بھی ذکر کر دینا تھا، لیکن شاید وہ جناب کی طبیعت کے موافق نہیں تھا اور اس کو نقل کرنے سے جناب کا بھرم ٹوٹ جانا تھا اس لئے جناب نے اس کو ذکر نہ کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی، لیکن لیجئے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت ہم نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

”وسئل عن حدیث نافع، عن ابن عمر: أن النبی ﷺ کان اذا صلی علی جنازة۔۔۔ الحدیث۔ فقال: یرویه یحیی بن سعید الأنصاری، واختلف عنه: یرواه [عمر] بن شبة، عن یزید بن ہارون، عن یحیی بن سعید، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبی ﷺ۔ وخالفه جماعة، رَوَوْه عن یزید بن ہارون موقوفاً۔ وكذلك رواه عبد الرحمن بن الیمان شیخ یروی عنه الأوزاعي، وأبو شهاب الحنات، وغيرهما عن نافع عن ابن عمر موقوفاً۔ وهو الصواب۔ (العلل ۱۳/۲۱-۲۲)

جناب نے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہضم کیا تو آخر کیوں؟

یہ روایت مرفوع، صحیح نہیں ہے بلکہ یہ موقوف ہے۔ موقوف تو جناب کے ہاں قابل حجت ہی

نہیں۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ ہماری شرائط کے مطابق جناب سے کوئی جواب نہیں بن پڑا، پس ہمارا سوال ابھی تک علیزئی و دیگر لامذہبوں پر اسی طرح برقرار ہے۔

**ہمارا سوال نمبر (۳)**

حضور اکرم ﷺ نے اپنے کس صحابی کی شہادت پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی؟۔

جواب علیزنی لا مذہب:

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ”صلی رسول اللہ ﷺ علی قتلی أحد بعد ثمانی سنین“ الخ۔ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد پر آٹھ سال کے بعد نماز جنازہ پڑھی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة احد ج ۴ ص ۴۲۲)

اس کا جواب صارم کے جواب الجواب سے ہی پیش ہے:

**اقول: سبحان اللہ!**

تحقیق ہو تو ایسی، بات ہو رہی ہے شہید کے غائبانہ نماز جنازہ کی اور دلیل دی جا رہی ہے مطلق نماز جنازہ کی۔

مجیب ثانی یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ نے احد شریف جا کر پڑھائی تھی، جب کہ مجیب اول اس کو غائبانہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ مدینہ شریف میں پڑھائی تھی۔

پھر اس حدیث کی تفہیم میں بھی کافی اختلاف ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قال النووی المراد بالصلوة هنا الدعاء، وأما كونه مثل الذي على الميت فمعناه أنه دعا لهم بمثل الدعاء الذي كانت عادته أن يدعو به للموتى۔“



(فتح الباری ۱۶۴/۳، وفي نسخة ۸۴۰۱)

امام نووی نے فرمایا کہ یہاں ”صلوٰۃ“ بمعنی دُعا ہے اور یہ کہنا کہ جیسے میت کے لئے صلوٰۃ پڑھتے ہیں، تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس طرح دُعا کی جس طرح مرنے والوں کے لئے دُعا کرنے کی آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی۔

امام ابو زرہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”ان المراد بها الدعاء وليس المراد بها صلوٰۃ الجنائز المعهودة، قال النووي: أي دعا لهم بدعاء صلاة الميت (طرح التثريب في شرح التقریب ۲۹۵/۳) یہاں ”صلوٰۃ“ سے مراد دُعا ہے نہ کہ نماز جنازہ، اور امام نووی نے فرمایا کہ ان کے لئے میت والی دُعا مانگی۔

پس ثابت ہوا کہ لاندہیوں، غیر مقلدوں کے پاس اس کی کوئی صحیح، صریح، مرفوع حدیث دلیل میں پیش کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ اگر ضعیف بھی ہوتی تو ضرور پیش کرتے۔

### سوال نمبر (۴)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز جنازہ میں امام دُعا میں بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں؟۔

جواب علیزنی لا مذہب:

سیدنا عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ”سمعت النبی ﷺ وصلى على جنازة يقول: اللهم اغفر له وارحمه“ الخ۔

میں نے نبی ﷺ کو جنازے پر نماز پڑھتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے: ((اللهم اغفر له وارحمه -)) الخ۔ (صحیح مسلم ۹۶۳/۸۵، ترمذی دار السلام: ۲۲۳۳)

جو دعا بلند آواز سے پڑھی جائے وہی سنی جاتی ہے، لہذا اس صحیح حدیث سے بلند آواز سے دعا پڑھنا ثابت ہوا۔

اس کا جواب بھی صارم کے جواب الجواب سے پیش کیا جاتا ہے لیکن علیزنی صاحب کی طبیعت کے مطابق کچھ اضافہ و تصرف کے ساتھ:

### اقول:

نماز جنازہ سر اُپڑھنا ہی سنت ہے، جہر اُتہ آپ ﷺ نے پڑھا اور نہ ہی اس کا حکم فرمایا ہے، اور نہ ہی تاقیامت کوئی لاندہب اس کو مذکورہ شرائط کے مطابق ثابت کر سکتا ہے۔

پس علیزنی کی مستدل روایت کو پڑھنے کے بعد میں یہی کہوں گا کہ ”ذو بے کو تنکے کا سہارا“ کوئی صحیح، صریح، مرفوع دلیل مل نہیں سکی، پس علیزنی صاحب مذکورہ بالا روایت کا سہارا لے کر اپنے حواریوں و انصاریوں اور لیبلی نجد کے اسیروں کو خوش کرنے کے لئے اپنی سوچ بروئے کار لاتے ہوئے اور نجد تک دور کی سوچتے ہوئے لکھ مارا کہ ”جو دعا بلند آواز سے پڑھی جائے وہی سنی جاتی ہے“۔

علیزنی صاحب! امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”واما الدعاء فيسر به بلا خلاف وحينئذ يتناول هذا الحديث على ان قوله

حفظت من دعائه أي علمنيه بعد الصلوة فحفظته (شرح مسلم للنووي ۳۱۱/۱)

اور جنازہ میں دُعا بالاتفاق سر اُپڑھی جائے گی پس اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ صحابی کا فرمانا کہ میں نے دُعا حفظ کر لی یعنی آپ ﷺ نے نماز جنازہ کے بعد مجھ کو دُعا سکھائی تو میں نے اس کو حفظ کر لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام نووی کے دور تک کوئی قوم جنازہ میں دُعا میں بلند آواز سے پڑھنے



والی نہیں تھی، یہ بعد کے دور کی پیداوار ہے۔

علیزئی صاحب! جناب کا ہی ایک بھائی، مولوی عبدالرؤف لکھتا ہے:

”مگر اس حدیث سے حجت لینا محل نظر ہے کیونکہ مسند احمد (۲۳/۶) میں عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ ہیں ”ففهمت من صلوتہ علیہ اللہم اغفر لہ۔۔۔“ یعنی میں آپ کی نماز سے یہ کلمات سمجھا۔ بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دھیمی آواز میں دعاء پڑھی ہوگی اور عوف بن مالک آپ ﷺ کے قریب کھڑے ہوں گے لہذا تو انہوں نے یہ دعاء سن لی۔ واللہ اعلم

نماز جنازہ کی دعاؤں کے بارے میں، جو دوسری روایات ہیں ان سے بھی دعاؤں کو جھڑا پڑھنے پر استدلال کیا جاتا ہے ان روایات سے بھی استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے جو عوف بن مالک سے استدلال کی نوعیت ہے۔۔۔۔۔ الحاصل: نماز جنازہ میں قرأت سرا پڑھنی چاہیے کیونکہ اس بارے میں نص موجود ہے۔ (ملاۃ الرسول ۲۸۳-۲۸۴)

تو ثابت ہوا کہ جب سرے سے نماز جنازہ بلند آواز سے پڑھنی ہی سنت کے خلاف ہے تو آمین آمین والا مسئلہ خود بخود بدعت ٹھہرے گا۔

مولوی محمد عبدہ فیروز آبادی لاندہب نے لکھا ہے:

”جمہور علماء سری کے قائل ہیں امام شوکانی لکھتے ہیں: ”وذهب الجمهور الى انه لا يستحب الجهر في صلاة الجنائزۃ“۔ (نیل الاوطار ۶۶/۴) اور حضرت ابن عباس والی حدیث کا جواب ظاہر ہے وہ خود فرما رہے ہیں: ”لم اقرأ أي جهر الا لتعلموا أنه سنة“۔

اور پھر حضرت ابوامامہ بن سہل سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے ایک

شخص نے بتایا نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ آہستہ پڑھی جائے۔ (احکام الجنائز ۱۸۷-۱۸۸)

تذکرہ: حدیث کے الفاظ ”میں نے آپ سے یہ دعایا دکر لی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت یہ ادعیہ باواز بلند پڑھتے تھے، لیکن ملا علی قاری اس کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اسرار بالدعا کی مندوبیت کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں جہرا (اگر ثابت ہو تب) پڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا۔ (احکام الجنائز ۱۹۱)

حافظ محمد گوندلوی لاندہب نے لکھا:

”نماز جنازہ میں نمازی اپنی جگہ دعا کرے، صرف آمین کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ۱۵۳/۵)

ایک اور لاندہب جس کا تعلق ”الاعتصام“ والے لاندہبوں سے ہے، لکھتا ہے:

”نماز جنازہ کی دعاؤں پر مقتدیوں کے آمین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے آنحضرت اور عہد صحابہ تابعین میں نہیں ملتا تاہم اس امر کو خلاف سنت کہا جائے گا۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ۱۹۱/۵)

علیزئی کا لکھنا کہ:

”ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ قنوت (دعائے قنوت) پڑھتے تھے اور لوگ آپ کے

پیچھے آمین کہتے تھے۔ (سنن ابی داود، الوتر باب القنوت فی الصلوۃ ح ۴۴۳ و ۱۰۱ سندہ

حسن و صحیحہ ابن عزیزہ: ۶۱۸، والحاکم علی شرط البخاری ۲۲۵/۱ ووافقه الذہبی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر دعا جہری ہو تو مقتدی آمین کہیں گے۔“

اقول: اولاً: سبحان اللہ!

علیزئی صاحب! پوری روایت نقل کرنے سے جناب نے احتراز کیوں کیا؟



خیر یہ تو آپ کا معاملہ تھا، آئیے ہم پوری روایت نقل کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

’عن ابن عباس قال: قنت رسول الله ﷺ شهرا متتابعاً في الظهر والعصر والمغرب والعشاء وصلاة الصبح في دبر كل صلاة اذا قال: سمع الله لمن حمده من الركعة الآخرة يدعو على احياء من بني سليم على رعل وذكوان وعصية ويؤمن من خلفه۔ (سنن ابی داود)

علیزؓ کی صاحب! یہ کرشمہ ہے لاندہیٹ کا کہ بات تھی نماز جنازہ کی دُعاؤں کی اور جواب میں دلیل پیش کی جا رہی ہے قنوت نازلہ کی۔ کیا ہی جواب ہے لاندہب کا۔  
علیزؓ کی صاحب! قنوت نازلہ کی بجائے ”قنوت (دعاے قنوت)“ کے الفاظ لکھ کر اور حقیقت کو چھپا کر کیا ثابت کرنے لگے تھے؟۔

یہ نماز وتر کی قنوت کی بات بھی نہیں ہے یہ قنوت نازلہ کی بات ہے جو کہ صرف ایک مہینہ پڑھی گئی تھی۔ آپ نے تو بڑی چالاکی سے اگلے پچھلے الفاظ کو جمع کر کے حدیث مبارکہ کے اصل مفہوم کو ہی بدل دیا کہ جو خاص تھی قنوت نازلہ سے اس کو یوں ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ قنوت وتر محسوس ہو، ورنہ ایک مہینہ کے الفاظ لکھتے۔

علیزؓ کی صاحب! اتنا ہیر پھیر کہ حدیث مبارکہ کے پہلے لفظ ”قنت رسول الله ﷺ“ لے کر اگلے سارے الفاظ چھوڑ کر پھر ”ویؤمن من خلفه“ کے الفاظ لے رہے ہیں، کیا خیال تھا کہ شاید پردہ رہ جائے؟

جناب یہ قنوت (نازلہ) ہی ہے جو کہ صرف ایک ماہ پڑھی گئی جس کو بعد میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ترک کر دیا گیا جیسا کہ پیچھے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے تحت ذکر ہو چکا۔

ثانیاً: یہی روایت جس کو علیزؓ کی صاحب نے مذکورہ بالا حوالوں کے ساتھ نقل کیا ہے اسی کو صارم نے ”قیام اللیل للمروزی“ کے حوالے سے نقل کیا تھا جس کا جواب صارم کے جواب الجواب کے تحت آ رہا ہے۔

### ہمارا سوال نمبر (۵)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز وتر میں رکوع کے بعد امام بلند آواز سے دعاے قنوت پڑھے اور مقتدی آمین آمین پکاریں؟۔

جواب علیزؓ لا مذهب:

رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ ظہر، عصر، مغرب عشاء اور صبح کی نمازوں میں قنوت پڑھا تھا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے آمین آمین کہتے تھے۔

دیکھئے سنن ابی داود (ح ۱۴۳۳، وسندہ حسن) اور الجواب نمبر ۴۔ اس حدیث سے امام کا بلند آواز سے قنوت پڑھنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا، دونوں مسئلے ثابت ہیں۔ والحمد للہ

### اقول:

اولاً: واہ رے لاندہبوں کے محقق تیری تحقیق کے قربان! سوال نماز وتر میں قنوت کا ہے اور جواب ظہر، عصر، مغرب عشاء اور صبح کی نمازوں میں پڑھی جانے والی قنوت نازلہ سے۔

ثانیاً: علیزؓ کی صاحب نے ”وسندہ حسن“ لکھ کر یہ تسلیم کر لیا کہ اس مسئلہ میں جیسی بھی غیر صریح ہمارے پاس دلیلیں ہیں ان میں کوئی بھی صحیح نہیں ہے، ورنہ صحیح کو پیش کرتے۔

علیزؓ کی صاحب! کیا یہ سب کچھ جناب نے اپنے حواریوں کو خوش کرنے کے لئے ہی لکھا ہے؟ حقیقت میں تو جناب نے چُن چُن کر بے محل دلیلیں نقل کرنے میں کوئی کسر باقی

نہیں رہنے دی، کوئی دلیل تو شرائط کے مطابق بیان کر دیتے۔



اللہ کے بندے! سوال و تروں کی قنوت کا ہے اور جناب نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں والی روایت ذکر کر دی، پہلے تو رسول پاک ﷺ سے دعائے قنوت فی الوتر بلند آواز سے ثابت کرو، مگر وہ آپ قیامت تک نہیں کر سکتے۔

چلے ہو ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں پڑھی جانے والی قنوت نازلہ میں کبھی جانے والی آئین کو قنوت فی الوتر پر قیاس کرنے۔

### ہمارا سوال نمبر (۶)

کیا نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں یا آپ ﷺ نے خود نماز میں سینے پر ہاتھ باندھے تھے؟

جواب علیزئی لا مذہب:

سیدنا اہل بن سعد سے روایت ہے کہ ”كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل يده اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلوة“ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ ہر شخص نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۲ ح ۷۴۰)

کہنی کے سرے سے لے کر درمیانی انگلی کے سرے تک کو ذراع کہتے ہیں۔ دیکھئے القاموس الوحید (۵۶۸) اگر دایاں ہاتھ پوری ذراع پر رکھا جائے تو خود بخود سینے پر آجاتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا چاہئے۔ سیدنا ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”يضع هذه على صدره“ آپ (ﷺ) یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶، مسند حسن)

### اقول:

اولاً: علیزئی نے صحیح بخاری کی حدیث لکھ کر اپنے مذہب کا جنازہ ہی نکال دیا ہے اور پھر اس

پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کسرہ گئی تھی وہ بھی بالکل ہی نکال دی ہے۔

علیزئی صاحب! ہاتھ پاندھنا یا چھوڑنا اس میں اختلاف کی بات نہیں ہے۔ آپ شروع سے غیر متعلق دلائل ڈھونڈ ڈھونڈ کر نقل کر رہے ہیں، خیر تو ہے؟ حقیقت میں جناب کے پاس کوئی صحیح صریح، مرفوع دلیل ہو تو پیش کریں لیکن وہ تو ہے نہیں پھر ایسا ہی کرنا ہے۔

جناب کا لکھنا کہ ”اگر دایاں ہاتھ پوری بائیں ذراع پر رکھا جائے تو خود بخود سینے پر آجاتا ہے“

یہ پوری ”ذراع“ پر رکھنے کا جناب نے کہاں سے مطلب لے لیا اور یہ کس محدث نے شرح کی ہے۔ جب ”ذراع“ کے ساتھ ”ید“ کا لفظ استعمال ہو تو پھر ہاتھ گٹ تک شمار ہوگا یعنی دایاں بائیں ہاتھ کو بائیں کلائی یعنی گٹ پر باندھا جائے، یا تو دایاں کلائی کو بائیں کلائی پر رکھنے کے لفظ ہوتے پھر جناب یہ طریقہ بیان کرتے تو کوئی اسے صحیح کہتا عقل مند محسوس ہوتا۔ ”ذراع“ اور ”ید“ کے الفاظ جدا جدا ہونے کی وجہ سے یہاں آپ کا مطلب ہرگز نہیں نکلتا۔ حدیث مبارکہ میں ذراع پر ذراع نہیں بلکہ ذراع پر ید (ہاتھ) رکھنے کا ذکر ہے ہاتھ تو پوری ذراع پر آ نہیں سکتا کیونکہ اگر گٹ پر گٹ رکھ کر بھی جناب دیکھیں گے تو بھی ذراع کا کچھ حصہ ہاتھ سے باہر رہے گا اور اگر جناب کی بیان کردہ تعریف کے مطابق کہنی کے سرے پر ہاتھ کی انگلیوں کے پورے رکھے جائیں تو ذراع پر ذراع آئے گی، نہ کہ ذراع پر ید، اور مذکورہ حدیث مبارکہ میں ذراع پر ذراع نہیں بلکہ ذراع پر ید کا ذکر ہے۔

آپ حضرات نہ جانے کس دلیل کے ساتھ بازو پر بازو رکھتے ہیں، یہ حدیث تو آپ کی دلیل ہرگز ہرگز نہیں بن سکی، بلکہ جناب نے اپنے ہمنوا مناظر طالب۔۔۔ شاہ سے پوچھنا تھا کہ مری میں لاندہبوں کی جامع مسجد میں تقریباً تیس (۳۰) آدمیوں کی موجودگی میں



(جس میں اکثریت لاندہوں اور دیوبندیوں کی تھی) سجاد نامی لاندہب نے جناب کے استدلال جو جناب کے مناظر صاحب نے اسی طرح پیش کیا تھا اس کا تجرباتی طور پر کس شاندار طریقہ سے رد کیا تھا؟

اور شاہ جی کے ذراع پر ذراع رکھنے کو یہ کہہ کر کہ لوگوں کو ذراع پر ذراع نہیں، بلکہ ذراع پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا جاتا تھا اور ہاتھ باندھ کر دکھائے تھے اور کہا تھا کہ شاہ جی اس حدیث کے مطابق ہاتھ کو جب ذراع پر رکھیں گے تو ہاتھ زیر ناف آسانی سے جاتے ہیں نہ کہ سینہ پر۔

**ثانیاً:** علیزئی صاحب! یہ حدیث مبارکہ جو کہ آپ نے دلیل کے طور پر پیش کی ہے یہ صحیح بخاری کی حدیث مبارکہ ہے جیسا کہ جناب نے بھی حوالہ ذکر کیا اور صحیح بخاری کوئی ایسی کتاب نہیں کہ جس کو چودہ سو سال تک کسی نے نہ پڑھا ہو یا اس کی شرح نہ کی گئی ہو؟

بلکہ یہ وہ کتاب ہے جس کی تقریباً تمام کتب احادیث سے زیادہ شروحات ہیں۔ لیکن چودھویں صدی ہجری سے پہلے تو کسی نے اس حدیث مبارکہ سے یہ مطلب نہیں نکالا تھا جو اب لاندہوں نے نکالنا شروع کر دیا ہے، بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے شارح نے بھی لکھا کہ:

قوله: (علی زراعہ) أبہم موضعه من الذراع، وفي حديث وائل عند أبي داود والنسائي ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ من الساعد، وصححه ابن خزيمة وغيره، وأصله في صحيح مسلم بدون الزيادة، والرسغ بضم الراء وسكون السين المهملة بعدها معجمة هو المفصل بين الساعد والكف۔۔۔۔۔ (فتح الباری ۱/۲۷۸، احیاء التراث العربی)

آپ کے ایک مایہ ناز محقق یعنی ابوالحسن عبید اللہ بن محمد عبدالسلام البارکپوری غیر مقلد اس

حدیث بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں:

”أبہم سهل بن سعد مو ضعه من الذراع۔۔۔ والمراد انه وضع يده اليمنى بحيث صار وسط كفه اليمنى على الرسغ، ويلزم منه ان يكون بعضها على الكف اليسرى والبعض على الساعد۔۔۔ واعلم انه لم يروفي رواية وضع الذراع على الذراع، فما يفعله بعض العوام من وضع الذراع على الذراع بحيث انهم يضعون الكف اليمنى على مرفق اليد اليسرى او قريباً منه ثم ياخذونه باصابع اليد اليمنى هو مما لا اصل له۔۔۔

(المرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ۲/۲۹۹، ۲۹۸)

سہل بن سعد نے بازو کے حصہ میں ابہام رکھا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ دائیں ہاتھ اس حیثیت سے رکھے کہ دائیں ہتھیلی بائیں گٹ کے اوپر آجائے اور لازم ہے کہ کچھ حصہ دائیں ہاتھ کا بائیں ہتھیلی پر اور کچھ حصہ بازو پر آئے۔ اور جاننا چاہئے کہ کسی روایت میں بھی یہ الفاظ مروی نہیں ہیں کہ بازو پر بازو باندھا جائے اور بعض (جاہل) عوام جو یہ کرتے ہیں کہ بازو پر بازو اس طرح رکھتے ہیں کہ دائیں ہتھیلی بائیں گٹ کے قریب پہنچ جائے پھر دائیں انگلیوں سے اس کو پکڑتے ہیں، یہ وہ عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

جناب علیزئی صاحب! غور کیجئے گا یہ آپ کے محدث صاحب کیا کہہ رہے ہیں، یہ طعنہ کس کو دیا جا رہا ہے، آپ سمجھ تو گئے ہوں گے۔۔۔؟ کہیں ان جاہلوں کے قائد اور پیشوا آپ ہی تو نہیں ہیں؟

پس ثابت ہوا کہ بازو کو بازو پر نہیں باندھنا بلکہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے گٹ پر رکھنا ہے، اور اس طرح ہاتھ سینہ پر نہیں بلکہ آسانی کے ساتھ زیر ناف آتے ہیں، جو طریقہ



الحمد للہ اہل سنت کا ہے۔

**ثالثاً:** عزیز کی صاحب کا لکھنا کہ ”سیدنا ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”یضع هذه علی صدرہ“ آپ (ﷺ) یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶ و سندہ حسن)

**اقول:** جناب کا یہ لکھنا آپ کی بے بسی کا واضح آئینہ دار ہے کیونکہ لاندہب اس مسئلہ میں کوئی صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکتے تھے تو ”وسندہ حسن“ لکھا۔

عزیز کی صاحب! کیا سوال میں ”حسن“ روایت کا مطالبہ کیا گیا تھا جو آپ نے نقل کرنے کے بعد لکھا کہ ”وسندہ حسن“ اور اپنی طرف سے سوال کا جواب دے دیا۔ ہم مانتے ہیں کہ جناب ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود اس مسئلہ پر بھی کوئی صحیح، صریح، مرفوع حدیث تلاش کرنے اور سوال کا جواب دینے سے قاصر ہیں تو کوئی بات نہیں تھی صاف لکھ دیتے کہ اس بارے میں بھی کوئی صحیح، صریح، مرفوع روایت تو ہمارے پاس نہیں، لیکن میں حسن کا سہارا لے کر اس کا جواب دینے لگا ہوں، مگر ستیاناس ہو خود غرضی اور خود پسندی کا جس نے جناب کو اس لئے اس سے باز رکھا کہ کہیں بھرم کھل نہ جائے۔

لیکن آئیے جناب کی نقل کردہ روایت کی سند و متن ہم نقل کرتے ہیں:

حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا يحيى بن سعيد عن سفيان حدثني سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ ينصرف عن يمينه و عن يساره و رأيته قال: يضع هذه على صدره، و وصف يحيى اليمنى على

اليسرى فوق المفصل - - (مسند أحمد ۲۲۶/۲۲۰۱۷)

**اولاً:** جناب عزیز کی صاحب! پہلے اپنی نقل کردہ دلیل کے الفاظ دیکھیں

”رأيت النبي ﷺ ينصرف عن يمينه و عن يساره“

لاندہب جی! کیا نماز میں کبھی دائیں اور بائیں پھر اجاتا ہے؟۔

جناب کی بیان کردہ روایت میں تو پہلے پھرنے کا ذکر ہے اور سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر بعد میں ہے جو ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات نماز کے بعد کی ہو رہی ہے تو جناب سوال یہ تو نہیں تھا کہ کیا آپ (ﷺ) نے اپنی زندگی مبارکہ میں یا بعد از نماز سینہ پر ہاتھ رکھے یا نہیں، سوال تو تھا کہ ”کیا نبی اکرم (ﷺ) نے حکم فرمایا تھا کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں یا آپ (ﷺ) نے خود نماز میں سینے پر ہاتھ باندھے تھے؟۔“

ہاں! اب جناب اگلی روایت کا سہارا لیں گے تو جناب ہم پہلے بے بتادیں کہ اس میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر نہیں اور حضرت ہلب الطائی سے جتنی بھی مسند احمد میں اس بارے میں روایات ہیں ان میں سے اگر کسی میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے تو ”ففي الصلوة“ کے الفاظ نہیں اور جس میں ”في الصلوة“ کے لفظ ہیں اس میں سینہ پر رکھنے کا ذکر نہیں۔ پس یہ روایت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے میں صریح نہیں ہے جو آپ کی دلیل بن سکے۔

**ثانیاً:** پہلی روایت کے تحت عزیز کی صاحب کا لکھنا کہ ”اگر دایاں ہاتھ پوری بائیں ذراع پر رکھا جائے تو خود بخود سینے پر آجاتا ہے“۔ خود انہی کی پیش کردہ دلیل سے غلط ثابت ہو گیا کیونکہ اس میں ”فوق المفصل“ یعنی جوڑے کے اوپر“ ہے۔

پس دونوں روایتوں میں سے ایک لاندہب کی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وہ پہلی بیان کرنے کے بعد اپنی مجتہدانہ صلاحیت سے بیان کر چکے ہیں کہ جب ”اگر دایاں ہاتھ پوری ذراع پر رکھا جائے تو خود بخود سینے پر آجاتا ہے“ جبکہ دوسری میں واضح موجود ہے کہ ذراع پر ذراع



نہیں بلکہ ہاتھ کو جوڑ پر رکھنا ہے۔ پس جب ہاتھ گٹ پر باندھا جائے تو بآسانی زیر ناف یا ناف پر آتا ہے، سینہ پر نہیں اور سینہ پر رکھنے والوں کو نماز میں بھی اکڑنا پڑے گا تب سینہ پر آئیں گے، جبکہ اسلام میں تو عام حالات میں بھی اکڑنے سے منع کیا گیا ہے چہ جائیکہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت آکڑ خان بنتے پھر و۔

**ثالثاً:** اس روایت کی سند میں ایک راوی ”قیصہ بن ہلب“ ہے، اس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”قیصہ بن ہلب عن أبيه، قال ابن المديني مجهول، لم يرو عنه غير سماك“۔ (میزان الاعتدال ص ۳۸۴ ج ۳)

قیصہ بن لب اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، ابن المديني نے کہا کہ یہ مجھول ہے، اس سے سوائے سماک کے کوئی روایت نہیں کرتا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”وقال النسائي: مجهول“۔ اور امام نسائی نے کہا کہ مجھول ہے۔ (تہذیب التہذیب ۸/۳۵۰)

مجھول کی روایت کے بارے میں علیرزئی صاحب جناب من نے کئی مقامات پر لکھا ہے کہ: مجھول کی روایت ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

**رابعاً:** اس روایت کی سند میں ایک اور راوی ”سماک بن حرب“ ہے، جس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ”روی ابن المبارك عن سفيان: أنه ضعيف۔ وقال جرير الضبي: أتيت سماكا فرأيت يبول قائما فرجعت ولم أسأله، فقلت: خرف... كان شعبة يضعفه... وقال أحمد: سماك مضطرب الحديث... وقال صالح جزرة: يضعف۔ وقال النسائي: إذا انفرد بأصل لم يكن بحجة، لأنه كان يلقي فيلقن... قال ابن عمار: كان

يغلط، ويختلفون في حديثه۔ وقال العجلي: بجائز الحديث، كان الثوري يضعفه قليلا۔ وقال ابن المديني: روايته عن عكرمه مضطربة... (میزان الاعتدال ۲/۲۳۲-۲۳۳)

عبداللہ بن مبارک سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ سماک ضعیف ہے۔ جریر الضبی نے کہا کہ میں سماک کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر پیشاب کر رہا ہے، تو میں واپس چلا آیا اور اس سے سوال نہ کیا اور میں نے کہا کہ یہ بے عقل ہے۔ شعبہ اس کی تصحیف کرتے تھے اور امام احمد نے فرمایا کہ سماک مضطرب الحدیث ہے اور صالح جزرہ نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ جب وہ منفرد ہو تو بالکل حجت نہیں ہے کیونکہ وہ تلقین قبول کرتا تھا۔ ابن عمار نے کہا کہ وہ غلطیاں کرتا تھا اور اس کی حدیث میں محدثین اختلاف کرتے ہیں، اور عجمی نے کہا کہ وہ جائز الحدیث ہے اور سفیان ثوری اس کو ضعیف کہتے تھے۔ ابن المديني نے کہا کہ اس کی عکرمہ سے روایت مضطرب ہے۔

**نوٹ:** علیرزئی نے سماک بن حرب کی توثیق کے متعلق ایک مضمون بنام ”نصر الرب فی توثیق سماک بن حرب“ لکھا جس میں اس نے امام شعبہ، سفیان ثوری، صالح بن محمد بغدادی، ابن خراش، ابن حبان اور ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال کے بارے میں کہیں مردود، کہیں ثابت نہیں، کہیں محل نظر لکھا ہے، اور جریر بن عبد الحمید نے جو اسے کھڑے ہوئے پیشاب کرتے دیکھ کر اس سے روایت لینا ترک کر دیا تھا اس کے بارے میں لکھا کہ یہ کوئی جرح نہیں، اور محمد بن عبداللہ بن عمار کی جرح کی سند کو تو صحیح تسلیم کیا لیکن ساتھ ہی لکھ مارا کہ یقولون کا فاعل نامعلوم ہے ملاحظہ ہو: (مقالات ۱/۳۳۲۳۳۸)

اولاً: اس پر تفصیل ”ازاحة العيب بسيف الغيب“ میں اس کے حاشیہ میں بیان ہو



گی، ان شاء اللہ العزیز۔

ثانیاً: عزیز کی صاحب! نے اپنے اس مضمون میں سماک بن حرب کے بارے میں جن آئمہ کی جرح کو تسلیم کیا ہے ان میں امام احمد بن حنبل، یعقوب بن شیبہ (حیلہ حوالہ کرتے ہوئے)، عقیلی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہم۔

عزیز کی صاحب! ہم یہاں ایک اضافہ کرنے لگے ہیں برا محسوس مت کیجئے گا کیونکہ وہ جناب کا اپنا ہی بزرگ ہے جس کو لاندہب اپنا امام لکھتے ہیں، یہ وہی ہے جس کا نام محمد بن علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی ہے، وہ اپنی کتاب ”المحلی بالاثار“ کی پہلی جلد کے صفحہ ۷۵ پر لکھتا ہے کہ: ”سماک ابن حرب وهو یقبل التلقین، شہد علیہ بذلك شعبة وغيره۔۔۔“، اور اسی جلد کے صفحہ ۲۰۶ پر یہی بات لکھنے کے بعد لکھتا ہے کہ: ”وهذه جرحه ظاهرة۔۔۔“ اور اسی کتاب کی جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ پر لکھتا ہے کہ: ”وسماک ضعیف یقبل التلقین، شہد به علیہ شعبة، وغيره۔ اور اسی کتاب کی جلد ۶ صفحہ ۱۸۱ پر لکھتا ہے کہ: ”وسماک یقبل التلقین شہد علیہ بذلك شعبة، وغيره۔“ اور اسی جلد کے صفحہ ۱۸۶ پر لکھتا ہے کہ: ”وسماک ضعیف۔“ اور اسی جلد کے صفحہ ۳۰۵ پر لکھتا ہے کہ: ”سماک ضعیف یقبل التلقین۔“

علیزئی صاحب! آپ کے اس بزرگ و امام نے تو اس مسئلہ میں لاندہبوں کا جنازہ نکال دیا ہے کیونکہ یہ تو بغیر کسی اور جرح کے صرف تلقین قبول کرنے کی وجہ سے ہی اس کو ضعیف قرار دے رہا ہے، اور بغیر کسی اور کی جرح کے صرف اس ایک جرح کو ہی ظاہر و واضح لکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی روایات کو بھی ضعیف قرار دے رہا ہے۔

ہاں! ذہن میں رہے کہ جس جرح کی وجہ سے جناب کا بزرگ اس کی روایات کو

ضعیف کہہ رہا ہے، جناب بھی اس کو تسلیم کر چکے ہیں کیونکہ یہ جرح کرنے والے صرف امام شعبہ ہی نہیں جس کو جناب کے بزرگ نے لکھا ہے بلکہ یہی جرح امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے اور وہ امام نسائی کی کتب میں موجود ہے۔

ایک اور بات کی طرف جناب کی توجہ مبذول کرواتے چلیں، جناب نے امام نسائی سے ”لیس بالقوي وکان یقبل التلقین“ اور ”فاذا انفرد بأصل لم یکن حجة“ علیحدہ علیحدہ مقامات سے نقل کر کے جو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے وہ کارگر ثابت نہیں ہوگی کیونکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک روایت کو اپنی ”سنن کبریٰ“ میں روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”فيه فسماک بن حرب ليس ممن يعتمد عليه اذا انفرد بالحديث لأنه یقبل التلقین۔ (السنن الکبریٰ ۲/۲۵۱، وفي نسخة ۱/۵۱۳)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ پر اس بات کو واضح کر دیا کہ اس کی حالت ایسی ہے کہ اکیلے ہوتے ہوئے یہ اعتماد کے قابل بھی نہیں ہے، اور جناب کی نقل کردہ روایت میں اس کا کوئی متابع نہیں ہے کہ یہ اعتماد کے لائق ہو سکے۔

ثالثاً: امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”اذا عدل جماعة رجلا وجرحه أقل عددا من المعدلين فان الذي عليه جمهور العلماء ان الحكم للجرح والعمل به أولى، وقالت طائفة بل الحكم للعدالة، وهذا خطأ. (الكفاية فی علم الرواية ۱۳۴، ولسان المیزان لابن خنجر ۱/۲۱۱، وجمع الجوامع للسبکی ۲/۱۶۴)

جب پوری ایک جماعت ایک شخص کی تعدیل کرے اور تھوڑے سے لوگ اس پر جرح کریں



یعنی جرح کرنے والے بنسبت تعدیل کرنے والوں کے کم ہوں تو جمہور علماء کے نزدیک جرح رائج ہوگی اور اس پر عمل اولیٰ ہوگا، ایک گروہ نے کہا کہ تعدیل رائج ہوگی اور یہ غلط ہے اور وہی امام ابن الصلاح الشہر زوری جن سے جناب نے سماک بن حرب سے اختلاط کی جرح اٹھانے کے لئے تائید حاصل کی ہے وہی لکھتے ہیں کہ:

”اذا اجتمع في شخص جرح و تعديل ، فالجرح مقدم لأن المعدل يخبر عما ظهر من حاله والجرح يخبر عن باطن خفي على المعدل - فان كان عدد المعدلين أكثر فقد قبل التعديل أولى - والصحيح والذي عليه الجمهور أن الجرح أولى لما ذكرناه ، والله أعلم - (مقدمة ابن الصلاح ۵۲)

پس ثابت ہوا کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوگی اگرچہ جرح کرنے والے تعداد میں تعدیل کرنے والوں سے کم ہی کیوں نہ ہوں۔

لہذا ثابت ہوا کہ علیزئی کی بیان کردہ روایت اول تو صریح نہیں، دوم صحیح نہیں، تو ہمارا سوال اپنی جگہ قائم ہے جس کا جواب علیزئی نہ تو دے سکا اور نہ ہی دے سکتا ہے۔

نوٹ: راقم الحروف نے قبلہ محدث کبیر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی کے تحریری مناظرے بنام ”مناظرے ہی مناظرے“ کافی عرصہ پہلے ترتیب دیئے جو شائع کئے گئے اور دوبارہ میرے بیرون ممالک دوروں کے درمیان مکتبہ جمال کرم نے اسی پہلی مطبوعہ کاپی کو شائع کر دیا۔ ان میں راقم الحروف نے وضاحت کر دی تھی کہ ان کو آپ کی عدم موجودگی میں شائع کیا گیا ہے اور ان پر آپ کی نظر ثانی بھی نہیں کروائی جاسکی، لہذا ان میں غلطی کا امکان موجود ہے جو کہ مطبوع کے صفحہ ۵۸ پر ضروری نوٹ کی سرخی کے ساتھ موجود ہے۔ مناظرے ہی مناظرے میں راقم الحروف کی غلطی سے سماک بن حرب

کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ وہ مدلس ہے جو نظر ثانی نہ ہونے کی وجہ سے شائع ہو گیا، جس پر علیزئی نے لکھا کہ یہ جھوٹ ہے، یہ درست ہے کہ اس کو آئمہ محدثین نے مدلسین میں ذکر نہیں کیا لیکن یہ ارسال کرتا تھا اور علیزئی خود اپنی کتاب ”الفتح المبين في تحقيق طبقات المندلسين ص ۲۴“ پر لکھتا ہے کہ: ”فالتدليس والارسال شيء واحد عند الذهبي وهذا اصطلاح خاص له“۔ اور ص ۳۴ پر لکھا کہ: ”وهذا يدل على أن التدليس والارسال عند الامام ابن حبان شيء واحد“۔

پس علیزئی بتائے کہ اس کے نزدیک امام ابن حبان اور ذہبی وغیرہما محدثین جو ارسال اور تدلیس کو ایک ہی چیز تسلیم کرتے ہیں کیا وہ جھوٹے ہیں؟۔

آخر میں ہم پھر یہ ذکر کرتے چلیں کہ سماک بن حرب کے بارے میں مدلس لکھا جانا خطا و غلطی ہے، مگر مذکورہ روایت سماک بن حرب کی تدلیس کے علاوہ دوسری علتوں کی وجہ سے صحیح ثابت نہیں ہو سکتی۔

#### ہمارا سوال نمبر (۷)

کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کہنی پر رکھا تھا؟

جواب علیزئی لا مذہب:

سیدنا واکل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ”ثم وضع يده اليمنى على ظهر كف اليسرى والرسغ والساعد“ پھر آپ (ﷺ) نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت اور رسغ (کلائی) اور ساعد (کہنی سے ہتھیلی تک کا حصہ) القاموس الوحید ص ۷۹ پر رکھا تھا۔ (سنن ابی داود، الصلوٰۃ، باب رفع اليدين في الصلوٰۃ ج ۲۷ وسندہ صحیح)

اقول:



اولاً: علیزئی جی! کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے ہم علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ باقی تو آپ میں کوئی کمال ہے یا نہیں، لیکن نظری اور عقلی دھوکہ دینے میں آپ صاحب کمال ہیں، بلکہ اہل کمال سے بھی چار ہاتھ آگے نکل چکے ہیں۔

علیزئی صاحب! آپ نے تولد نہ ہوں کو ایسی عجیب و غریب مخلوق بنا دیا ہے جس کا وجود شاید ہی دنیا کے کسی کو نے کھد رے میں پایا جاتا ہو۔ جناب وہ کون سے علاقہ کے مکین ہیں جن کا دایاں ہاتھ ہتھیلی کی پشت پر بھی آتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ کہنی تک بھی پہنچ جاتا ہو؟

ثانیاً: جناب نے ”رسغ“ کا معنی کلائی کیا ہے، جبکہ عربی اردو کی مشہور و معروف لغت ”المنجد“ میں ہے ”الرسغ والساعد: گٹا۔ پہنچا۔ ج ارساغ و ارسغ۔

اور عربی زبان کی مشہور و معروف لغت ”لسان العرب ۸/۲۸۴“ میں ہے

”[رسغ] مفصل ما بین الساعد والكف والساق والقدم۔۔۔

اور ابن الاثیر الجزری ”النهاية في غريب الحديث والأثر“ میں لکھتے ہیں کہ [ان کمہ کان الی رصغہ] ہی لغة في الرسغ وهو مفصل ما بین الكف [رصغ] والساعد۔ (النهاية ۲/۵۵۲)

اور ابو عبد الرحمن الفراء ”كتاب العين ۴/۳۷۷“ میں لکھتے ہیں

”الرسغ: مفصل ما بین الساعد والكف والساق والقدم۔

پس معلوم ہوا کہ ”رسغ“ کا صحیح معنی ہاتھ اور بازو کے درمیان والا جوڑ ہے نہ کہ کلائی، جیسا کہ علیزئی نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ”القاموس الوحید“ کے حوالہ سے لکھا۔

جناب! یہ حدیث مبارکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی تائید نہیں کرتی اور نہ ہی اس حدیث سے کلائی پر کلائی رکھنا ثابت ہوتا ہے، جب دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھیں تو کہنی تک

ہاتھ کا پہنچنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے سوائے اس کے کہ کوئی لاندہ ب عجب و غریب قسم کی مخلوق ہے۔ بالفرض محال جناب کا کیا ہوا ترجمہ ہی منظور کر لیا جائے تب بھی دایاں ہاتھ کہنی پر نہیں آئے گا کیونکہ جب دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی کی پشت پر بھی رکھنا ہے تو کبھی بھی کہنی تک نہیں پہنچ سکتا اور اگر دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے پورے کہنی تک پہنچا کر رکھیں جائیں تو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر نہیں ہو سکتا، پھر دایاں ہاتھ نہیں بلکہ ذراع پر ذراع ہوگی، جب کہ حدیث مبارکہ میں ہاتھ کا ذکر ہے، اگر سمجھ نہ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جناب کے ایک نامور محدث ابو الحسن عبید اللہ بن محمد عبد السلام مبارک پوری صاحب حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح بخاری والی روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”ابہم سہل بن سعد موضع الذراع۔۔۔ والمراد انه وضع يده اليمنى بحيث صار وسط كفه اليمنى على الرسغ، ويلزم منه ان يكون بعضها على الكف اليسرى والبعض على الساعد۔۔۔ واعلم انه لم يروفي رواية وضع الذراع على الذراع، فما يفعله بعض العوام من وضع الذراع على الذراع بحيث انهم يضعون الكف اليمنى على مرفق اليد اليسرى او قريباً منه، ثم ياختذونه باصابع اليد اليمنى هو هماً لا اصل له۔۔۔ (المرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ۲/۲۹۹، ۲۹۸)

سہل بن سعد نے بازو کے حصہ میں ابہام رکھا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ دائیں ہاتھ اس حیثیت سے رکھے کہ دائیں ہتھیلی بائیں گٹ کے اوپر آجائے، اور لازم ہے کہ کچھ حصہ دائیں ہاتھ کا بائیں ہتھیلی پر اور کچھ حصہ بازو پر آئے۔ اور جاننا چاہئے۔ کہ کسی روایت میں بھی یہ الفاظ مروی نہیں ہیں کہ بازو پر بازو باندھا جائے، اور بعض (جاہل) عوام جو یہ کرتے ہیں



کہ بازو پر بازو اس طرح رکھتے ہیں کہ دائیں ہتھیلی بائیں کہنی تک یا اس کے قریب پہنچ جائے پھر دائیں انگلیوں سے اس کو پکڑتے ہیں، یہ وہ عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کیوں جناب علیزئی صاحب! اب بتائیں کہ آپ نے اپنے ترجمہ میں جو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے وہ کہاں سے اخذ کیا ہے؟

کہیں دانستہ طور پر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں معنوی تحریف کا ارادہ تو نہیں؟ خدا را انصاف چاہئے! جہلاء کے پیچھے لگ کر احادیث رسول ﷺ کا حلیہ نہیں بگاڑنا چاہئے، مذکورہ حوالہ کو بار بار پڑھیں۔

ع شائد کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

پس ثابت ہو گیا کہ علیزئی صاحب اس مسئلہ میں بھی اپنے دوسرے لاندہبوں کی طرح علمی یتیم ہی ہیں اس کی کوئی دلیل نہ ان کے پاس ہے اور نہ ہی کسی اور لاندہب کے پاس، اور نہ ہی ان شاء اللہ قیامت تک کوئی پیش کر سکتے ہیں۔

### ہمارا سوال نمبر (۸)

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ آپ ﷺ نے پورا سال تہجد کی اذان کا حکم فرمایا ہو؟ وہ اذان رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو بلکہ پورا سال تہجد پڑھنے کے لئے ہو؟

جواب علیزئی لا مذہب:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ان بلا لا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی اؤذن ابن ام مکتوم)) بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں لہذا کھاؤ اور پیو حتی کہ ابن ام مکتون اذان دیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان قبل الفجر ۶۲۲، ۶۲۳) اس

حدیث سے معلوم ہوا کہ طلوع فجر سے پہلے رات کی اذان دینا جائز ہے، اگر کوئی شخص اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سارا سال رات کی اذان دے تو جائز ہے اور دوسرے دلائل کی رو سے اگر یہ اذان نہ بھی دے اور صرف صبح کی اذان دے تو بھی جائز ہے۔

اقول:

اولاً: واہ رے لاندہب جی! جناب کا یہ جواب دیکھ کر لگتا ہے کہ جس کسی نے بھی ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“ کہا تو کہی تھی وہ شاید جناب جیسے لاندہبوں سے کچھ عقل مندوں کے لئے ہوگی، علیزئی صاحب! کیا سوال میں نہ جناب کو اور نہ ہی جناب کے ہم نشینوں کو نظر آیا کہ: ”وہ اذان رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو“۔

مگر جس بات کی نفی کا ذکر سوال میں کیا گیا تھا یعنی وہ اذان رمضان میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو، اسی بات کو بیان کرنے والی روایت نقل کر دی، شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ جناب نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، بس دیکھا کہ دو اذانوں کا ذکر ہے لہذا اسے لکھ دو اور اوویلا شروع کر دو کہ ہم نے جواب دے دیا۔

لاندہبوں کے محقق و محدث صاحب! لگتا ہے جناب کو صحیح بخاری و مسلم میں ان اذانوں کے درمیان وقت والی روایت آج تک نظر نہیں آئی؟ یا پھر شاید جناب نے مسلک کے بچاؤ کی مہم کا سبق پڑھا ہوا ہے کہ جو بھی ہو ہر سمت سے نظریں بند کرو اور مسلک کو بچاؤ، لیکن اتنا خیال رہے کہ یہ مسلک بچاؤ مہم کا سبق آپ لوگوں کو حقائق بدلنے پر مجبور کرتا رہے گا اور آخر کار یہی حقائق سے نظریں چرانا آپ میں ناعاقبت اندیشی پیدا کر دے گا اور انجام کار۔۔۔۔۔

آئیے! جناب کی تسلی کے لئے ان دونوں اذانوں میں وقت کا فرق ہم دکھا دیتے ہیں،







علامہ عراقی مزید فرماتے ہیں:

”فيحصل الجمع بين الحديثين بحمل أحدهما على رمضان والآ خر على غيره ( طرح التثريب لأبي زرعة العراقي ٢/٢١٠ )

ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق (جمع) اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک اذان رمضان شریف میں اور دوسری سارا سال۔

اسی صحیح بخاری کی روایت کی شرح میں ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

”وفي اجماع المسلمين على أن النافلة بالليل والنهار لا أذان لها دليل بين أن أذنه كان لصلاة الصبح - (شرح صحيح البخاری لابن بطل ٢/٣١٦)

آئیے! آخر میں پھر آپ ہی کے گھر کی شہادت پیش کر دیں۔

مولوی ابوالبرکات لاندہب کا فتویٰ:

سوال: بعض مساجد میں تہجد کی اذان ہوتی ہے ہم ان سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے وہ یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب حضرت بلالؓ اذان کہیں تو تم کھاؤ پیو اور جب عبد اللہ بن ام مکتوم اذان کہیں تو تم کھانے پینے سے رک جاؤ اس میں وقت کی تعیین نہیں ہے لہذا اسے تہجد کی اذان کہنا درست ہے۔

(محمد حسین جندیلہ باغوالہ)

جواب: ”اس حدیث سے استدلال غلط ہے کیونکہ بلال کی اذان فجر کی تھی کیونکہ فجر کے وقت نیند کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے فجر سے چند منٹ پہلے بلال کی اذان ہوتی تھی اگر یہ اذان سحری یا تہجد کی ہوتی تو فجر سے تقریباً گھنٹہ پہلے ہونی چاہیے تھی، لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بخاری مسلم وغیرہ کتب احادیث میں روایت موجود ہے کہ عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں اذانوں کے درمیان صرف اتنا فرق تھا کہ بلالؓ اذان کہہ کر اترتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ اوپر چڑھ کر اذان کہہ دیتے تھے اتنے فاصلے میں تہجد کیا پڑھی جاتی ہے اور سحری کا کھانا کیسے کھایا جاتا ہے۔

کسی محدث نے آج تک کتب احادیث میں تہجد یا سحری کی اذان کا باب نہیں باندھا معلوم ہوا کہ اس قسم کی اذان شریعت میں ہے ہی نہیں۔۔۔۔۔ (فتاویٰ برکات حصہ ۲۳-۲۴)

جس سے معلوم ہوا کہ یہ اذان بہر حال تہجد کے لئے نہ تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ پورا سال چلتی تھی، تو ایسی روایت اگر کوئی ہے تو اس کو پیش کیا جانا چاہیے تھا۔

مذکورہ حدیث میں سحری کا ذکر ہے اور سحری مشہور تو رمضان شریف میں ہی ہے جو کہ پورے اہتمام سے ہوتی ہے نہ کہ نفلی روزوں کی کیونکہ نفلی روزوں کی سحری کا اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ جہاں بھی دو اذانوں کا ذکر ہے وہاں سحری کا ذکر بھی ضرور ہے اور اگر بغیر سحری کے ذکر کے کوئی باسند صحیح حدیث ہے تو لاندہب ہوں کو چاہیے کہ وہ پیش کریں۔

علیٰ کی صاحب! ہمارا سوال جوں کا توں ابھی تک باقی ہے، نہ آپ اس کے جواب میں کوئی دلیل پیش کر سکے اور نہ قیامت تک کر سکتے ہیں ان شاء اللہ العزیز۔

### ہمارا سوال نمبر (۹)

ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز باجماعت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا حکم فرمایا ہو یا خود پڑھی ہو؟۔

جواب علیٰ بن ابی طالب لا مذہب:

علیٰ کی صاحب! نعیم الجمر والی روایت کو ذکر کیا جس کا جواب ”ڈھول کا پول“ میں موجود ہے۔



آگے علیزئی صاحب لکھتے ہیں ”یاد رہے کہ بسم اللہ الخ نماز میں سرا بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے۔“

**اقول:**

جناب علیزئی صاحب! اگر سزا پڑھنا بہتر ہے تو جناب کے ہم مسلک کیوں بلند آواز سے پڑھتے ہیں؟ لاندہب لوگ نماز میں جو بہتر نہیں اس عمل کو کیا سمجھ کر عمل کرتے ہیں؟۔ یہ عقدہ بھی حل کر دیں۔

آگے علیزئی صاحب نے لکھا کہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنی اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے دیکھیے سنن الترمذی (۲/۹۶۶ ج ۲۶۷۷ قال: ”مذاہب حسن صحیح“ و سندہ صحیح) جناب علیزئی صاحب! آج تک تو آپ کے بڑے لکھتے رہے کہ ”صحابہ کا قول و فعل حجت نہیں“ جناب ان سے بغاوت پر اتر آئے؟

لیکن ایسا نہیں کیونکہ یہ بات صرف مقصد کے حصول کے لئے ہے، ورنہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اور بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بھی کئی سنتیں ہیں جن کو تسلیم کرنے کے لئے جناب بھی تیار نہیں ہوں گے۔

آگے علیزئی کا لکھنا کہ ”اور خلفائے راشدین میں سے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے عبدالرحمن بن ابزی نے نماز پڑھی ”فجهر بيسم الله الرحمن الرحيم“ تو انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم جبر پڑھی۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۳۷، و سندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۲ ج ۴۵۷، اسنن الکبریٰ للبخاری ۲/۴۸)

**اقول:** سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل مرفوع حدیث نہیں، ہم نے سوالات میں

صحیح، صریح، مرفوع کا ذکر کیا ہے، یہ مرفوع نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے سوال کا جواب نہیں ویسے جناب کو اسے پیش کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کے اقوال کو پیش نظر رکھنا چاہئے تھا۔ پس ہمارا سوال ابھی تک قائم ہے کیونکہ علیزئی ایک بھی روایت صحیح، صریح، مرفوع اور غیر محتمل پیش نہیں کر سکا۔

**ہمارا سوال نمبر (۱۰)**

”ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے وفات تک رفع الیدین عند الركوع و بعد الركوع کیا تھا؟“

**جواب علیزئی لا مذہب:**

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔ مثلاً دیکھیے صحیح بخاری (کتاب الاذان، باب رفع الیدین اذا کبر و اذا رکع و اذا رفع ج ۳۶۷) اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔ (دیکھیے صحیح بخاری: ۷۳۹ و سندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے رفع الیدین کی حدیث کے راوی، ان کے جلیل القدر صاحبزادے امام سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔ (حدیث السراج ج ۲ ص ۳۴، ۳۵ ج ۱۱۵، و سندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ رفع الیدین عند الركوع و بعد الركوع پر عمل عہد نبوت، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں مسلسل رہا ہے لہذا رفع الیدین منسوخ یا متروک ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین عند الركوع و بعد الركوع کا ترک یا منسوخ ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے لہذا یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ وفات تک



رفع یدین کرتے تھے یہ مسئلہ سمجھانے کے لئے ایک مثال پیش خدمت ہے:

رسول اللہ ﷺ سے نماز میں ہاتھ باندھنا ثابت ہے اور ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا بالکل ثابت نہیں ہے لہذا یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ وفات تک نماز میں ہاتھ باندھتے تھے

**اقول:**

علیزئی صاحب! ایسے ویسے کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے اگر کوئی ایک ہی دلیل جناب کے پاس موجود ہے جو کہ مرفوع، صحیح اور صریح ہو اور اس میں وفات تک کا ذکر ہو بیان کریں، لیکن وہ آپ کر نہیں سکتے۔

جناب اپنے گھر بیٹھے جو چاہے لکھتے رہیں کہ: ”رفع یدین منسوخ یا متروک ہونے کا دعویٰ باطل ہے“ لکھنے سے تو باطل نہیں ہو جائے گا، باطل قرار دینے کے لئے ثبوت درکار ہوتے ہیں جو آج تک کوئی لاندہب بھی پیش نہیں کر سکا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔

اگر ہمارے سوال کے مطابق جناب کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کریں مگر وہ جناب تا حیات پیش نہیں کر سکیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

**ہمارا سوال نمبر (۱۱)**

ایک صحیح، صریح، مرفوع، غیر مختل حدیث پیش کریں کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم حدیث میں ہو؟۔

**جواب علیزئی لا مذہب:**

اگر کپڑا ہو تو سر ڈھانپ کر نماز پڑھنی چاہئے اور یہی بہتر ہے۔ دیکھئے میری کتاب ہدیۃ المسلمین (حدیث نمبر: ۱۰) اور ماہنامہ الحدیث صفحہ: ۳۱ ص ۵۱)۔

**اقول:**

علیزئی صاحب! آپ نے مذکورہ بالا عبارت لکھ کر اس بات کو خود ہی تسلیم کر لیا ہے کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ یہ بہتر نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے۔

آگے لکھا ہے کہ ”اگر کپڑا نہ ہو تو مرد کی نماز ننگے سر جائز ہے“

**اقول:** ہمارے سوال میں کپڑا نہ ہونے کا نہیں بلکہ کپڑا ہوتے ہوئے کا ذکر ہے۔

آگے علیزئی نے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث لکھی ہے جس کے بارے میں ”ڈھول کا پول“ میں موجود ہے۔

یہاں پر صرف مختصر عبارت عبدالجبار غزنوی، اور محمد داؤد غزنوی کے حوالہ سے لکھی جاتی ہے جو کہ ان لاندہبوں کے لئے قابل غور ہے جو لاندہبوں کی اس بارے میں وکالت کرتے ہیں:

”۔۔۔ ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جبکہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی

ایسی روایت نہیں گزری جس میں یہ صراحت یہ مذکور ہو کہ نبی ﷺ نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو۔ اس لئے اس بدرسم

کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیے اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی

۔ اگر تعبد اور خضوع اور خشوع و عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصائے کے ساتھ تشبیہ

ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے، تعبد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر

کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ ولا یاتون الا

وہم کسالی (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر) غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے

(الاعتصام جلد ۱۱ ص ۱۸ بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ۲۹۱/۳)

پس اب علیزئی اور اس مسئلہ میں اس کے ہمنوا اپنے ہی بزرگوں سے پوچھیں کہ ہم جو اس پر



دلائل تلاش کر کر کے لوگوں کو فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اسی عہد اول سے تعلق رکھنے والی روایات کا سہارا لے کر اس مسئلہ میں جواز فراہم کر رہے ہیں، ہم کس کھاتے میں ہوئے؟۔۔۔

اور بالخصوص وہ لاندہب مولوی یا عوام جو کپڑا ہونے کے باوجود جب نماز پڑھنے یا پڑھانے لگتے ہیں تو سر پر لپٹا ہوا بھی اتار کر آگے رکھ لیتے ہیں، کن میں شامل ہیں؟۔

### ہمارا سوال نمبر (۱۲)

”ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز میں دو دوفٹ کھلے پاؤں کر کے کھڑے ہونے کا حکم ہو؟“

جواب علیزنی لا مذہب:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَقِمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَصَّعُوا)) الخ

اپنی صفیں قائم کرو اور ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہو جاؤ۔ الخ (صحیح بخاری: ۷۱۹)

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے ساتھ نماز پڑھنے والے مقتدی کے کندھے اور قدم سے قدم ملانا چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملا تھے دیکھئے صحیح بخاری (۷۲۵)

الحمد للہ اس حدیث پر اہل حدیث کا عمل ہے اور رہی بات دو دوفٹ والی تو یہ بریلوی مسائل کا مسخر اپن اور ٹھٹھا ہے، جس سے اہل حدیث بری ہیں۔

### اقول:

علیزنی صاحب! سوال میں نہ تو کندھے ملانے کے بارے میں اور نہ ہی پاؤں ملانے کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے بلکہ پاؤں کے فاصلے کی بات ہے جس پر آپ سے کوئی جواب تو بن نہ سکا لکھ دیا کہ ”یہ مسخر اپن اور ٹھٹھا ہے جس سے اہل حدیث بری ہیں“۔

علیزنی جی! یوں لکھ دینے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی، ہر وہ شخص جس نے کبھی لاندہبوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا ہے اس بات سے واقف ہے کہ لاندہب باجماعت نماز میں بالخصوص یوں ہی کھڑے ہوتے ہیں، اگر یقین نہ ہو تو اپنے لاندہبوں کے پاؤں کے درمیان پیمانہ رکھ کر تجربہ کر لیں۔

علیزنی صاحب! جناب ایک بھی سوال کا جواب ہماری شرائط کے مطابق نہیں دے سکے اور قیامت تک دے بھی نہیں سکتے، ان شاء اللہ العزیز۔

### حرف آخر:

اگر جناب میں کوئی دم ختم ہے تو آئیے ہم پھر دعوت میدان دیتے ہیں، تشریف لائیں، اگر آنے میں کوئی قباحت محسوس کریں تو اپنے رسالہ میں شائع کر دیں کہ ہم نہیں تم آؤ اور وقت کا تعین بھی کر دو، ان شاء اللہ العزیز ہم آجائیں گے۔

اور ہاں یہ ذہن نشین رہے کہ کسی ایرے غیرے کی بات نہیں آپ جناب جو بزعم خویش علمی میدان کے بڑے شہسوار بنے ہوئے ہیں بات آپ سے ہوگی۔ جس میں انتظامی معاملات کی ہر قسم کی ذمہ داری جناب کو قبول کرنا ہوگی۔

اب آخر میں ہم پھر یہ عرض کرتے چلیں کہ علیزنی لاندہب نے جو سوائت اہل سنت احناف پر وارد کئے ہیں وہ صرف ہمارے اصول سے ناواقفیت کی وجہ سے کئے ہیں۔ پہلے وہ کتب اصول فقہ کو پڑھے اور احناف کے اصول دیکھ کر سوال کرے، ہم ان شاء اللہ اس کی تشفی فرمادیں گے۔

محمد ارشد مسعود



بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم -

أما بعد :

علیزی نامی ایک لاندہب نے اہل سنت و جماعت کے نامور عالم، مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی کے بارہ (12) سوالات جو آپ نے ان لاندہبوں کے بیان کردہ اصولوں (جو یہ لوگوں کو اہل سنت سے متفر کرنے کے لئے عوام کے سامنے اپنی غیر مقلدانہ ٹون کے ساتھ بیان کرتے ہیں) کے مطابق ایک سائل کی حیثیت سے کئے تھے جن کے جواب سے کئی بے چارے ہمت ہار بیٹھے، مگر کئی سال بعد زبیری ہنڈیا میں اُبال آیا تو اس نے اپنے رسالہ میں ان کے جوابات دینے کی کوشش کی، مگر جہاں اُس کے بڑے بڑے اپنے جاہلانہ اور نجدی ترکش خالی کرچکے تھے، ان کے ہوش گم ہو چکے اور وہ چاروں شانہ چت گر گئے تھے، اس بیچارے حضروی نابکار و نافر جام سے کیا بننا تھا، بس چند اوراق کو بے بنیاد و غیر متعلق دلائل سے سیاہ کر کے لگا شور مچانے کہ ہم نے جواب دے دیا ہے۔

اہل سنت و جماعت کی طرف سے فی الفور اُن کا جواب اس لئے نہ آیا کہ اس زبیری ہنڈیا کے بے وقت اُبال سے کوئی نئی چیز تو سامنے آئی نہیں تھی، وہی پرانے الفاظ جو پہلوں نے لکھے تھے تھوڑے سے رد و بدل کے ساتھ جمع کر دیئے گئے تھے۔

غیر مقلدین کی شیطانی سوچ کو مد نظر رکھتے ہوئے اُن کا جواب بہت پہلے دیا جا چکا تھا لیکن ان اعتراضات کی سطحیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا جواب لکھ جانے کے بعد بھی اُس کی اشاعت کے بارے میں کوئی خاص توجہ نہ دی گئی، مگر علیزئی کی رعوت اور خود سری آپے سے

(حصہ دوم)

زبیر علیزئی لاندہب کے جواب میں

لَز فُلَم

ڈاکٹر قاری ابوالاحمد محمد ارشد مسعود اشرف چشتی رضوی

بانی و ناظم (اعلیٰ) : دار الفلم (اسلامک ریسرچ سنٹر) پاکستان



باہر ہو گئی اور لگی بے ہنگم شور شر کرنے۔

تو ان کو آئینہ دکھانے اور رضوی دُروں سے راہِ راست پر لانے کی خاطر اس مضمون کا جواب چند اضافوں کے ساتھ شائع کر دیا گیا۔

پس رضوی شعلوں سے زیری ہنڈیا تو شاید دم بخت ہو کر رہ جاتی، مگر دم بھر۔ نے والوں نے جب ناک میں دم کیا تو ناک کٹنے کے خوف سے وہی پہلے والی لالینی اور بے بنیاد باتوں کے ساتھ مزید مختل الحواس کا مظاہرہ کرتے ہوئے چند اوراق شائع کر دیے جن میں اپنی مظلومیت کا رونا رونے کے ساتھ ساتھ اپنے ہی بڑوں کو مورد الزام بھی ٹھہرا دیا۔  
راقم الحروف نے لکھا تھا کہ:

”وہابیو! دیکھنا کہیں یہ تم میں ”آدھا تینتر آدھا بٹیر“ تو پیدا نہیں ہو گیا“

(دیکھئے براہین رضوی صفحہ ۲۲)

پس زیرِ علیزئی نے اس کوچ کر دکھایا کیونکہ نجدی اکابرین کے بے بنیاد سلفی منہج کو بالائے طاق رکھتے ہوئے لکھا کہ:

”ایک اہم بات: اہل حدیث (اہل سنت) کے نزدیک قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور ثابت شدہ اجماع شرعی حجت ہیں۔ احادیث سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے، لہذا اہل حدیث کے نزدیک ہر سوال کا جواب اولہ ثلاثہ اور اجتہاد سے جائز ہے۔ اجتہاد کی کئی قسمیں ہیں مثلاً: نص پر قیاس، عام دلیل سے استدلال، اولیٰ کو ترجیح، مصالحِ مرسلہ اور آثارِ سلف صالحین وغیرہ۔ اہل حدیث کے اس منہج کو ماہنامہ الحدیث حضور میں بار بار واضح کر دیا گیا ہے۔۔۔“ (ماہنامہ الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۲۸، ۲۷)

جواب: دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہمارا مسلک وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر

آج تک چلا آ رہا ہے ہم کوئی نئی پیداوار نہیں ہیں مگر حیرانگی اُس وقت ہوتی ہے جب اپنے آپ کو اہلحدیث کہلوانے والوں کا منہج ہی ایک نظر نہیں آتا، یہ عجیب مسلک ہے جو بزعْم خود چودہ پندرہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے مگر آج تک اس کا منہج ہی نہیں بن سکا۔

علیزئی صاحب کا بیان کردہ منہج آپ نے پڑھا، انہی کے گم کردہ راہ نام نہاد سلفی بزرگ جو چند سال پہلے اِس دنیا سے اپنی اگلی منزل کی طرف کوچ کر گئے ہیں اُن کے الفاظ میں دیکھیں کہ اہلحدیث کا منہج کیا ہے؟

چند سال کے بعد ان کے منہج میں کتنا فرق آیا اس موازنے سے یہ آپ کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔

لانڈہوں وہابیوں کے شیخ الحدیث والنفیر محمد یحییٰ گوندلوی نے ”اہل حدیث کا منہج“ کا عنوان جما کر لکھا ہے کہ:

”اہل حدیث قرآن و حدیث پر عمل کرنے والوں کا نام ہے جن کے عقائد اور اعمال کلیۃً قرآن و حدیث کے مطابق ہیں اور کسی ایک جگہ بھی اختلاف نہیں بلاشبہ اہل حدیث کا مسلک واحد ایسا مسلک ہے جو آراء و قیاسات سے آزاد خالص اسلامی تعلیمات کا حامل ہے۔۔۔۔۔“ (عقیدہ مسلم ص ۱۷۷، ناشر: دارالحیثی)

یہی لانڈہوں کے شیخ الحدیث والنفیر ”قیاس سے اجتناب“ کی سرخی دے کر لکھتے ہیں کہ:

”۔۔۔۔۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں دین کے معاملے میں قیاس کی اجازت نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین قیاس سے سخت نفرت کرتے تھے۔“

(عقیدہ مسلم ص ۳۹، ناشر: دارالحیثی)

مزید لکھا ہے کہ: ”قیاس کو شریعت کا درجہ دینے کا مطلب اس چیز کو شریعت قرار دینا ہے جو



عند اللہ اور عند الرسول شریعت نہیں۔ (عقیدہ مسلم ص ۵۱، ناشر: دارالحیٰ)

لامذہبوں کے شیخ الحدیث والنفیر گوندلوی صاحب کے مطابق علیزئی ایک ایسے نظریہ کا قائل ہے جس سے بقول گوندلوی صاحب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سخت نفرت کرتے تھے، اور علیزئی ایک ایسی چیز کو شریعت قرار دے رہا ہے، جو ان کے خود ساختہ و نام نہاد شیخ الحدیث والنفیر صاحب کے بقول نہ تو عند اللہ شریعت ہے اور نہ ہی عند الرسول شریعت ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کیا علیزئی کے نزدیک گوندلوی صاحب اہل حدیث تھے یا کہ نہیں؟ کیا گوندلوی کا شمار وہ اپنے اکابرین میں کرتے ہیں یا کہ نہیں؟

اگر اہل حدیث تھے تو تسلیم کریں کہ ہمارا منہج میری خود ساختہ تحقیقات کے ساتھ مکمل ہوا ہے اور اگر میرے بعد کوئی نیا محقق جو میری مثل ”آدھا تینتر آدھا بٹیر“ پیدا ہو گیا تو بدل بھی سکتا ہے۔

ایک اہم بات: میں نے دوبارہ یہ الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں کہ علیزئی کو باقی تمام الفاظ جو راقم الحروف نے اُس کے بارے میں لکھے تھے وہ برے لگے ہیں مگر یہ مثل اچھی لگی ہے اس لئے اس نے اس کا برا نہیں مانا اور نہ وہ اس کو بھی ذکر کرتا اور کہتا کہ یہ بھی مجھے گالی دی ہے۔ ☆ علیزئی نے اجتہاد کے جواز کے بارے میں لکھا ہے مگر علیزئی کے ایک دوسرے بزرگ خالد گر جاکھی نے لکھا ہے کہ:

”اجتہادات دین میں داخل نہیں ہیں دین صرف قرآن وحدیث کا نام ہے۔“

(مقدمہ، حدیث اور غیر اہلحدیث ص ب)

مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی نے جو سوالات

کئے تھے ان کا تعلق علیزئی کے نزدیک دین سے ہے یا نہیں؟۔

اگر وہ سوالات دین کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو اب ان دونوں میں سے ایک تو کذاب ہوگا؟ ہم نہیں کہتے بلکہ علیزئی بتائے کہ خالد گر جاکھی کذاب ہے یا علیزئی خود؟۔

علیزئی اپنے آپ کو تو کذاب کہے گا نہیں کیونکہ وہ اس کو اپنے لئے گالی سمجھتا ہے، لا محالہ ماننا پڑے گا کہ علیزئی کے نزدیک خالد گر جاکھی ہی کذاب قرار پائے گا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لامذہبوں کے بزرگ ان کے نزدیک کذاب ہیں کیونکہ وہ اجتہادات کو دین سے خارج قرار دے رہے ہیں اور علیزئی دین میں اجتہادات کو جائز قرار دے رہا ہے۔

اس کے بعد علیزئی نے تقریباً آدھا صفحہ تقلید کے بارے میں گفتگو کی ہے جس میں ایک حوالہ فتاویٰ رضویہ اور ایک حوالہ جاء الحق کا نقل کیا ہے۔

ہم ان تمام لالیعنی وبے بنیاد باتوں کا جواب دینے کو بھی تیار ہیں، لیکن پہلے ہمارے سوالات کے جوابات جو علیزئی اور لامذہبوں کی پوری ذریت پر قرض ہیں وہ تو ادا کر لیں پھر ہم پر سوال کریں ہم ان تمام کا جواب دیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

راقم الحروف لامذہبوں کی طرف سے آنے والے جوابات کے پیش نظریہ کہتا ہے کہ پاکستانی لامذہب پوری دنیا کے لامذہبوں سے مل کر کوشش کر دیکھیں مگر ان سے ہمارے قائم کردہ سوالات کے جوابات ان شرائط کے مطابق نہیں بن پڑھیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

اس کے بعد علیزئی صاحب یوں بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں:

قول علیزئی: ”اہل حدیث اپنے عقیدے اور منہج کے مطابق اولہ اربعہ سے بذریعہ



محدثین کرام اور علمائے حق (سلف صالحین کے فہم کو مد نظر رکھتے ہوئے) جواب دینے کے پابند ہیں۔ (الحديث شماره نمبر: ۸۶، صفحہ ۲۸)

**جواب:** اس لاندہب نے اپنے پہلے بزرگ لاندہبوں کا جنازہ اس طرح نکالا کہ ماضی قریب تک وہ جس بات کا راگ الاپتے رہے، زیری ہندیا کے اجتہادی شعلوں نے ان کے نظریات کو جلا کر رکھ دیا۔

راقم الحروف نے براہین رضوی کے صفحہ ۲۳ اور صفحہ ۲۴ پر ان کے امام العصر، مفسر قرآن، محدث، فقیہ، مورخ، ادیب، مقرر، معلم، متکلم، صحافی اور نقاد محمد بن ابراہیم جونا گڑھی کی کتب کے حوالے دیے تھے، جن کو علیزئی نے سعودی ریالوں سے خریدا ہوا مال سمجھ کر ہضم کر لیا، ملاحظہ ہو:

جونا گڑھی لکھتا ہے کہ: ”بحمد اللہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلد، وہابی، لاندہب) صرف انہیں دو چیزوں پر عامل اور قائم ہے نہ تیسری چیز کی ضرورت دین میں تھی نہ انہیں محسوس ہوئی، نہ انہوں نے تیسری ہستی ٹولی۔“ (توحید محمدی ۹۱، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

اور یہی جونا گڑھی ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ:

”۔۔۔ ایک مٹھی میں قرآن و دوسری میں حدیث لو جب تیسرا ہاتھ پیدا ہو تب تیسری چیز بھی پیدا کر لینا اب تو قرآن حدیث بس ہے باقی سب ہوس ہے۔۔۔“

(شیخ محمدی ۲۷، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

اور یہی جونا گڑھی اسی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

”ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ جو قرآن حدیث میں جس طرح ہے وہی اسی طرح اسلام ہے جو اس میں نہیں وہ اسلام میں نہیں۔“ (شیخ محمدی ۱۴۰، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

سنو! اور غور سے سنو، یہی تمہارا بڑا جونا گڑھی لکھتا ہے کہ:

”سنئے جناب! بزرگوں کی، مجتہدوں اور اماموں کی رائے قیاس اجتہاد و استنباط اور ان کے اقوال تو کہاں؟ شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر اللہ ﷺ بھی اپنی طرف سے بغیر وحی کے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں۔“ (طریق محمدی ص ۵۷، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

یہی جونا گڑھی اسی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

”تعب ہے کہ جس دین میں نبی کی رائے حجت نہ ہو اس دین والے آج ایک امتی کی رائے کو دلیل سمجھنے لگے۔“ (طریق محمدی ص ۵۹، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

جونا گڑھی نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ:

”جب اللہ کے پیغمبر کو یہ اجازت نہ تھی کہ اللہ کے دین میں اپنی طرف سے کچھ کہہ دیں پھر اماموں اور مجتہدوں کو یہ منصب اور یہ رتبہ کیسے مل گیا؟۔“

(طریق محمدی ص ۶۱، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

علیزئی کو چاہئے تھا کہ وہ ان حوالا جات کے بارے میں لکھتا مگر شاید آئمہ محدثین و مفسرین اور مجتہدین کے اقوال کو بغیر کسی تردد کے مردود و باطل لکھنے والے نے یہاں اس لئے خاموشی سادہ لی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے لاندہبوں کے نظریات کو باطل و مردود قرار دوں تو میرا مسلک ہی برصغیر پاک و ہند میں دُم بریدہ رہ جائے، مگر علیزئی کو یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ابھی ایک کے حوالے دیئے ہیں اگر زیری ہندیا کی نجدی کڑھی کا اُبال نہ تھا تو ان شاء اللہ العزیز ایک ایک کر کے ان لاندہبوں کے اس بارے میں اتنے حوالے ذکر کروں گا کہ علیزئی کو دنیا نے نجد میں اپنا ہمنوا کوئی نظر نہیں آئے گا اور عوام و خواص کو بھی علم ہو جائے گا کہ علیزئی ایسے مسلک و نظریات کا مدعی ہے جس کا دنیا نے نجد، نام نہاد اہلحدیثوں،



غیر مقلدوں میں وجود ہی نہیں تھا، جو اس کے مسلک و نظریات کے دُور بردہ اور بے بال و پر ہونے کی واضح دلیل ہوگی، ان شاء اللہ العزیز۔

قول علیزنی ”سلف صالحین کے فہم کو مد نظر رکھتے ہوئے“۔

جواب: اس کے جھوٹا ہونے کی ایک واضح مثال آگے آرہی ہے ان شاء اللہ العزیز۔

قول علیزنی: اس کے بعد علیزنی نے لکھا کہ: ”اب سوال کی مناسبت سے چند تنبیہات پیش خدمت ہیں: (۱) صحیح حدیث کی طرح حسن لذاتہ بھی حجت ہے۔“

(الحديث شماره ۸۶ صفحہ ۲۸)

جواب: مناظر اہل سنت مدظلہ العالی نے سوالات میں یہ سوال نہیں فرمایا تھا کہ حسن حدیث حجت ہوتی ہے یا نہیں؟

بلکہ لاندہبوں کی طرف سے چائے گئے صحیح کے بے ہنگم شور کے تحت صحیح کی قید کے ساتھ سوال کیا تھا کیوں کہ لاندہب اکثر احادیثِ حسان کا ذکر کئے بغیر صحیح کا ہی راگ الاپتے نظر آتے ہیں اور فریقِ مخالف سے صرف صحیح کا ہی مطالبہ کرتے ہیں اس لئے صحیح کی قید لگائی گئی تھی کیونکہ عمومی طور پر لاندہب اپنی تحریرات اور بیانات میں بھی صحیح ہی کی رٹ لگاتے نظر آتے ہیں دلیل کے لئے ملاحظہ ہو:

ایک لاندہب محمد ابراہیم سلفی اپنے ایک رسالہ ”عورت اور مرد کے طریقہ نماز میں فرق نہیں صفحہ ۱۳ تا ۱۹“ کے ابتدائیہ میں لکھتا ہے کہ:

”قرآن مجید اور صحیح احادیث رسول ﷺ من اللہ ہیں اور یہی وہ حق ہے جسے اللہ نے نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے ﴿ما نزل علی محمد وهو الحق من ربہم﴾ (محمد: ۲/۲۷)

اصل آیت مبارکہ یوں ہے کہ: ﴿وامنوا بما نزل علی محمد وهو الحق من ربہم﴾

اور اسی حق کی اتباع کا حکم ہے:۔۔۔ کہیں صحیح حدیث پر عمل ہوتا ہے۔۔۔ صحیح حدیث و سنت پر خوب ہاتھ صاف کرتے ہیں۔۔۔ دورانِ مطالعہ ہی صحیح احادیث و آثار اور شروحات کتب احادیث میں آئمہ و فقہائے محدثین کے وضاحتی بیانات کی روشنی میں۔۔۔۔۔ یہ کتابچہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جس میں راقم نے نہایت اختصار کے ساتھ اہمیت، فرضیت و فضیلت نماز اور طریقہ نماز صحیح احادیث کی روشنی میں تحریر کیا۔۔۔ کوئی ایک بھی صحیح روایت دیکھنے کو نہ ملی۔۔۔ اگر ایک بھی صحیح حدیث رسول ﷺ مل جاتی تو قطعاً قلم نہ اٹھاتا مگر پورے ذخیرہ احادیث میں کوئی ایک بھی صحیح حدیث رسول ﷺ اس مروج فرق پر نہ مل سکی اور اب بھی اگر کوئی دوست صرف ایک ہی صحیح حدیث رسول ﷺ پیش کر دے تو تسلیم ہونے میں دیر ہوگی نہ عمل میں لانے میں کوئی پچکچاہٹ۔

قارئین کرام! اس لاندہب کے پورے ابتدائیہ میں کہیں بھی حسن حدیث کا ذکر نہیں ہے، بلکہ صحیح احادیث کے ساتھ جب دوسری چیز کا ذکر کیا تب بھی حسن حدیث کا نہیں بلکہ آثار کا ذکر کر دیا اور یاد رہے کہ یہ لاندہب وہ ہے جس کے اس رسالہ پر نظر ثانی اور تقریظ ثناء اللہ مدنی کی ہے اور مقدمہ مبشر احمد ربانی کا ہے، اور یہ مبشر ربانی وہ ہے جس کی کتابوں پر نظر ثانی اور تقریظ علیزنی صاحب کرتے اور لکھتے رہتے ہیں۔

اس لئے سوالات میں صحیح کی قید لگائی گئی تھی جس نے علیزنی سے مذکورہ بالا جملہ لکھوا کر یہ ثابت کر دیا کہ دوسروں سے ہر بات میں صحیح حدیث کا مطالبہ کرنے والوں کے اپنے پاس بھی ہر مسئلہ میں صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔

قول علیزنی: آگے علیزنی نے لکھا ہے کہ:

”(۲) ہر جواب کا صریح ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر مقابلے میں خاص دلیل نہ ہو تو عام دلیل



سے بھی استدلال جائز ہے۔“ (الحديث شماره نمبر ۸۶ صفحہ ۲۸، ۲۹)

**جواب:** علیزئی کو چاہئے کہ ان لاندہوں پر ضرب نعال کی بارش کرے جو دن رات اہل سنت سے صریح جواب اور خاص دلیل کا تقاضا کرتے رہتے ہیں، ہماری طرف سے یہ قید بھی ان وہابیوں کو آئینہ دکھانے کے لئے تھی۔

### لطیفہ

نماز میں تسمیہ بلند آواز سے پڑھنا، اس بارے میں انہی کی جماعت کے ایک مولوی عبدالرؤف بن عبدالحنان سندھو نے صادق سیالکوٹی کی کتاب ”صلوة الرسول“ پر ”تخریج و تعلیق“ کا کام کیا، جس میں وہ لکھتا ہے کہ: ”الحاصل بسم اللہ جہر اُڑھنے کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں ہے لہذا بسم اللہ آہستہ ہی پڑھنی چاہیئے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت اور جان پہچان رکھنے والے اس امر پر متفق ہیں کہ بسم اللہ جہر کے بارے میں کوئی صریح روایت نہیں ہے۔۔۔۔۔“

(صلوة الرسول ۲۳۷)

اور صادق سیالکوٹی کی اسی کتاب پر یہی علیزئی تحقیق و تخریج کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

”حکیم محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علمائے حدیث کا یہ فیصلہ بالکل صحیح ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ اور پکار کر پڑھنا۔ دونوں طرح جائز ہے۔“

(تہذیب الوصول الی تخریج و تعلیق صلوۃ الرسول صفحہ ۱۵۸)

عجب بات ہے کہ لاندہوں کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ایک دوسرا لاندہ بھٹو کہہ رہے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں، مگر علیزئی نے کہا کہ دونوں طرح جائز ہے گویا کہ صریح کے مقابلہ میں غیر صریح کو بھی قبول کر لیا، مگر یہاں لکھ دیا کہ: ”ہر جواب کا صریح

ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر مقابلے میں خاص دلیل نہ ہو تو عام دلیل سے بھی استدلال جائز ہے۔“ فیاللعجب۔

قول علیزئی: آگے علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”(۳) مرفوع حدیث حجت دائمہ ہے لیکن موقوف آثار سے بھی استدلال جائز ہے، بشرطیکہ مقابلے میں صریح دلیل نہ ہو۔“

(الحديث، شماره نمبر ۸۶ صفحہ ۲۹)

**جواب:** علیزئی نے جن سے ادلہ اربعہ کا سبق پڑھا، وہی عبد المنان بے نور پوری صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قوی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں۔“ (مسند رفع الیدین ص ۱۳)

کیوں جناب! جب جناب کے استادوں اور بزرگوں کے نزدیک موقوف روایت کسی قسم کی دلیل ہی نہیں تو اس سے استدلال کیسا؟

قول علیزئی: آگے لکھا ہے کہ: ”غیر محتمل والی شرط فضول ہے کیونکہ ہر فریق دوسرے کی دلیل میں احتمال ہی احتمال نکال لیتا ہے بلکہ بریلویت و دیوبندیت کی بنیاد ہی احتمالات، تاویلات فاسدہ اور اکابر کی اندھی تقلید پر ہے۔ دیکھئے الحدیث حضور: ۵۶ ص ۳۷-۳۸۔“

(الحديث شماره نمبر ۸۶ صفحہ ۲۹)

**جواب:** بکواس اور آئینہ میں اپنی صورت نظر آنے کے مترادف ہے، ہماری طرف سے یہ قید ان وہابیوں کے دماغ درست کرنے کے لئے تھی جو بد دماغی اور عقل و شعور سے عاری ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے مرفوع، صریح، صحیح اور غیر محتمل کا مطالبہ کرتے نہیں شرماتے۔ علیزئی کا بیان ان کے بے وقوف ہونے کا امتیازی نشان اور اہل سنت کی صداقت کا واضح اعلان ہے۔



باقی احتمالات، تاویلات فاسدہ اور اکابر کی اندھی تقلید اگر وہابیوں میں نہیں ہے تو غیرت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے، سینے پر ہاتھ رکھ کر پڑیے اور لگائیے فتویٰ ان تیرہ بحثوں پر جنہوں نے لکھا ہے: ”نبی کا فرمان حجت نہیں (طریق محمدی ص ۵۹) اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (فتاویٰ سلفیہ ص ۵۵، یکروزہ ص ۱۷) اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیاء اور اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں۔ (تقویۃ الایمان، ص ۱۲۸ ناشر: ادارہ اشاعت السنۃ مرکزی جریۃ المحدث مغربی پاکستان شیش محل روڈ لاہور) اونٹ وغیرہ جانوروں کا پیشاب حلال ہے (فتاویٰ ثنائیہ ۵۵۵، بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ۱/۲۷، مکتبہ سعیدیہ خانیوال) وغیرہ اگر آپ کی غیرت مردہ نہیں، ایمان کا سودا نہیں کیا، ضمیر نہیں بیچا تو ان لوگوں پر شرعی حکم لگاؤ تاکہ ثابت ہو کہ آپ خود اندھی تقلید اور شخصیت پرستی کے شرک سے بری ہو اور تاویلات و احتمالات سے بھی دور رہتے ہو، عقل کے اندھے! پہلے اپنے گھر کی خبر لو، پھر دوسروں کو الزام دینا۔

مذکورہ بالا بعض باتوں کا جواب ہم نے پہلے صرف اس لئے نہیں لکھا تھا کہ کلام طویل نہ ہو جائے اور اختصار کے ساتھ جواب دیا کہ علیزئی کی سمجھ میں آجائے مگر معلوم ہوتا ہے کہ زبیری ہند یا اس وقت تک سرد نہیں ہوگی جب تک اس کو گرمانے والی دنیائے نجد کی آگ کو بجھایا نہیں جائے گا۔

اس کے بعد علیزئی براہین رضوی کے جواب میں لکھتا ہے:

قول علیزئی: ”اب ایک رضا خانی لاندہب کی طرف سے ”براہین رضوی“ نامی ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس میں بارہ سوالات میں سے صرف سوال نمبر ۸ کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے اور باقی گیارہ سوالات کو غالباً گیارہویں کا دودھ سمجھ کر پی لیا گیا ہے اور یہ

وضاحت بھی نہیں کی گئی کہ عباس رضوی نے مذکورہ سوالات کے جوابات سے راہ گریز کیوں اختیار کی؟۔ (المحدث شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۲۹)

**جواب:** اولاً: علیزئی کا راقم الحروف کے متعلق ”رضا خانی لاندہب“ کا مرکب استعمال کرنا ایسا جھوٹ ہے جیسے کوئی دن کے بارہ بجے آسمان دنیا پر چمکنے والے سورج کو اس حالت میں دیکھے کہ کہیں آسمان پر اب بھی موجود نہ ہو اور وہ کہے کہ سورج طلوع نہیں ہوا۔ علیزئی راقم الحروف کو لاندہب لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

”متنبیہ: رضا خانی نے اہل حدیث پر اصول و فروع میں تقلید نہ کرنے کی وجہ سے ”لاندہب“ کا مرکب فٹ کیا ہے، جبکہ احمد یار نعیمی رضا خانی نے لکھا ہے: ”عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔“ (جاء۔۔۔ ج ۱ ص ۷۷، تقلید: دوسرا باب) اس سے ثابت ہوا کہ رضا خانی فرقے والے عقائد میں ”غیر مقلد“ ہیں، لہذا وہ اپنے خود ساختہ اصول ہی سے ”لاندہب“ ہیں۔

(المحدث شمارہ ۸۶ ص ۳۰)

☆ جبکہ راقم الحروف نے براہین رضوی کے صفحہ ۲۳ اور ۲۴ پر وضاحت کر دی تھی کہ ہم انہیں لا مذہب کیوں کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اہلحدیث کہلوانے والے پہلے لا مذہب تو اس بات کا داویلا کرتے رہے کہ کلام اللہ اور کلام رسول کے علاوہ کسی تیسری چیز کی دین میں ضرورت نہیں، حتیٰ کہ بغیر وحی کے خود رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں ہے اور آج کل کے اہلحدیث کہلوانے والے کہتے ہیں کہ قرآن، حدیث، اجماع اور اجتہاد یعنی اولہ اربعہ حجت ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے مذہب میں کبھی تو سوائے قرآن اور حدیث کے کچھ بھی حجت نہیں ہوتا اور کبھی ضرورت پڑنے پر اجماع اور اجتہاد سے بھی کام چلا لیتے ہیں گویا جیسا دلیس ویسا بھیس۔



راقم الحروف نے براہین رضوی میں لکھا تھا کہ:

”۔۔۔ مگر یہ لامذہب وقت پڑنے پر اجماع، اجتہاد اور قیاس کو بھی دلیل تسلیم کرتا ہے۔ وہابیوں! دیکھنا کہیں یہ تم میں ”آدھا تیترا آدھا بٹیر“ تو پیدا نہیں ہو گیا؟۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا کوئی مذہب نہیں ہے، ان کے بڑے کچھ کہتے اور لکھتے رہے، یہ آج کچھ اور کہہ اور لکھ رہے ہیں۔ مگر یہ بات قابل افسوس نہیں، کیوں کہ یہ وہ گروہ ہے جو شہر بدلنے سے اپنا مسلک بدل لیتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو ملک بدلنے سے، زمانہ بدلنے سے، حکومت بدلنے سے نظریات تبدیل کر لیتا ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:

مولوی عبداللہ خانپوری نے ایک کتاب ”تذکرہ علمائے خانپور“ لکھی جس میں اس نے اپنے لامذہب مولویوں کے تذکرے لکھے ہیں، اس میں وہ قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن م ۱۹۲۸ کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ: (قاضی عبدالاحد) ”شہر کی مختلف مساجد میں نماز کے لئے جاتے اور جو کچھ وہاں دیکھتے وہاں کے امام سے چند سوالات کر کے اسے راہ پر لے آتے، اس غرض کے لئے مساجد احناف میں وہ آمین بالجہر اور رفع الیدین بھی نہ کرتے تھے۔“ (تذکرہ علمائے خانپور ۳۸، المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

راقم الحروف نے تو اس لئے لامذہب لکھا کہ ان کا کوئی مذہب و اصول نہیں، جب چاہا جس نے چاہا اپنا مذہب و اصول قائم کر لیا، جیسا کہ رفع الیدین کے بارے میں ان کے نظریات و خیالات سے اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ کبھی نماز میں رفع الیدین مستحب، کبھی سنت اور کبھی فرض، کبھی کرنے اور نہ کرنے سے نماز میں فرق نہ آئے، کبھی نہ کرنے سے نماز ہی نہ ہو، ان ہیرا پھیریوں کی وجہ سے راقم الحروف نے لامذہب لکھا تھا۔

پس علیزئی کا راقم الحروف کو اس وجہ سے لامذہب لکھنا نہ صرف جھوٹ بلکہ بیجا بہتان بھی

ہے۔

ثانیاً: ”گیارہ سوالات کے جوابات کیوں نہ دیے گئے“

☆ اس کے متعلق بھی راقم الحروف نے براہین رضوی میں پہلے ہی علیزئی کے مطالبہ کہ ”وہ ہمارے سوالات مکمل (بغیر کسی تبدیلی کے) نقل کر کے ان کے جوابات بھیجیں“ کے جواب میں ذکر کر دیا تھا، اگر پہلے نظر نہیں آیا تو اب دیکھ لیں: ”ایک لامذہب و بے اصول انسان کی باتوں میں تبدیلی کا تو وہ سوچیں جن کے پاس کوئی مذہب و اصول نہ ہو۔

الحمد للہ! ہم تو مذہب و اصول والے ہیں، اپنے مذہب و اصول کی پاسبانی کرنے کی خدائے بزرگ و برتر نے توفیق و ہمت عطا فرمائی ہے، جو کسی کے اصول سے واقف ہی نہ ہو، اور بے بنیاد اٹکل پچو لگانے میں ہی مصروف رہتا ہو، اس کی باتوں کی طرف توجہ کرنا کوئی دانائی نہیں۔

اگر ہمارے سوالات کے جوابات دینے کا اتنا ہی شوق ہے تو پہلے ہمارے اصول پڑھو، پھر ہم سے سوال کرو، پھر دیکھ تجھے کیسے جواب ملتے ہیں۔ ہم نے تو تمہارے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق سوالات کئے تھے جن کے جواب ابھی تک ان شرائط کے مطابق نہیں دیے جاسکے، جو سوالات کے ساتھ مذکور نہیں اور قیامت تک نہیں دیے جاسکیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔ (دیکھئے: براہین رضوی ۶، ۷)

اور تمہاری طرف سے آنے والے جواب نے اہل علم پر واضح کر دیا ہے کہ غیر مقلدان مسائل کا جواب دینے میں نہ صرف بے بس ہیں بلکہ یتیم بھی ہیں۔

ثالثاً: سوال نمبر آٹھ کا جواب کیوں لکھا گیا؟ اور باقی کو ترک کیوں کر دیا گیا؟

اس بارے میں بھی براہین رضوی میں لکھ دیا گیا تھا۔



جناب کی نظر اگر اتنی ہی کمزور ہو گئی ہے تو ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں گوجرانوالہ میں آنکھوں کی بیماریوں کے علاج کے لئے کافی عرصہ سے ایک مراد ہسپتال بنایا گیا ہے وہاں پر ہی داخل ہو کر اپنی آنکھوں کا علاج کروالیجئے، پھر شاید براہین رضوی پڑھیں تو ہماری مراد کو پہنچ جائیں، ہم براہین رضوی سے ہی دوبارہ نقل کر رہے ہیں، دیکھ لیں:

”خامساً: آگے جناب علیزئی نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ایک تہمت وافتراء لگاتے ہوئے لکھا کہ اس کا جواب دیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد انہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میرے باقی سوالات تو فضول ہیں صرف یہ ایک سوال ہے جو شاید ان کے لئے بہت بھاری ہے اور اس کا جواب نہیں بن پڑے گا۔

علیزئی صاحب نے لکھا ہے کہ: ”احمد رضا خان بریلوی نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا، جس کا باحوالہ ذکر اہل حدیث سوال نمبر ۸ میں موجود ہے اس کا جواب دیں اور اپنے نومولود رضا خانی فرقتے کے امام کو کذب وافتراء کی جرح سے بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

اگر زندہ ہیں تو جواب دیں! (ارشوال ۱۳۳۱ھ، ۱۱ ستمبر ۲۰۱۰ء)

اولاً: ﴿لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ اے کذاب و مفتری! کیا تم جانتے نہیں کہ کسی انسان پر تہمت لگانا کتنا بڑا جرم ہے؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو اللہ رب العزت پر کوئی جھوٹ بولا ہے اور نہ ہی ان کا یہ بیان کرنا ذاتی ہے، بلکہ آپ نے تو جمادات و نباتات میں اطاعت و معصیت کے مادہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جمادات و نباتات میں بھی معصیت کا مادہ پایا جاتا ہے، اور اس پر آپ نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جو کہ نہ تو جھوٹ ہے اور نہ ہی آپ کا ذاتی بیان، جیسا کہ آگے اس کے بارے میں ذکر ہوگا، ان شاء اللہ العزیز۔

(دیکھئے: براہین رضوی صفحہ ۹)

ہم نے تو اس کا جواب دے کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر تمہاری طرف سے عائد کئے گئے الزام کا جواب دے دیا تھا جس کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تو اس سے بری قرار پا گئی، مگر تم اپنے اور اپنے بزرگ پر سے جب کذب کی جرح کا جواب دو گے تو دنیا دیکھے گی اور اہل دنیا پر تم دونوں میں سے ایک کا کذاب ہونا واضح بھی ہو جائے گا، پس یا تو خالد گر جاکھی کذاب بنے گا یا علیزئی، اب دیکھنا تو یہی ہے کہ علیزئی صاحب اپنے آپ کو کذاب شمار کرتے ہیں یا اپنے بزرگ خالد گر جاکھی کو؟

گیارہویں کا دودھ اہل اسلام ایصالِ ثواب کی غرض سے رکھتے ہیں جس سے ان کی غرض صرف اور صرف ایصالِ ثواب کی ہوتی ہے اور ایصالِ ثواب کے لئے وقف شدہ چیز کا استعمال کرنا ناجائز نہیں جیسا کہ صحابی رسول ﷺ نے اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کی خاطر پانی کا کنواں وقف کیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس سے پیتے رہے۔

مگر قبلہ مناظر اسلام کی طرف سے عائد کردہ شرائط کو، جواب دیتے ہوئے تم نے فطرانہ (جو تمہارے نام نہاد جہادی لامذہب جمع کرتے اور کھا جاتے ہیں) سمجھ کر ہضم کیا تھا؟

رابعاً: ”مناظر اسلام مدظلہ العالی نے خود علیزئی کا جواب کیوں نہ لکھا“۔

قبلہ مناظر اسلام مدظلہ العالی نے تمہاری طرح ٹاک ٹوئیاں مار کر اور اصل مطالبات سے راہ فرار حاصل کر کے چند اوراق سیاہ کرنے والوں کو پہلے ہی جواب دے دیا تھا اور جو تم نے لکھا اس میں کوئی خاص نئی باتیں تو تھی نہیں کہ وہ ان کا جواب دیتے، اگر تمہیں اپنی طرف سے کئے جانے والے سوالات سے مطلب ہے تو وہ اس وقت تک تمہاری طرف سے فضول مطالبہ ہے جب تک قبلہ مناظر اسلام مدظلہ العالی کے سوالات کے جوابات ان کی عائد کردہ



شرائط (جو تہارے ہی لاندہب بھائی قائم کرتے رہتے تھے اور ہیں) کے مطابق تم نہیں دے سکتے، جب تم سے ان کے سوالات کے جوابات ہی نہیں بن پڑے تو تمہارا شور مچانا ہی بے بنیاد ہے، پس پہلے اپنے اور لاندہبوں پر چڑھنے والا قرض تو اتار لو، پھر مطالبات بھی کر لینا، مگر وہ نہ تم سے اتر سکا اور نہ ہی کسی لاندہب سے اتر سکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

علیزؑ لکھتا ہے کہ: ”رضا خانی نے راقم الحروف اور اہل حدیث یعنی اہل سنت کو جن رضا خانی گالیوں سے نوازا ہے، اس کی ہلکی سی جھلک درج ذیل ہے:

۱: اے نومولود مفتری! (براہین رضوی ص ۳)۔ (الحدیث شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۲۹)

جواب: اولاً: ”اہل حدیث یعنی اہل سنت“ اس کے متعلق تو راقم نے براہین رضوی میں صفحہ ۱۰ پر واضح کر دیا تھا کہ برصغیر کے اہلحدیث کہلوانے والے پہلے وہابی ہیں جنہوں نے اپنے لئے اہل حدیث کا نام انگریز سرکار سے الاٹ کروایا ہے، اور اب انہیں اہل سنت کہلوانے کا شوق چرا رہا ہے تو اس کے متعلق ایک کہاوت یاد آگئی جو علیزؑ کی سماعت کی نظر کرتا ہوں:

پہلے ساں جولا ہے، فیر بنے درزی

رڈ کھڑ کے بنے سید، اگے ماں دی مرضی

ثانیاً: علیزؑ صاحب! ”اے نومولود مفتری“ کو جناب نے گالی کیوں سمجھ لیا؟

کیا جناب اس کے حقدار نہیں، آئیے پہلے اس کا معنی دیکھ لیں، اردو لغت کی مشہور کتاب ”فیروز اللغات، ص ۱۳۸۲“ میں ہے ”نوف۔ صف۔ نیا۔ جدید۔ تازہ۔ ابھی کا۔

اور اسی ”فیروز اللغات، ص ۱۳۱۸“ پر ہے: ”مولودع۔ ۱۔ مذہنا ہوا۔ بچہ (۲) پیدائش کا دن (۳) بیٹا۔ لڑکا۔ پسر (۴) وہ مجلس جس میں حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش

کا بیان کیا جائے۔

اور اسی ”فیروز اللغات، ص ۱۲۶۹“ میں ہے: ”مفتری ع۔ صف افترا پرداز۔ الزام رکھنے والا بہتان لگانے والا (۲) شریر۔ مفسد۔ دعا باز۔ فریبی۔

اب مرکب کر لیں تو اس کے معنی بنیں گے (۱) ”نیا جنم لینے والا افترا پرداز“ (۲) ”جدید الزام رکھنے والا بچہ“ (۳) ”تازہ بہتان لگانے والا بیٹا“ وغیرہم۔

پہلے معنی کے لحاظ سے: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر پہلے بھی کئی لاندہب الزام تراشیاں کرتے رہے ہیں، جن کے جواب الحمد للہ اہل سنت و جماعت کے علماء نے اپنی تصانیف میں دے دیے، اب نئے دور میں جناب نے جنم لیا اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر الزام لگایا کہ ”احمد رضا خان بریلوی نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا“

(دیکھئے الحدیث / شوال ۱۴۳۱ھ، ۱۱ ستمبر ۲۰۱۰ء، اور براہین رضوی صفحہ ۹)

جس کے بارے میں براہین رضوی کے صفحہ ۹ پر وضاحت کی گئی ہے کہ:

”اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو اللہ رب العزت پر کوئی جھوٹ بولا ہے اور نہ ہی ان کا یہ بیان کرنا ذاتی ہے، بلکہ آپ نے توحیدات و نباتات میں اطاعت و معصیت کے مادہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جمادات و نباتات میں بھی معصیت کا مادہ پایا جاتا ہے، اور اس پر آپ نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جو کہ نہ تو جھوٹ ہے اور نہ ہی آپ کا ذاتی بیان، جیسا کہ آگے اس کے بارے میں ذکر ہوگا، ان شاء اللہ العزیز۔“

(دیکھئے براہین رضوی صفحہ ۹)

ضرورت پڑنے پر دوسرے معنی کے مطابق بھی وضاحت کر دیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

آگے علیزؑ لکھتا ہے کہ: ”۲: ”تم اہل خبیثوں کی گستاخیوں اور۔۔۔“ (ص ۴)



(الحديث شماره نبر: ۸۶ صفر ۲۹)

**جواب:** علیزئی سمجھتا ہے کہ میں اہل حدیث ہوں اور علیزئی پاکستان کے علاقہ حضروانک میں مقیم ہے اور پاکستان میں رہ کر اہل حدیث کھلوانے والے پہلے لوگوں کو اسے اپنا بزرگ و اکابر بھی تسلیم کرنا ہوگا اگر کسی ایک آدھ سے جان چھڑا بھی لے تو کوئی بات نہیں بنے گی، پوری جمعیت سے تو ہاتھ نہیں دھو سکے گا، لامحالہ وہی اس کے بزرگ و اکابر قرار پائیں گے۔ ان کی جمعیت نے ایک کتاب شائع کی، جس کا نام رکھا گیا ”تقویۃ الایمان“ اس کی اشاعت و ترویج بھی کی گئی، پس جب وہ کتاب جمعیت کی طرف سے شائع ہو رہی ہے تو اس کی ذمہ دار جمعیت ہی قرار پائے گی، اس کتاب کے بارے میں علیزئی بتائے اس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی گستاخیاں ہیں یا نہیں؟، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام و اولیاء کرام رحمہم اللہ کی گستاخی کرنے والا کون ہے؟ اس بارے میں انہی کے بزرگ لکھتے ہیں کہ:

”سنو! ہم محمدی الہمدیث (یعنی برصغیر پاک و ہند کے وہابی) اس شخص کو ابلیس جیسا کافر جانتے ہیں جو کسی نبی اور ولی کی توہین تنقیص اور مذمت کرے۔“

(توحید محمدی، ص ۷۶، مصنف: محمد جوگڑھی)

پس جب گستاخ ابلیس جیسا کافر ہے اور قرآن مجید نے کافر و مشرک کو نجس کہا ہے ﴿انما المشرکون نجس۔۔۔ الآية﴾ اور نجس کا معنی ”گندہ۔ ناپاک۔ پلید“ ہے اور ”خبیث“ کا معنی بھی ”ناپاک پلید۔ گندہ“ ہے، لہذا اگر اہل الحروف نے یہ لکھا تھا تو اس میں بھی شک نہیں کہ گستاخ خبیث ہوتا ہے اور اس کتاب ”تقویۃ الایمان“ کو شائع کرنے والے اس کے مصنف کے ہمنوا ہوئے اور وہی لوگ زبیر کے بزرگ و اکابر ہیں، لہذا اگر علیزئی کو راقم

الحروف نے اس کے بزرگوں کے ساتھ ملا دیا ہے تو اس میں سیخ پا ہونے والی تو کوئی بات نہیں تھی۔

آئیے واضح کر دوں کہ برصغیر پاک و ہند میں موجودہ نام نہاد تحریک الہمدیث اسی شاہ اسماعیل کی تحریک ہے، ہفت روزہ الہمدیث کا مدیر اعلیٰ بشیر انصاری اپنی ایک تحریر میں لکھتا ہے کہ:

”سید اسماعیل شہید اور ان کے رفقاء مجاہدین کا شمار اس گروہ حقانی میں سرفہرست ہے ان کی عظیم الشان تحریک جہاد نے انسانوں پر انسانوں کی حکمرانی کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو بیدار کیا اور بیک وقت انگریزوں اور سکھوں کے خلاف برسر پیکار رہے۔ جس کے نتیجے میں اسلام کا پرچم بلند ہوا اور کتاب و سنت کی حقیقی حکمرانی کے نظام کی راہیں استوار ہوئیں۔ ان کی تحریک جہاد، تحریک اہل حدیث کی شکل میں آج بھی قائم و دائم ہے اور ہمیشہ رہے گی۔“

(تحریک اہل حدیث، افکار و خدمات صفحہ ۲۱، ناشر: مرکزی جمعیت الہمدیث پاکستان)

پس واضح ہو گیا کہ موجودہ دور کے وہابیوں، لاندہیوں، نام نہاد الہمدیثوں کی تحریک کا برصغیر پاک و ہند میں بانی اسی کتاب تقویۃ الایمان کا مصنف شاہ اسماعیل ہے۔

اب علیزئی اپنے لفظوں کے مطابق فیصلہ کرے کہ جس تحریک کا بانی گستاخ ہے اُس تحریک کے دوسرے لوگوں کی حالت کیسی ہوگی؟۔

علیزئی نے ”امین اوکاڑوی (دیوبندی) کا تعاقب“ نامی اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ: ”مذہب اوکاڑوی باطل ہے کیونکہ مذہب کا بانی ہی یہ اعتراف خود کذب کا گنہ گار ہے تو اس مذہب کا کیا انجام ہوگا؟۔“ (امین اوکاڑوی کا تعاقب صفحہ ۱۴، نعمان پبلیکیشنز)



پس جس تحریک و جمعیت اور مسلک کا بانی ہی گستاخ ہو تو اس تحریک و جمعیت اور مسلک کا کیا حال ہوگا؟

تیسری گالی کا ذکر کرتے ہوئے علیزئی لکھتا ہے کہ: ”۳: ۱“ اے مرقی!“

(الحدیث شمارہ ۸۶ صفحہ ۲۹)

**جواب:** راقم الحروف کا ”۱ اے مرقی“ لکھنا بھی علیزئی نے گالی سمجھا تو اس کی مرضی۔ راقم الحروف نے یہ لفظ بھی خلاف واقعہ نہیں لکھا تھا کیونکہ مرقی کا معنی ہے ”جنونی۔ جو جنون میں مبتلا ہو“۔ مرقی وہ مرض ہے جس کو عام طور پر ہم مانجھو لیا یا سودا کہتے ہیں۔ علیزئی میں یہ مرض پایا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک ہی روایت کے بارے میں کبھی کچھ کہتا اور کبھی کچھ کہتا ہے، ملاحظہ ہو: ایک لاندہب ڈاکٹر شفیق الرحمن کی ایک کتاب جس کا نام ہے ”نماز نبوی ﷺ“ جس پر تحقیق و تخریج علیزئی نے کی ہے، اس میں نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی ابن خزیمہ کی روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ: ”ابن خزیمہ ۱/۲۴۳ حدیث ۲۷۹“ اسے امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔“

(نماز نبوی ﷺ، صفحہ ۱۴۴ حاشیہ نمبر ۵، ناشر: دار السلام، اور دوسرا نسخہ: صفحہ ۱۱۷، شعبہ نشر و اشاعت: اہل حدیث یوتھ فورس پاکستان، لاہور)

اولاً: تو علیزئی کا یہ کہنا کہ اس کو امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے بالکل جھوٹ ہے، اگر علیزئی صاحب یہ کہیں کہ امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں اس کو بیان کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی اس لئے میں نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے، تو علیزئی صاحب کیا امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح میں وارد تمام روایات جن پر اپنی صحیح میں انہوں نے کوئی جرح نہیں کی ان کو امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح تسلیم

کرتے ہیں اور ان کی تصحیح قبول کرتے ہیں؟۔

نہیں، کیونکہ آپ خود اس کے قائل نہیں مگر یہاں مسلک کا معاملہ تھا اس لئے جھوٹ بول کر ان کی طرف اس کی تصحیح کو منسوب کر دیا کہ امام ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اگر یہ روایت واقعاً صحیح تھی، تو علیزئی صاحب قبلہ مناظر اسلام مدظلہ العالی کے سوالات کے جواب میں ایک غیر صریح اور دوسری جو خود ان کے نزدیک حسن تھی وہ روایت پیش نہ کرتے۔ علیزئی کا ابن خزیمہ کی اس روایت کو پیش نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے ورنہ وہ اسے ہی پیش کر کے جان چھڑا لیتے۔

ثانیاً: ابن خزیمہ کی اس روایت کی سند میں امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں اور اس روایت کو وہ صیغہ عن کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اور امام سفیان ثوری کی غیر صحیحین روایات صیغہ عن سے علیزئی کے نزدیک ضعیف ہوتی ہیں جس پر علیزئی کی ”نور العینین“ وغیرہ کتب گواہ ہیں یہاں مسلکی حمایت کا مسئلہ تھا اس لئے جھوٹ بول کر اسے امام ابن خزیمہ سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی اور جہاں مسلک کے خلاف روایت آئی وہاں سفیان ثوری کے صیغہ عن کی وجہ سے ہی ضعیف و مردود قرار دے دیا، کیا یہ مسلکی سودائیت اور مانجھو لیے کی علامت نہیں؟۔

ثالثاً: علیزئی کی تحریروں کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اگر اسے مسلک کی مخالفت میں کسی کتاب کے کسی راوی کے حالات توثیق نہ ملیں تو وہ پوری کتاب کو ہی ضعیف و باطل قرار دے دیتا ہے، مگر مسلکی حمایت میں اس نے ”عبادات میں بدعات“ میں ”البدع والنہی عنہا“ جو کہ محمد بن وضاح کی طرف منسوب ہے کے حوالہ سے روایات کو صحیح قرار دیا، جبکہ اس کتاب کو محمد بن وضاح سے روایت کرنے والے ”اصبغ بن مالک“ کے حالات



توثیق ہی نامعلوم ہیں، کیا یہ باتیں مسلکی سودائیت کا باعث نہیں؟۔

بقول علیرزئی چوتھی گالی ہے کہ: ”۴: ”تجھ جیسے نابکار، جاہل مطلق“ (ص ۶)۔“

(الحدیث، شمارہ ۸۶ صفحہ ۲۹)

اولاً: اردو لغت کی مشہور و معروف کتاب ”فیروز اللغات، ۱۳۳۵ھ“ پر ”نابکار“ کا معنی بیان کیا گیا ہے کہ ”نابکار۔ ف۔ صف (۱) نکما۔ بے فائدہ۔ بے کار (۲) بد ذات۔ نالائق۔ شریر۔ بدکار (۳) نازیبا۔ خراب۔ بے ہودہ“۔

راقم الحروف ایک ایک لفظ کی تشریح کرنے کی بجائے غیر مقلدین کے ہی ایک عالم عبد الرؤف بن عبد الحنان سندھو صاحب کی ایک عبارت نقل کرتا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ میرا یہ لکھنا ان کے اپنے لوگوں کی ہی ترجمانی ہے اور ان کے اپنے ہی علیرزئی صاحب کو یہی کچھ سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر شفیق الرحمن کی ہی کتاب ”نماز نبوی ﷺ“ کے متعلق لکھا ہے کہ:

”ڈاکٹر صاحب نے اس ایڈیشن کے ابتدائی (مکتبہ التوحید۔ بلال سٹریٹ ملتان روڈ لاہور) میں صحت احادیث کے سلسلے میں جن کتب پر اعتماد کیا تھا ان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا۔ الحمد للہ اس کتاب کی ترتیب میں کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحیحہ سے مدد لی جائے۔ احادیث کی صحت کے لئے علامہ ناصر الدین البانی۔ حفظہ اللہ۔ اور محترم عبد الرؤف سندھو خریج الجامعة الاسلامیہ مدینہ منورہ کی ”تحقیق و تخریج صلوٰۃ الرسول“ پر اعتماد کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو۔ (ص: ۹)۔ مگر جب یہی کتاب دار السلام سے زبیر صاحب کی تخریج سے شائع ہوئی تو اس سے شیخ البانی۔ رحمہ اللہ۔ کا نام غائب ہو گیا۔ ملاحظہ ہو (ص: ۱۷)۔

اور یہ کام ڈاکٹر صاحب کا نہیں بلکہ زبیر صاحب کا ہے کیونکہ موصوف نے

اس کتاب کے اپنے ”مقدمہ التحقیق“ میں موضوع نماز سے متعلق جن کتب میں ضعیف روایات پائی جاتی ہیں ان میں سے متعدد کتب کا ذکر کرتے ہوئے شیخ۔ رحمہ اللہ۔ کی کتاب ”صفۃ صلوٰۃ النبی ﷺ“ کا ذکر بھی کیا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ امر مستحسن نہیں کیونکہ کچھ اوہام یا اغلاط کی بناء پر کسی عالم یا اس کی کتاب کو غیر معتمد ٹھہرا دیا جائے تو پھر ہمیں بڑے بڑے ائمہ اور محدثین کو خیر باد کہنا پڑے گا کیونکہ اوہام اور اغلاط سے کوئی بشر بھی مبرا نہیں چنانچہ موصوف کے بھی بڑے عجیب و غریب اوہام اور اغلاط ہیں ان اوہام اور اغلاط کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔۔۔ آگے مثال ذکر کی گئی ہے۔۔۔

(احناف کی چند کتب پر ایک نظر مرسالہ (فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال از ابو مسعود سلطی) کی تحقیق، حاشیہ صفحہ ۵۵، ۶، دار الاشاعت اشرفیہ سندھو۔ قصور)

سندھو صاحب کے بقول زبیر صاحب نے ڈاکٹر شفیق الرحمن کی کتاب پر بقیہ قبیح اور گھٹیا کاموں کے ساتھ ایک کام ہاتھ کی صفائی کا یہ بھی کیا کہ اس کے لکھے ہوئے الفاظ غائب کر دیئے، اب ہم اور تو کچھ نہیں کہتے صرف یہ ہی کہتے ہیں کہ ایسا کام کرنے والے کو، خائن، بد ذات، شریر، بدکار کہنے میں کوئی حرج تو نہیں ہوگا؟۔

اور جس کا کام اس کے اپنوں کے نزدیک مستحسن نہ ہو اسے نکما، بے فائدہ، بے کار کہہ دیا جائے تو اس میں کون سی خرابی واقع ہو جاتی ہے جو علیرزئی صاحب لال پیلے ہو گئے اور اس کو اپنے لئے گالی سمجھ لیا؟۔

ثانیاً: ”جاہل مطلق“۔ اردو لغت کی کتاب ”فیروز اللغات، ص ۳۳۸ پر ”جاہل ع۔ صف

(۱) ان پڑھ۔ ناخواندہ (۲) وحشی۔ اجڈ۔ بد اخلاق۔ بے ادب گستاخ۔ نادان۔ اناڑی

(۴) ناواقف۔ بے خبر۔ انجان۔ اور صفحہ ۱۲۵۹ پر ”مطلق ع۔ صف آزاد۔ بے قید (۲)



بالکل۔ قطعی جیسے آزاد مطلق۔۔۔“

نرم الفاظ کے ساتھ، ایسے شخص کے لئے جاہل مطلق کا مرکب استعمال کیا جاسکتا ہے جو بالکل ناواقف ہو، راقم الحروف نے زیر صاحب کو اگر جاہل مطلق لکھا ہے تو اس میں بھی مبالغہ نہیں بلکہ درست لکھا کیوں کہ علیزئی صاحب اولہ اربعہ کو دلیل کہتے ہیں جبکہ ان کے بزرگوں کے نزدیک جیسا کہ ذکر ہوا صرف دو ہی دلیلیں ہیں اب دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو علیزئی صاحب اپنے بزرگوں کے اصولوں سے بالکل واقف ہی نہیں کہ اولہ اربعہ کو دلیل بنا رہے ہیں یا پھر ایسے بے ادب شتر بے مہار ہیں کہ اپنے بزرگوں کو ہی جھٹلانے کے درپے ہیں۔

بقول علیزئی گالی نمبر 5 ہے کہ: ”۵: ”آپ جناب جیسے جنم جنم کے ڈرپوک گیدڑ“ (ص ۷) (الحديث، شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۲۹)

**جواب:** علیزئی صاحب! براہین رضوی کو اگر آپ نے مکمل پڑھا تھا تو آپ کو علم ہو جانا چاہئے تھا کہ اسے لکھنے والا کوئی آپ کا بھتیجی ہے اور جاننے والوں سے چھپنا مشکل ہی ہوتا ہے۔

راقم الحروف نے تو واضح لکھا تھا کہ: ”جناب کی یاد دہانی کے لئے عرض ہے کہ سرزمین گوجرانوالہ میں جناب اپنی جماعت کے مناظر طالب۔۔۔ شاہ کے ساتھ جب اپنی تحقیق ظاہر کرنے تشریف لائے تھے تو یہی شخصیت تھی جس نے جناب کو کہا تھا کہ پیچھے سے مشورہ دینے کی بجائے خود مناظر بن کر سامنے آئیے مگر اس وقت جناب کو کیا ہوا تھا؟

شاید جناب کو سانپ سوگ گیا تھا ویسے حاضرین تو جناب کے چہرے کی رنگت کے بدل جانے سے ہی جان گئے تھے۔ یہ وہی شخصیت تھی جن کے سوالوں کے جوابات نہ بن پڑنے پر جناب من اور جناب کی جماعت کے مناظر مع معاونین، اس شخصیت کے نماز پڑھنے کے

دوران۔۔۔ دم دبا کر بھاگ گئے تھے۔ اگر یادداشت ساتھ نہ دے تو آج بھی مناظرہ

وسیلہ کے کیسٹ منگوا کر یادداشت کو تازہ کر لیجئے۔ (براہین رضوی، ص ۲۸-۲۹)

جناب! ہمیں علم ہے آپ نے گوجرانوالہ میں شیخ سرور صاحب اور ان کے پسری وجہ سے مسئلہ وسیلہ پر ہونے والے مناظرہ میں کیا کردار ادا کیا تھا، وہاں تو جناب کی مٹی گم ہوئی تھی، دن کو تارے نظر آ گئے تھے اور ساری علییت دھری کی دھری رہ گئی تھی، اور گوجرانوالہ سے ایسے غائب ہوئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ پس جب جناب محدث نجدیاں نے انہی کو جن کے سامنے رکنے کی جناب من بلکہ دامن ہمت نہ کر سکے، بزدلی کا طعنہ دیا اور مرد میدان بننے کا مشورہ دیا تو اس کے علاوہ کیا کہا جاتا؟ یہ صفت گیڈر میں بھی پائی جاتی ہے کہ جب تنہا ہو یا اپنے ٹھکانے پر ہو تو بہت بہادری جیسی حرکتیں کرتا ہے مگر جب کبھی کسی بہادر سے پالا پڑے مرد میدان بننے کی بجائے حضروں میں بیٹھ کر بڑھکیں مارتا اور شیخیاں بگھیرتا نظر آتا ہے۔

علیزئی نے چھٹی گالی کا انتخاب کرتے لکھا ہے کہ: ”۶: ”اے کذاب و مفتری!“ (۹)۔

(الحديث، شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۲۹)

اس کے متعلق ذکر ہو چکا۔

علیزئی نے ساتویں گالی شمار کرتے لکھا کہ: ”۷: ”اے مختل الحواس!“ (ص ۷) وغیر ذلک

(الحديث، شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۲۹)

”فیروز اللغات، ص ۱۲۱۶“ پر ہے کہ: ”مختل الحواس ع۔ صف حواس باختمہ۔ مخبوط الحواس۔ وہ شخص جس کے اوسان میں فتور آ گیا ہو۔ فاطر العقل۔“

زیادہ تفصیل کی بجائے صرف اتنا کہتا ہوں کہ جو میدان سے راہ فرار اختیار کر چکا ہو پھر بھی



شہسوار میدان مناظرہ ہونے کے خواب دیکھے تو اسے قتل الحواس نہیں کہا جائے گا تو کیا کہا جائے گا؟۔

علیزئی کے مغبوط الحواس ہونے کی ایک واضح مثال سوال نمبر دو کے تحت ذکر ہوگی، البیضاء اللہ۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”نبی کریم ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے کہ منافق کی چار نشانیاں ہیں: ((واذا خاصم فجر۔)) اور جب جھگڑا کرے تو بدکلامی کرے اور حد سے تجاوز کرے۔ (صحیح بخاری: ۳۳، غلام رسول سعیدی کی نعت الباری ۱/۲۳۵)۔

(الحديث، شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۲۹)

**جواب:** راقم الحروف نے جتنے الفاظ و مرکب علیزئی کے بارے میں لکھے تھے ان کے بالتفصیل جوابات ذکر کر دیئے گئے ہیں جن میں سے کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں جس میں حد سے تجاوز کیا گیا ہو، بلکہ سب الفاظ و مرکبات ایسے ہیں جن کے علیزئی صاحب بدرجہ اتم حق دار اور متمتع یافتہ ہیں، جیسا کہ دلائل کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، پس یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علیزئی کا راقم الحروف کے بارے میں یہ کہنا خود کذب و افتراء ہے، جو ایک منافق کی پکی نشانی ہے جیسا کہ آگے علیزئی نے خود ہی بیان کیا ہے، پس جو الزام علیزئی راقم الحروف کے سر تھوپنا چاہتا تھا وہ خود اسی کے سر پر فٹ آ گیا اور اپنی ہی بیان کردہ دلیل کے تحت علیزئی منافق قرار پایا۔

راقم الحروف نے براہین رضوی میں یہ واضح کر دیا تھا کہ یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نہ تو اپنا دعویٰ ہے اور نہ ہی آپ کا اپنا نظریہ بلکہ آپ نے تو کتب احادیث و تفاسیر میں موجود ایک روایت کا ذکر کیا ہے، جبکہ علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”احمد رضا خان بریلوی کا یہ

دعویٰ ہے کہ شمالی ہوائے اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بانجھ کر دیا۔۔۔

(الحديث شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۳۰)

پس علیزئی کا یہ لکھنا صریح جھوٹ و افتراء ہے۔

الحمد للہ! اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مادہ معصیت و اطاعت کے ذکر میں جو بات بیان فرمائی ہم نے اس کو کتب تفاسیر و احادیث و سیر و غیر ہم سے باحوالہ نقل کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نہ تو یہ جھوٹ ہے اور نہ ہی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی انفرادی بات۔

مگر علیزئی کے استاد محترم بدیع الدین راشدی صاحب جس کو اپنی جماعت کی دعوت کا امام تسلیم کرتے اور لکھتے ہیں اُس محمد بن عبد الوہاب نجدی نے واضح طور پر نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے، ملاحظہ ہو: محمد بن عبد الوہاب نجدی نے ایک کتاب بنام ”کتاب التوحید“ لکھی اور اس کے باب ”ما جاء في الذبح لغير الله“ میں چڑھاوا چڑھانے کی مذمت میں ایک روایت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے طارق بن شہاب کی روایت سے نقل کی اور اس کو مرفوع بیان کیا، یعنی طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص صرف مکھی کی وجہ سے جنت میں جا پہنچا اور ایک جہنم میں چلا گیا۔۔۔ الخ۔

(دیکھئے کتاب التوحید، مترجم، ص ۱۰۴ تا ۱۰۷، ترجمہ: عطاء اللہ ثاقب غیر مقلد، دہلی، لا ندہ ب)

اس محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بارے میں زئی کے استاد محترم بدیع الدین راشدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”شیخ الاسلام والمسلمین، علم العلماء المجاہدین، امام دعوت السلفیہ۔۔۔ محمد بن عبد الوہاب

۔۔۔ (مقدمہ مدایہ المستقیم ص ۷۹)



یاد رہے کہ یہی روایت پاکستانی وہابیوں کے شیخ الحدیث یحییٰ گوندلوی نے اپنی کتاب بنام ”عقیدہ مسلم“ کے صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶ پر بھی نقل کی ہے۔

پس راشدی صاحب کے الفاظ سے واضح ہوا کہ پاکستانی و ہندستانی وہابی، نام نہاد اہلحدیث، جس سلفی منہج کی بات کرتے ہیں اس کا امام اسی محمد بن عبدالوہاب نجدی کو سمجھتے ہیں۔

اب ان کا امام مذکورہ بالا روایت کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر رہا ہے جو کہ صریح ترین جھوٹ ہے، اگر علیزئی اور اس کے ہمنوا نام نہاد اہل حدیثوں، سلفیوں، وہابیوں، نجدیوں میں ہمت ہے تو اس کا فرمان رسول اللہ ﷺ ہونا ثابت کریں، نہیں تو تسلیم کریں کہ جس دعوت کے وہ مدعی ہیں اس میں ان کا امام جھوٹا ہے اور جس دعوت کے مدعیوں کا امام ایسا ہے ان کا اپنا حال کیا ہوگا؟۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ:

”چشتی کے لقب سے ملقب رضا خانی لاندہب نے سابقہ اکاذیب و افتراءات کی طرح مزید کذب و افتراء اور بہتان سے بھی کام لیا ہے مثلاً: ۱: ”اے مفرورجو جرنوالہ!“ (۳)۔ ۲: ”موقوف تو جناب کے ہاں قابل حجت ہی نہیں۔“ (۳۳)۔ اور منافق کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ (الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۳۰)

جواب: اولاً: علیزئی کا یہ کہنا کہ ”سابقہ اکاذیب و افتراءات کی طرح“ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے، اس کی حقیقت تو قارئین کو پچھلے اوراق میں بیان کردہ حقائق سے ہوگئی ہوگی اور یہ بھی علم ہو گیا ہوگا کہ اپنے اس قول کے مطابق علیزئی منافق قرار پا چکا۔

ثانیاً: علیزئی کا لکھنا کہ ”مزید کذب و افتراء اور بہتان سے بھی کام لیا ہے مثلاً: ۱: ”اے مفرورجو جرنوالہ۔“ علیزئی کا خیال یہ ہے کہ راقم الحروف کا اسے گوجرانوالہ کا مفرورجو قرار دینا

کذب و افتراء اور بہتان ہے۔

علیزئی صاحب! میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ یہ الفاظ لکھتے وقت تمہارے ضمیر نے تمہیں ضرور جھنجھوڑا ہوگا کہ اے منافق! یہ الفاظ نہ لکھ۔ اور مناظرہ وسیلہ سے فرار ہونے کا منظر بھی تمہاری آنکھوں کے سامنے آ گیا ہوگا، مگر تیرے قلم نے کہہ دیا ہوگا کہ علیزئی! کوئی بات نہیں، لکھ دے، تو چل ہی اس راہ پر رہا ہے، تیرا کام ہی یہی ہے کہ غیر مقلدوں، نام نہاد سلفیوں، نجدیوں، وہابیوں کے بدنما، گستاخیوں سے داغ دار چہرہ کو چودھویں کا چاند کہے۔

علیزئی صاحب! راقم الحروف نے تو براہین رضوی میں یہ الفاظ لکھنے سے پہلے لکھا تھا کہ: ”اے نومولود مفتری! محمد عباس رضوی صاحب کوئی مجہول شخص نہیں بلکہ اہل سنت کے ایک مشہور و معروف عالم دین ہیں براہین رضوی میں عبارت یوں تھی ”بلکہ ایک معروف و مشہور اہل سنت عالم دین ہیں“ جن کے سامنے سے تو اور تیرا مناظر طالب۔۔۔ یوں غائب ہوئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ (ص ۳)

اور اس کے بعد لکھا تھا کہ: ”اے تخیل الحواس! کیا گوجرانوالہ کی سرزمین سے دُم دبا کر اپنی ننھی سی جان بچانا: ول گئے کہ اب مرو میدان بننے کی باتیں جناب کو یاد آ گئیں؟ (ص ۷) اگر ابھی تک تمہیں یاد نہ آیا ہو اور تیری یادداشت ختم ہو چکی ہو تو اپنے مناظر سے پوچھنا اور وہ بھی نہ بتائے یا اس کے بتانے سے بھی تجھے یاد نہ آئے تو ”ادارہ رضائے مصطفیٰ، چوک دار السلام گوجرانوالہ“ سے آڈیو کیسٹ منگوا کر یادداشت کو تازہ کر لینا اگر پھر بھی کوئی شک رہ جائے تو اس مناظرے میں مقرر منصف پیر جی مشتاق شاہ دیوبندی سے معلوم کرنا تمہارے سب ہوش ٹھکانے آ جائیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

ثالثاً: ”موقوفات کا حجت ہونا“ اس بارے میں ایک حوالہ تو پیچھے ذکر ہو چکا اور اپنے امام



العصر جو ناگزہی کے دوسرے اقوال بھی جناب پڑھ چکے، لیجئے! خاص موقوف روایت کے بارے میں بھی ان کا قول پڑھئے، لکھا ہے کہ:

”یاد رکھو اگر یہ روایت ثابت بھی ہو جائے جب بھی حجت نہیں کیونکہ موقوف ہے۔“

(محمدیات حصہ اول، درود محمدی، صفحہ ۶۵ مکتبہ محمدیہ چک R-7/109 چیچہ وطنی، ساہیوال)

مزید پڑھو! جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ کے سابقہ شیخ الحدیث، مفتی اعظم، شیخ النکل فی النکل ابوالبرکات احمد نے لکھا کہ:

”یوں بھی صحابی کا عمل ہے بہر حال اس سے استدلال نہیں ہو سکتا“

(فتاویٰ برکاتیہ، ص ۴۴، مؤلف و ناشر: محمد یحییٰ طاہر)

ایک ایک کا حوالہ ذکر کرنے کی بجائے ہم جناب کے امام المناظرین اور سردار اہلحدیث سے جناب کے کئی بزرگوں کے حوالے یک بارگی نقل کر دیتے ہیں، پڑھئے! اور بتائیے یہ آپ کے ہیں یا نہیں؟

کیا یہ وہابیوں کے بزرگ ہیں یا کہ نہیں؟

کیا یہ تم جیسے لامذہبوں کے اکابر ہیں یا نہیں؟

آپ کے ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نے لکھا ہے کہ:

”میر اندہب اور عقیدہ یہ ہے کہ میں خدا، رسول کے کلام کو سند اور حجت شرعیہ مانتا ہوں۔ ان کے سوا کسی ایک یا کئی اشخاص کا قول یا فعل حجت شرعیہ نہیں جانتا۔۔۔ میں نے اہل حدیث کا مذہب یہی سمجھا ہوا ہے میں اپنے اس دعوے پر چند اکابر علماء اہل حدیث کو بطور گواہ پیش کرتا ہوں:

پہلا گواہ: پہلے گواہ چوتھی صدی ہجری کے محدث حافظ ابن حزم ہیں (جس کو جناب کی داؤدی

پارٹی نے اپنا امام تسلیم کیا ہے) جنہوں نے حج اسلامیکو ان لفظوں میں بیان کیا ہے: دیں الاسلام للارام لكل احد لا يؤخذ الا من القرآن أو مما صح عن رسول الله ﷺ اما بروایت جمیع علماء الامۃ عنہ علیہ الصلوۃ والسلام وهو الاجماع واما بنقل جماعة عنہ علیہ الصلوۃ والسلام وهو نقل الکافۃ۔ واما بروایت الثقات واحدا عن واحد حتی يبلغ الیہ علیہ الصلوۃ والسلام ولا مزید۔ (المحلی جلد اول ص ۵۰) [المحلی بالآثار ۱/۷۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعة الثالثة: ۱۴۲۴ھ]

ترجمہ: دین اسلام سوائے قرآن حدیث کے کسی اور چیز سے ماخوذ نہیں نہ صرف اجماع سے نہ محض قیاس سے۔

دوسرے گواہ: وہ بزرگ ہیں جن کی توثیق بالفاظ مولانا محمد حسین بنالوی اور حافظ عبد اللہ روپڑی کتاب ہذا (مظالم روپڑی) ص ۲۱-۲۲ پر گزر چکی ہے یعنی قاضی شوکانی مرحوم۔

تیسرے گواہ: مولانا محمد حسین مرحوم بنالوی ہیں جنہوں نے قاضی شوکانی (اسے بھی آپ کی داؤدی پارٹی نے اپنا بزرگ تسلیم کیا ہے) کا قول نقل کر کے ان کے ساتھ توافق ظاہر کیا ہے آپ کے الفاظ یہ ہیں: محمد بن علی الشوکانی الیمانی نے حجت نہ ہونا مقول صحابی کا جمہور علماء کی طرف نسبت کیا ہے اور قائلین حجت قول صحابی کے جواب میں کہا ہے کہ اگرچہ صحابہ کی بزرگی و فضیلت علم و دین میں مسلم ہے لیکن اس سے ان کے اتباع کا وجود لازم نہیں آتا۔ اور نہ خدا نے کہیں اس بات کا اذن دیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث اصحابی کا النجوم جس سے قائلین حجت تمسہ کرتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد کہا ہے: فاعرف هذا و احرص علیہ فان الله لم يجعل الیک والی سائر هذه الامۃ رسول الا



محمد ﷺ ولم يامر بك باتباع غيره ولا شرع لك على لسان سواه من امته حرفا واحدا ولا جعل لك شيئا من الحجة عليك في قول غيره كائنا من كان انتهى كلام الشوكاني على ما نقله عنه في هداية السائل الى ادلة المسائل -

راقم کہتا ہے کہ جو امام شوکانی نے دلیل عدم حجیت اقوال صحابہ بیان کی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بجز آنحضرت ﷺ کے کسی کا اتباع کسی پر لازم نہیں کیا۔ کتاب وسنت واجماع امت اس پر شاہد ہے تفصیل اس اجمال کی بحث تقلید میں کی جاوے گی۔ اس مقام میں قول امام مالک کا اس کی تائید میں ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنی کلام میں ماخوذ نہ ہو اور وہ اس کی طرف پھیری نہ جاوے بجز صاحب اس روضہ مبارک کے کہ آنحضرت ﷺ ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے میزان کبریٰ میں ان سے نقل کیا ہے وکان يقول ما من احد الا وماخوذ من كلامه و مردود عليه هو الا صاحب هذه الروضة یعنی بہ رسول اللہ ﷺ۔ اور جو امام شوکانی نے کہا ہے کہ حدیث اصحابی کا النجوم باہم اقتدیتم اہتدیتم ضعیف ہے اس کی تائید میں بہت سے اقوال علماء کبار کے موجود ہیں۔ (ضمیمہ یکم جنوری ۱۸۷۸ء صفحہ ۳۲۸ کالم نمبر ۲-۳)۔ ناظرین کرام! کیسی صاف تصریح ہے کہ اہلحدیث کے مذہب میں خدا و رسول کے کلام کے سوا کسی کے قول و فعل کو حجت شرعیہ کی حیثیت سے جگہ نہیں ہے

چوتھے گواہ: وہ بزرگ ہیں جن کو میں سلسلہ محدثین کی آخری کڑی کے نام سے موسوم کر آیا ہوں یعنی شمس العلماء حضرت میاں صاحب دہلوی جو آجکل کے جملہ علمائے اہل حدیث ہند کے بالواسطہ یا بلاواسطہ استاد اہلحدیث ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ”افعال الصحابة رضی

اللہ عنہم لا تنتهض للاحتجاج بها“ (فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۱۹۶) یعنی صحابہ کے افعال سے حجت شرعیہ قائم نہیں ہو سکتی۔ (مظالم روپڑی بر مظلوم امرتسری، ص ۵۸ تا ۵۹) اولاً: ثناء اللہ امرتسری کو وہابی لا مذہب اپنی جماعت کا سردار، حجت الاسلام والمسلمین، اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا وکیل سمجھتے اور مانتے ہیں، اس کے بقول اہلحدیث (وہابی لا مذہبوں، غیر مقلدوں) کا مذہب یہی ہے کہ قرآن و احادیث کے علاوہ کچھ بھی حجت شرعیہ نہیں ہے، مگر علیزئی نے وہابیوں میں جنم لے کر نہ صرف وہابی بزرگوں کی تکذیب کر دی، بلکہ ان کے قائم کردہ اصولوں کی وجہیں بکھیرتے ہوئے ادلہ اربعہ کو دلائل شرعیہ تسلیم کر لیا، جس سے ان وہابی بزرگوں کا یا علیزئی کا جاہل ہونا بھی واضح ہوتا ہے۔

ثانیاً: علیزئی کہتا ہے کہ ادلہ اربعہ شرعی دلائل ہیں جبکہ اس کے بزرگ اور کارہر کہتے ہیں کہ کلام اللہ اور کلام رسول کے علاوہ کچھ بھی حجت نہیں، اب یا تو علیزئی کذاب ہے یا اس کے بزرگ و اکابرین جنہوں نے دلائل شرعیہ کو صرف قرآن و حدیث میں مقید کر کے باقی دو کا انکار کر دیا، فیصلہ علیزئی یا دوسرے وہابی کریں کہ کون کذاب ہے؟ ثالثاً: علیزئی نے جس طرح نواب صدیق الحسن بھوپالوی، نور الحسن اور وحید الزمان سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”تنبیہ: اہل حدیث کے خلاف وحید الزمان، نور الحسن اور نواب صدیق حسن خان کے حوالے پیش کرنا غلط ہے، کیونکہ ہم ان کے حوالوں سے بری ہیں۔۔۔“

(الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۳۲)

پس اسی طرح یا تو برصغیر پاک و ہند کے تمام نام نہاد اہل حدیثوں (وہابیوں، لا مذہبوں، غیر مقلدوں) سے برأت کا اظہار کر کے اپنے آپ کو ان سے جدا کرنے کا اعلان



کرے نہیں تو تسلیم کرے کہ راقم الحروف کا یہ لکھنا جھوٹ نہیں بلکہ علیزئی کا اس کو جھوٹ کہنا ہی جھوٹ ہے، اور علیزئی کا راقم الحروف کی اس بات کو جھوٹ قرار دینا اور اسے منافق کی نشانی سے تعبیر کرنا، پس اس مسئلہ میں علیزئی کا منافق ہونا نہ صرف ثابت بلکہ اس کے اپنے بزرگوں کی تحریروں سے کنفرم ہو گیا۔

رابعا: اگر باوجود اس کے کہ وہ دو کو دلائل و حجت شرعیہ سمجھتے رہے اور یہ چار کو دلائل و حجت شرعیہ سمجھتا ہے درست ہے، تو پھر راقم کا یہ لکھنا کہ ”آدھا تیز اور آدھا بیڑ“ نہ صرف درست ہے بلکہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ نام نہاد اہلحدیثوں کی ذریت میں دو غلاپن پایا جاتا ہے اور دو غلاپن منافقت کی علامت ہے۔

خامسا: محمد حسین بٹالوی وہابی لاندہب کے حوالہ سے علیزئی کا یہ نقل کرنا کہ:

”اہل حدیث وہ ہے جو اپنا دستور العمل والاستدلال احادیث صحیحہ اور آثار سلفیہ کو بناوے۔“

(تاریخ اہلحدیث ج ۱ ص ۱۵۱) (دیکھئے الحدیث شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۴۰)

یہ بعد میں جنم لینے والے لاندہبوں کی اپنی کارستانی ہے کیونکہ انہی کے ابو الوفا کے بقول محمد حسین بٹالوی نے شوکانی کی موافقت میں قول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حجت و دلیل ہونے کا رد کیا ہے، پس جب اس کے نزدیک قول و فعل صحابہ حجت و دلیل نہیں تو اس کا آثار سلفیہ کو دستور العمل والاستدلال بنانے سے مراد کون سے اسلاف ہیں۔ جن کے اسلاف صحابہ نہیں، وہ بتائیں کیا ان کے اسلاف خارجی ذوالنویصرہ تیمی کا ٹولہ ہی ہے؟ ہم ذکر کریں گے تو شکایت ہوگی۔

سادسا: پھر علیزئی کا اسی بٹالوی کے حوالہ سے لکھنا کہ:

”اس معیار کے دوسرے درجہ پر جہاں صحیح حدیث نبوی نہ پائی جاتی ہو، دوسرا معیار سلفیہ

آثار صحابہ کبار و تابعین ابرار و محدثین اختیار ہیں۔“ (تاریخ اہل حدیث ج ۱ ص ۱۵۷)

(دیکھئے الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۴۰)

اہل عقل و دانش کے لئے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہا ہوگا کہ ایک طرف تو یہ واویلا ہے کہ قرآن اور حدیث، یعنی کلام اللہ اور کلام رسول کے علاوہ کسی کے قول و فعل کو حجت شرعیہ کی حیثیت حاصل نہیں ہے، اور دوسری طرف بقول علیزئی صاحب، بٹالوی صاحب نے آثار صحابہ و تابعین و محدثین کو بھی معیار دین قرار دیا، یہ دو غلی پالیسی کے سوا کیا ہے؟

اگر یہ بات درست نہیں تو لاندہبوں کے ابو الوفا صاحب نے محمد حسین بٹالوی پر جھوٹ بولا جس کی وجہ سے وہ جھوٹے قرار پائے یا بعد والے لاندہب جنہوں نے بٹالوی کے حوالہ سے آثار کو معیار ثانی قرار دیا وہ جھوٹے ثابت ہوئے، اب فیصلہ علیزئی اور اس کے ہموا کریں۔ سابعاً: پس یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ راقم الحروف کا یہ لکھنا کہ لاندہبوں، وہابیوں، غیر مقلدوں، نام نہاد اہلحدیثوں کے نزدیک موقوفات حجت نہیں ہیں، بالکل درست اور سچ ہے، مگر علیزئی کا اس کو جھوٹ کہنا ہی جھوٹ ہے اور یہ منافقت کی نشانی ہونے کی وجہ سے علیزئی کے منافق ہونے کی دلیل ہے۔

ثامناً: اگر علیزئی اس پر بھند ہو کہ میں نے چار (۴) کا ذکر کیا ہے، لہذا میرے نزدیک اولہ اربعہ دلائل و حجت شرعیہ ہیں، تو علیزئی اس بات کا کھلم کھلا اعلان کرے کہ جن کے حوالا جات ذکر ہوئے اور اکثریت وہ جو صرف دو کی آواز نکالتے تھے اور ہیں وہ اہلحدیث، غیر مقلد، وہابی نہیں ہیں، اور اپنی کتب اور تقاریر میں جو وہ دوسرے دو (۲) دلائل کا رد کرتے رہے ہیں اور عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لئے صرف اور صرف دو ہی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں ہیں ان کا یہ عمل یا تو جہالت پر مبنی تھا یا پھر وہ اہل اسلام کو دھوکہ دیتے رہے ہیں، یہ سب کیا



ہے؟

تاسعاً: راقم الحروف نے پچھلے اوراق میں لکھا ہے کہ: ”اگر زبیری ہندیا کی نجدی کڑھی کا اُبال نہ تھا تو ان شاء اللہ العزیز ایک ایک کر کے ان لاندہیوں کے اس بارے میں اتنے حوالے ذکر کروں گا کہ علیزئی کو دنیاۓ نجد میں اپنا ہمنوا کوئی نظر نہیں آئے گا اور عوام و خواص کو بھی علم ہو جائے گا کہ علیزئی ایسے مسلک و نظریات کا مدعی ہے جس کا دنیاۓ نجد میں نام نہاد اہلحدیثوں، غیر مقلدوں میں وجود ہی نہیں تھا جو اس کے مسلک و نظریات کے دُور بریدہ اور بے بال و پر ہونے کی واضح دلیل ہوگی، ان شاء اللہ۔

اس بارے میں یہاں پر ایک اشارہ کرتا چلوں کہ علیزئی نے بدیع الدین راشدی کو اپنا استاد محترم تسلیم کیا ہے ملاحظہ ہو: جزء رفع الیدین کا مقدمہ صفحہ ۱۶ وغیرہ اور یہی بدیع الدین راشدی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”شیخ الكل، امام المتقين، سيد المحدثين، تاج الفقهاء علم العلماء، جامع العلوم العقلية والعقلية ناصر السنة النبويه، عمدة العاملين، زبدة الكاملين، حجة الله على الخلق، مجدد القرن، الامام المحدث الفقيه الاصولی الشیخ شیخنا السید نذیر حسین بن جواد بن علی بن نعمۃ اللہ الحسینی دہلوی الملقب بہ میاں صاحب التوفی ۱۳۲۰ھ نصف صدی سے اوپر خدمت کا یہ نتیجہ ہے کہ اس وقت سب اہل توحید کا سلسلہ تلمذ آپ سے جا ملتا ہے۔

(مدیۃ المستفید، الجزء الاول، مقدمہ ص ۱۰۰، مکتب الدعوة الاسلامیہ پاکستان)

علیزئی کے استاد بدیع الدین راشدی کے بقول میاں نذیر حسین دہلوی کے آخری دور میں حالت یہ ہو چکی تھی کہ کوئی بھی وہابی، غیر مقلد، لاندہب ایسا نہیں پجتا جس کا سلسلہ تلمذ میاں

نذیر حسین سے نہ ملتا ہو، یعنی اس دور میں کوئی وہابی مولوی ایسا نہیں جو ان کا شاگرد نہ ہو، تو لا محالہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس دور میں اور آگے کے تمام ادوار میں بدیع الدین راشدی کے بقول اہل توحید وہابیوں، غیر مقلدوں، لاندہیوں کا امام و شیخ صرف اور صرف میاں نذیر حسین دہلوی قرار پائے گا اور اس نجدی امام کا اس بارے میں موقف اوپر انہی کے ابو الوفا کے بقول ذکر ہو چکا۔

پس علیزئی جس مسلک کا مدعی ہے میاں نذیر حسین دہلوی اس کے امام ہیں اور اس مسلک کے نزدیک افعال و اقوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حجت شرعیہ قائم نہیں ہوتی، اب علیزئی کے نظریات کے لحاظ سے علیزئی کا مسلک و نظریہ اس دور میں دُور بریدہ و بے بال و پر ثابت ہو چکا، لہذا علیزئی ایسا شخص بنا جو ایک ایسے نظریہ و مسلک کا مدعی ہے جس کا ایک زمانہ میں برصغیر پاک و ہند میں وجود ہی نہیں تھا، حالانکہ بقول عبدالرشید عراقی وہابی (دیکھیے: مقدمہ: عقیدہ مسلم) اسلام برصغیر پاک و ہند میں پہلی صدی ہجری سے ہی موجود ہے اور پہلی صدی سے لے کر آج تک اسلام اور اہل اسلام برصغیر پاک و ہند میں مسلسل موجود ہیں، مگر علیزئی کا مسلک و مذہب ایسا ہے جو تیرویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں موجود ہی نہیں، لہذا واضح ہو گیا کہ اسلام اور مسلمان تو تھے مگر جس مذہب و مسلک کی ترجمانی علیزئی کر رہا ہے وہ موجود نہ تھا۔

پس علیزئی کا مذہب و مسلک نہ صرف نو مولود قرار پایا بلکہ ایسا مذہب و مسلک ثابت ہوا جو کم از کم اسلام تو نہیں اور اس کے ماننے والے مسلمان نہیں، کیونکہ اسلام اور مسلمان تو پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک برصغیر میں موجود ہیں۔ یہ گفتگو تو جملہ معترضہ کے لحاظ سے درمیان میں آگئی، علیزئی کی کوشش جاری رکھے ان شاء اللہ ہم بہت کچھ ثابت کر دیں گے۔



☆ اس کے بعد علیزئی نے مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی ”جاء الحق“ کے دوسرے باب سے ایک عبارت نقل کی جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ: ”عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں“ اور اس کو لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہل سنت بھی غیر مقلد ہیں اس لئے وہ بھی لاندہب ہیں۔ اس کا جواب راقم نے پچھلے اوراق میں دے دیا ہے۔ جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ علیزئی کا یہ کہنا بھی جھوٹ ہے کیونکہ راقم نے ان کو لاندہب اس لئے لکھا کہ ان کا کوئی اصول نہیں، ایک کچھ بیان کرتا ہے اور دوسرا اس کے خلاف لکھ دیتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جس بات کی ضرورت ہو اس کے مطابق تحریر کو دلیل کے طور پر بیان کیا جاسکے۔

لیجئے! اس کا ثبوت بھی حاضر ہے کہ لاندہبوں، وہابیوں کی یہ تحریک حالات و مکان کے ساتھ اپنا طریقہ استدلال بدلتی رہتی ہے۔

محمد اسحاق بھٹی نے ”تحریک اہلحدیث، افکار و خدمات“ کتاب پر حرفے چند لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”اس طرح تحریک اہل حدیث مختلف اوقات و ادوار میں مختلف کارنامے سر انجام دیتی رہی ہے جہاں اس کے بحث و استدلال کے دائرے حالات و ظروف کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہے ہیں۔“

(تحریک اہلحدیث افکار و خدمات، ص ۹، ناشر مرکزی جمیۃ اہلحدیث پاکستان)

پس ثابت ہوا کہ یہ لاندہب جتنا چاہے واویلا کرتا رہے حقیقت یہی ہے کہ یہ لوگ حالات اور مکان کے بدلنے سے اپنا طریقہ بحث و استدلال بھی بدل لیتے ہیں، گویا کہ یہ گروہ ایسا لاندہب ہے کہ جس کا کوئی ایک اصول نہیں۔ راقم الحروف نے تو ان وجوہات کی وجہ سے اس گروہ کے لئے لاندہب کا مرکب استعمال کیا تھا، ساون کے اندھے

کو ہر ای ہر اسو جھتا ہے۔

قبلہ مناظر اسلام مدظلہ العالی نے جو سوالات کئے تھے میرے خیال میں اس میں ایک یہ راز بھی تھا کہ لوگوں کو اس کا علم ہو سکے کہ یہ لاندہب دوسروں سے ایسے مطالبے کرتے ہیں جن کے مطابق ان کے اپنے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

☆ اس کے بعد علیزئی نے اپنے گیارہ سوالات کا ذکر کیا جن کے متعلق پچھلے اوراق میں ذکر ہو چکا، اس کے بعد علیزئی نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان تراشی کرتے ہوئے شمالی ہوا کے حکم نہ ماننے کو آپ کا دعویٰ لکھا جو کہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جس کی مثال بیان کرنا مشکل ہے، کیونکہ علیزئی بزع خود ایک عالم ہے مگر یہ بھی نہیں جانتا کہ کسی کی بات کو اس کا دعویٰ قرار دینے کے لئے کیسے الفاظ سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

علیزئی صاحب! ہمارا آپ کو مشورہ ہے کہ پہلے کچھ دن کسی اہل علم کے پاس بیٹھ کر بنیادی علوم حاصل کریں، ورنہ جناب کی تحریرات سے جناب کی جگہ ہنسائی ہی ہوتی رہے گی۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”رضا خانی دشنام طراز نے اپنے گالی نامے میں اس کی کوئی دلیل قرآن، حدیث یا اجماع سے پیش نہیں کی، بلکہ چند تابعین کے اقوال اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک موقوف روایت دوسندوں سے پیش کی ہے:

۱: ایک سند میں امام حفص بن غیاث ثقہ ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے (دیکھئے طبقات ابن سعد ۶/۳۹۰، کتاب العلل و معرفة الرجال ۲/۱۸۵، فقرہ ۱۹۳۱)

(الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۳۰)

اولاً: علیزئی نے راقم الحروف کو جو دشنام طراز اور براہین رضوی کو گالی نامہ لکھا ہے اس کی



حقیقت تو پچھلے اوراق میں واضح ہو گئی ہے، مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ جب کوئی لاندہیوں کے پول کھولتا ہے تو بکھلا ہٹ میں یہ اس کو دشنام طراز اور اس کی تحریر کو گالی نامہ کہنے لگتے ہیں، لہذا محتال الحواس کی بدحواسی پر افسوس نہیں کرنا چاہیے۔

ثانیاً: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حفص بن غیاث کو ”طبقات المدلسین، ص ۲۰“ میں پہلے مرتبہ میں ذکر کیا ہے اور پہلے مرتبہ کے بارے میں لکھا کہ: ”الأولی: من لم یوصف بذلك الا نادرا کیحیی بن سعید الأنصاری“۔

(طبقات المدلسین، ص ۱۳)

یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تک بلکہ علیرئی کے چودھویں پندرھویں صدی کے سلف البانی تک نے حفص بن غیاث کی صیغہ عن سے روایات کو صحیح شمار کیا ہے، جس کی دلیل ان آئمہ و علماء کی کتب ہیں مثلاً: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات کو مندرجہ ذیل مقامات پر لائے ہیں:

(۱) ”جزء ۲، صفحہ ۲۰، کتاب العیدین، باب: التکبیر آیام منی واذا غدا الی عرفہ، حدیث ۹۷۱۔“

(۲) جزء ۵ ص ۱۳۶، کتاب المغازی، باب: غزوة خیبر، حدیث ۴۲۲۷، ”دار طوق النجاة۔“

امام مسلم نے اپنی صحیح میں مندرجہ ذیل مقامات پر حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات لی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) صفحہ ۹۰، کتاب الایمان، باب: تسمیة العبد الآبق کافراً، حدیث

۲۲۶۔“

(۲) صفحہ ۱۳۰، کتاب الایمان، باب: فی قوله تعالی ﴿ولقد رءاه نزلة أخرى﴾، حدیث ۴۳۲۔“

(۳) صفحہ ۱۳۰، کتاب الایمان، باب: فی قوله تعالی ﴿ولقد رءاه نزلة أخرى﴾، حدیث ۴۳۵، ”وغیرہم۔ دار المعرفة، بیروت، لبنان۔“

امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں مندرجہ ذیل مقامات پر حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات لی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) صفحہ ۴۰، کتاب الطہارة، باب: الوضوء لمن أراد أن یعود، حدیث ۲۲۰۔“

(۲) صفحہ ۱۷۷، کتاب الصلاة، باب: اذا دخل الرجل والامام یخطب، حدیث ۱۱۱۶۔“

(۳) صفحہ ۱۹۳، کتاب الصلاة، باب: متى یتیم المسافر؟، حدیث ۱۲۳۰، ”وغیرہم۔ دار ابن حزم بیروت، لبنان۔“

نوٹ: البانی نے ان تینوں روایات کو صحیح قرار دیا ہے

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع سنن میں حفص بن غیاث کی صیغہ عن سے روایات مندرجہ ذیل مقامات پر لی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) صفحہ ۲۵، کتاب الطہارة عن رسول اللہ ﷺ، باب: ما جاء فی کراهیة ما یستنجی به، حدیث ۱۸۔“

(۲) صفحہ ۶۴، کتاب الطہارة عن رسول اللہ ﷺ، باب: ما جاء فی الجنب



اذا اراد ان يعود توضأ ، حديث ١٤١۔

(٣) صفحہ ١٠٧ ، کتاب الطہارۃ عن رسول اللہ ﷺ ، باب : ما جاء ابن یضع الرجل وجهه اذا سجد ؟ ، حدیث ٢٧١ ، وغیرہم ۔ دار ابن حزم ، بیروت ، لبنان ۔

نوٹ: البانی نے ان تینوں روایات کو صحیح قرار دیا ہے

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات مندرجہ ذیل مقامات پر لی ہیں ، ملاحظہ فرمائیں :

(١) صفحہ ٢٦ ، کتاب الطہارۃ ، باب : المسح علی الخفین ، حدیث ١١٨۔

(٢) صفحہ ٨١ ، کتاب المواقیت ، باب : الابراد بالظہر اذا اشتد الحر ، حدیث ٥٠٣۔

(٣) صفحہ ١٠١ ، کتاب الأذان ، باب هل يؤذنان جميعا أو فرادی ، حدیث ٦٤١ ، وغیرہم ۔ دار ابن حزم ، بیروت ، لبنان ۔

نوٹ: البانی نے ان تینوں روایات کو صحیح قرار دیا ہے

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات مندرجہ ذیل مقامات پر لی ہیں ، ملاحظہ فرمائیں :

(١) صفحہ ٨٧ ، أبواب التیمم ، باب : فی الغسل من الجنابة ، حدیث ٥٧٧۔

(٢) صفحہ ١٠٨ ، کتاب الأذان والسنة فیہا ، باب السنة فی الأذان ، حدیث ٧١٤۔

(٣) صفحہ ١٦٣ ، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیہا ، باب : ما جاء فیمن دخل المسجد والامام یخطب ، حدیث ١١٤ ، وغیرہم ۔ دار ابن حزم ، بیروت ، لبنان ۔

نوٹ: البانی نے ان تینوں روایات کو صحیح قرار دیا ہے

اصحاب ستہ کے علاوہ امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح ، امام ابن حبان نے اپنی صحیح ، امام ابو عوانہ نے اپنی مسند ، امام حاکم نے اپنی مستدرک وغیرہم میں حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات کو بغیر کسی کلام کے لیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور لا مذہبوں کے محدث البانی تک آئمہ حدیث اور علماء حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات کو قبول کرتے رہے اور تصحیح کرتے رہے ہیں ، جس کا مطلب یہی ہے کہ مدلس ہونے کے باوجود وہ ان کی تدلیس کو مضرت نہیں سمجھتے تھے ، اسی لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”طبقات المدلسین“ میں حفص بن غیاث کو پہلے مرتبہ میں شمار کیا ہے ، لہذا پندرہویں صدی کے ایک لاندہب کے کہنے سے امام حفص بن غیاث کو تیسرے طبقہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ثالثاً : حفص بن غیاث کا متابع بھی موجود ہے جیسا کہ براہین رضوی صفحہ ١٨ پر امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ”العظمة“ کے حوالہ سے ذکر کیا گیا تھا ، گو کہ وہ راوی مجروح ہے مگر متابعت کے قابل ہے جیسا کہ امام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے ”الترغیب والترہیب“ ج ٣ ص ٥١٣ ، دار احیاء التراث العربی ، پر ایک روایت کو طبرانی اور بزار کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :



”رواہ الطبرانی، والبزار واللفظ له مرفوعا وموقوفا، وقال لا نعلم أحد رفعه الا عدی بن الفضل یعنی عن الجریزی عن ابي نصره عنه وعدی بن الفضل لیس بالحافظ وهو شیخ بصری انتھی۔ [قال الحافظ]: قد تابع عدی بن الفضل علی رفعه وهب بن خالد عن الجریزی عن ابي نصره عن ابي سعید۔۔ الخ۔ اور علیزئی صاحب کا چودھویں صدی میں پیدا ہونے والا سلف البانی ان روایات میں سے پہلی کے متعلق لکھتا ہے کہ: ”صحیح لغيره“ اور دوسری کے بارے میں لکھتا ہے کہ: ”صحیح لغيره“۔

(صحیح الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۰۲ (۳۷۱۴)، مکتبہ المعارف للنشر والتوزیع لصاحبہا سعد بن عبد الرحمن الراشد الریاض، الطبعة الأولى ۰ ۱۴۲۰ھ)

پس ثابت ہوا کہ عدی بن فضل کی متابعت سے علیزئی کا پیدا کردہ اعتراض تالیس بھی ختم ہو گیا کیونکہ حفص بن غیاث کا متابع موجود ہے اور متابع کے لئے ثقہ و صدوق ہونا ضروری نہیں جیسا کہ اصول میں مسلم ہے۔

رابعاً: ان کا ایک متابع اور موجود ہے، ملاحظہ ہو: امام ابوالاحسان الحاکم نے ”الاسامی والکنی“ ج ۳ ص ۲۲، ت ۹۸۸ میں مندرجہ ذیل سند و متن کے ساتھ اس روایت کو بیان کیا: ”أخبرنا أبو بكر محمد بن سليمان الواسطي، حدثنا أبو تقي يعني هشام بن عبد الملك اليزني حدثنا بقیة یعنی ابن الولید حدثنا أبو ثوبة الزبيدي عن عبد الرحمن بن هند عن عكرمة عن ابن عباس قال: قالت الصبا للشمال يوم الأحزاب تعالى ننصر رسول الله ﷺ فقال له ان الحوائر لا يسرين بالليل فغضب الله عليها فجعلها عقيما۔

گو کہ ابو ثوابہ کو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے مجہول قرار دیا ہے مگر متابعت میں اس کی روایت کو پیش کرنا کوئی جرم نہیں۔

خامساً: اس کے شواہد میں سے عکرمہ کی موقوف روایت بھی موجود ہے، اسی طرح داؤد بن ابی ہند کی موقوف روایت، جیسا کہ براہین رضوی میں باحوالہ ذکر کیا گیا تھا مگر متابعات اور شواہد کے باوجود علیزئی کا اس روایت کو ضعیف شمار کرنا درحقیقت تعصب و عناد کے سوا کچھ نہیں، ورنہ اپنی مرضی کی بات ہو تو ایک قول صحابی جو کہ علیزئی کے اپنے نزدیک ہی ضعیف ہو اور دوسرا تابعی کا قول اس کا شاہد ہو تو علیزئی اس کو بھی قبول کرتا ہے، ملاحظہ ہو:

”الحدیث شماره نمبر ۸ ص ۳۳۳-۳۳۴ پر علیزئی نے ”روزہ کی حالت میں ہانڈی وغیرہ کا چکھنا“ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایک روایت جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعلیقاً لائے ہیں اس کی اسناد کو جمع کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: ”یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: شریک بن عبد اللہ القاضی مدلس ہیں اور سند عن سے ہے۔ شریک کی تدلیس کے لئے دیکھئے نصب الراية (۲۳۴/۳) الحکلی (۸/۲۶۳/۱۰، ۳۳۳) اور طبقات المدلسین لابن حجر (۲/۵۶) وهو من المرتبة الثالثة في القول الرابع۔

۲: سلیمان بن مہران الأعمش مدلس تھے اور سند عن سے ہے۔ اعمش کی تدلیس کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضور: ۶۶ ص ۷۔

☆ اس روایت کی دوسری سند میں جابر بن یزید الجعفی ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۲۷۷ ج ۹۲۷) جابر جعفی سخت ضعیف اور گمراہ شخص تھا دیکھئے تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال اور تقریب التہذیب وغیرہ، لہذا یہ سند باطل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ



روایت اپنی دونوں سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

فائدہ: عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ (تابعی) روزے کی حالت میں منی میں شہد چکھ لیتے تھے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۲۷۷ ح ۹۲۸۰ وسندہ حسن)

ثابت ہوا کہ شرعی عذر ہو، مثلاً کسی عورت کا شوہر سخت مزاج ہو تو اس کے لئے روزے کی حالت میں ہانڈی وغیرہ چکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح خریدتے وقت بھی اس چیز کو چکھا جاسکتا ہے جس میں یہ احتمال ہو کہ بیچنے والا دھوکا دے رہا ہے، یا یہ خوف ہو کہ دھوکا نہ دے دے تو بھی ایسی چیز کو معمولی سا چکھ لینا جائز ہے، لیکن نہ چکھے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔  
انتہی

قارئین! ملاحظہ فرمائیں کہ اپنی مرضی تھی تو ایک قول صحابی جس کی دونوں سندیں بقول علیزئی ضعیف ہیں اور ایک قول تابعی جو علیزئی کے بقول حسن سند کے ساتھ مروی ہے ان کے ساتھ مسئلہ ثابت ہو گیا مگر اپنی مرضی کے خلاف تھا تو انہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول، بزعم خود صرف ایک راوی کی تالیس (جس کی وضاحت ہو چکی) کی وجہ سے جبکہ اس کی متابعت بھی موجود تھی اور اس پر تابعی (حضرت عکرمہ، وسندہ صحیح) اور تبع تابعی (داؤد بن ابی ہند وسندہ صحیح) کے اقوال بھی موجود تھے اسے رد کر دیا، کیا انصاف اسی کا نام ہے؟

پس معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت اپنے متابع اور شاہد کے ساتھ ضرور درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے، جس کا انکار علیزئی کی ضد، تعصب اور عناد کے علاوہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا، پھر علیزئی کے اپنے اصول جس کے تحت اس نے روزہ کی حالت میں ہانڈی چکھنے کا جواز فراہم کیا ہے کے مطابق یہ روایت بدرجہ اتم قبول کی جاسکتی ہیں۔

علیزئی نے وہاں صرف ایک تابعی کا قول حسن سند کے ساتھ پیش کر کے جواز قائم کر دیا، جبکہ یہاں تو تابعی کے قول کے ساتھ تبع تابعی کا قول بھی صحیح سند کے ساتھ موجود ہیں، پس یہ روایت اصول علیزئی کے مطابق بھی قابل قبول تھی، مگر کیا کیا جائے تعصب و عناد کا جو دوغلی پالیسیاں چلنے کی راہیں کھولتا ہے۔

☆ آگے علیزئی کا ضعیف روایت کے بارے میں کلام اور یوسفی و شیبانی یا عکرمی وغیرہ کی گفتگو نہ صرف ورق سیاہ کرنے کے مترادف ہے بلکہ فضول و بیکار ہے۔

قول علیزئی اس کے بعد علیزئی مزید کا غد سیاہ کرنے کے لئے لکھتا ہے کہ: ”شمالی ہوا کے حکم الہی سے انکار کرنے کی دلیل پر آل بریلی درج ذیل دلائل پیش کر سکتے ہیں:

۱: قرآن مجید، ۲: صحیح حدیث، ۳: اجماع، ۴: امام ابوحنیفہ کا اجتہاد۔ جبکہ ان لوگوں کے پاس ان چاروں میں سے ایک بھی دلیل نہیں، لہذا عکرمہ وغیرہ تابعین کے اقوال کی بنیاد پر یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ شمالی ہوا نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کر دیا تھا۔

(الحدیث شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۳۱-۳۲)

**جواب:** اولاً: علیزئی کا اہل سنت اور راقم الحروف کے بارے میں لکھنا کہ: ”آل بریلی“ اس کی اپنی تکذیب کر رہا ہے کیونکہ خود ہی لکھ رہا ہے کہ دلائل میں تم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد پیش کر سکتے ہو جو اس کی اپنی عبارات کے ہی ناقص اور جھوٹا ہونے کا آئینہ دار ہے کیونکہ علیزئی خود ہمیں حنفی تسلیم کرتا ہے اور آل بریلی کا طعن دینا اس کے اپنے نزدیک ہی اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

ثانیاً: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق و محبت کی بنا پر اگر علیزئی ہمیں آل بریلی کہہ سکتا ہے اور خیال کر سکتا ہے تو پھر لامحالہ ہم بھی انہیں آل نجدی کہیں تو برا محسوس کرنے کی کوئی



بات نہ ہوگی، کیونکہ علیزئی کے استاد محترم بدیع الدین الراشدی اور عطاء اللہ ثاقب نے محمد بن عبد الوہاب نجدی کو (وہابی توحید) کا امام الدعوة، مصلح اعظم (دیکھئے تقدیم و مقدمہ ہدایۃ المستفید) تک لکھ کر اس کے ساتھ جو اپنے تعلق و محبت کا اظہار کیا ہے اس کے مطابق یہ آل نجد ہی ہوئے۔

ثالثاً: راقم الحروف نے تو پہلے علیزئی اور دوسرے وہابیوں، نجدیوں، غیر مقلدوں کو لا مذہب کہا تھا جس کا ثبوت پچھلے اوراق میں فراہم کیا جا چکا ہے مگر علیزئی کا مذکورہ بالا عبارت لکھنا اس بات کا بھی آئینہ دار ہے کہ یہ لوگ ”بے زبان و بے کلام“ ہیں کہ نہ ان کی زبان ایک اور نہ ہی ان کا کلام ایک رہتا ہے، اسی علیزئی نے جب پہلے سوالات کے جوابات کا مطالبہ کیا تھا تو عبارت یوں تھی: ”نماز کے سوالات سے ہٹ کر عرض ہے کہ احمد رضا خاں نے کہا:

”غزوہ احزاب کا واقعہ ہے رب عز وجل نے مدد فرمائی چاہی اپنے حبیب کی شمالی ہوا کو حکم ہوا جا اور کافروں کو نیست و نابود کر دے۔ اس نے کہا ”الحلائل لا یخرجن باللیل“ یہ بیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں فاعقمھا اللہ تعالیٰ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بانجھ کر دیا اسی وجہ سے شمالی ہوائے کبھی پانی نہیں برستا“۔ (ملفوظات حصہ ۴ ص ۲۱۹ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، ۳۸۔ اردو بازار لاہور) ہوا کا اللہ کے حکم سے انکار کر دینا کون سی صحیح حدیث میں لکھا ہوا ہے؟ با حوالہ اور صحیح سند جواب دیں اور یہ مسئلہ بھی سمجھا دیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہوا کو حکم دے تو ہوا اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ کن فیکون کا کیا مطلب ہے؟۔

(مقالات علیزئی جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)

راقم الحروف اس بارے میں بس اتنا ہی کہتا ہے کہ: ”خود بدلتے نہیں عبارات و تحریرات

بدل دیتے ہیں“۔ راقم نے تو اس کا جواب براہین رضوی میں دیا تھا اور تمہاری تسلی کے لئے اس جواب میں بھی پچھلے اوراق میں ذکر ہوا اور تمہارے ہی اصول کے مطابق وہ روایت قابل قبول قرار پاتی ہے، پس اسے قبول نہ کرنا تیرے تعصب، عناد، ہٹ دھرمی اور بے اصولی ہونے کا واضح و روشن ثبوت ہے۔

فقہ حنفی اور اصول فقہ کی کتب کا مطالعہ کرنے والے اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ احناف کا یہ دعویٰ نہیں کہ ہم ہر بات میں قرآن، صحیح حدیث، اجماع یا پھر فقط امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد ہی پیش کرتے ہیں لہذا تیرا یہ مطالبہ کرنا ہی فضول ہے، ہم نے تو تمہارے دعوے کے مطابق سوالات میں شرائط عائد کی تھیں جن کے مطابق نہ تم اور نہ ہی کوئی اور لا مذہب جواب دے سکا اور نہ ہی قیامت تک جواب دے سکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

☆ اس کے بعد علیزئی نے ایک حدیث صحیح ابن حبان وغیرہ کتب حدیث سے اور دو آیات کی طرف اشارہ کیا ہے جو نہ تو ہمارے مخالف ہیں اور نہ ہی ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ ہوا کو بھیجنے والا اور اسے مسخر کرنے والا اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی اور ہے۔ (البتہ یہ بات علیحدہ ہے کہ وہ اس کو کسی کے تابع کر دے، پس وہ اس پر قادر ہے)

قول علیزئی: اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”کیا ہوا بھی مکلف ہے جو اسے قوت اختیاری عطا کی گئی ہے؟“۔ (الحدیث شمارہ نمبر ۸۶ ص ۳۲)

اولاً: علیزئی جی! ایسی احمقانہ سوچ کسی محقق و محدث کی نہیں، بلکہ کسی اہل علم کی بھی نہیں ہو سکتی جیسی جناب جو بزم خود محقق و محدث بنے پھرتے ہیں، کی ظاہر ہوئی ہے، کیا مکلف اور غیر مکلف کے بارے میں جناب کو صحیح بخاری میں کچھ نظر نہیں آیا؟

صحیح بخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ”باب: القسامة في الجاهلية“ میں ایک



روایت بیان کرتے ہیں کہ: ”عن عمرو بن ميمون قال رأيت في الجاهلية قردة اجتمع عليها قردة قد زنت فرجموها فرجمتها معهم“۔

(صحيح بخاری جزء ۵ ص ۴۴ (۳۸۴۹)، دار طوق النجاة، وفي تاريخ الكبير ۳۶۷/۶، وفي الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر ۱۲۰/۳، وفي معرفة الصحابي لأبي نعیم ۴۳۴/۳، وفي الأسامي والکنی لأبي أحمد الحاكم ۳۱۴/۵، ومساوی الأخلاق للخرائطي (۴۶۹)، وفي اعتلال القلوب ۹۵، وغیرہم)

یعنی عمرو بن ميمون نے فرمایا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس کے ارد گرد بہت سے بندر جمع تھے، اس بندر نے زنا کیا تھا، سب بندروں نے اس کو سنگسار کیا، میں نے بھی ان کے ساتھ اس کو سنگسار کیا۔

علیزئی جی! زنا کا تحقق کب ہوگا؟

کیا حیوانات میں بھی نکاح تحقق ہوتا ہے؟

بندر کس شریعت کے مکلف ہیں؟

کیا حیوانات کو بھی قوت اختیاری عطا کی گئی ہے کہ وہ مکلف ہوں، جس پر انہیں رجم کیا جائے؟

کیا صحابی رسول ﷺ (باختلاف روایت) عمرو بن ميمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہم تک تمام اس روایت کو اپنی کتب میں روایت و نقل کرنے والے جھوٹ بول رہے ہیں؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

کیا وہ تمام محدثین و مفسرین اور علماء امت اسلامیہ جنہوں نے اپنی کتب میں ایسی روایات جن کی کوئی سند نہیں، یا ان کی اسناد موضوع ہیں، یا کوئی قول جس کی طرف منسوب کیا ہے

اس سے ثابت نہیں، تو یہ تمام باتیں ان مصنفین و ناقلین کے جھوٹ شمار ہوں گے؟ کیا یہ ضروریات دین میں سے ہے کہ ہر غیر مکلف نہ تو قوت اختیاری رکھتا ہے اور نہ ہی اس سے نافرمانی سرزد ہو سکتی ہے؟۔

اگر ایسی روایات ذکر کرنے والے اور بیان کرنے والے آئمہ احادیث و تفاسیر و سیر و تاریخ قابل مواخذہ نہیں، تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کس جرم میں قابل گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے، صرف اس لئے کہ انہوں نے وہابیت اور وہابی ذریت کی گستاخانہ حرکتوں سے پردہ اٹھا کر اہل اسلام کو آگاہ کر کے اجتناب کا درس دیا؟ ﴿اعذلوا هو أقرب للتقوى﴾

[المائدة: ۸]

ثانیاً: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ حیوانات، نباتات اور جمادات میں مادہ معصیت پائے جانے اور اس کی وجہ سے سزایاب ہونے کے متعلق ذکر کیا ہے، اگر انسانوں اور جنوں کے علاوہ اور کوئی چیز کسی بات کی مکلف نہیں تھی تو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں یہ کیوں ارشاد فرمایا: ﴿وما من دابة في الأرض ولا طائر يطير بجناحيه الا امم امثالكم ما فرطنا في الكتاب من شيء ثم الى ربهم يحشرون﴾

[الأنعام: ۳۹]

زمین میں جتنے جانور اور دو بازوؤں سے اڑنے والے پرندے ہیں سب تمہاری طرح مخلوق ہیں (جن کے انواع کا حساب بھی انسان کی طاقت سے باہر ہے مگر) ہماری نوشت سے کوئی باہر نہیں پھر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے ترجمہ: شاء اللہ امر تسری اس آیت کی تفسیر میں غیر مقلد وہابی محمد داؤد راز سلفی لکھتا ہے کہ:

”سلف میں سے ایک جماعت کے نزدیک دریائی و خشکی کے تمام چرند پرند الگ الگ امت



ہیں ہر ایک کے واسطے جدا تسبیح و ذکر ہے آیات و احادیث میں پتھروں وغیرہ کی تسبیح بھی ثابت ہے آنحضرت صلعم (ﷺ) نے دو بکریوں کو لڑتے دیکھ کر ابو ذرؓ سے فرمایا تھا اے ابو ذر تم جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ ابو ذرؓ نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا لیکن اللہ خوب جانتا ہے اور قیامت میں دونوں کے درمیان انصاف کرے گا اور حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز سینگوں والے سے بے سینگوں والے کا بھی قصاص دیا جائیگا رواہ ابن احمد فی مسند ابیہ اور مروی ہے کہ اللہ پاک ان کا فیصلہ کر کے فرمادے گا کہ تم سب خاک ہو جاؤ اس حال کو دیکھ کر کافر تمنا کریں گے کہ کاش آج ہم بھی خاک ہو جاتے رواہ عبد الرزاق۔

(ثانی ترجمہ والاقرآن مجید ۱۵۸، حاشیہ: ۳)

یہی لاندہب واؤدرا لکھتا ہے کہ: ”یعنی مخلوق میں سے ہر چیز اس کی پاکیزگی اور تعریف بیان کرتی ہے لیکن اے لوگو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں نہیں حیوانات نباتات جمادات سب اس کے تسبیح خولیں ہیں۔۔۔۔۔ اللہ نے کسی مخلوق کو تسبیح اور نماز کے اقرار سے باقی نہیں چھوڑا۔ (ثانی ترجمہ والاقرآن مجید، پارہ ۱۵، ص ۳۳۳ حاشیہ: ۱) ایک اور لاندہب صلاح الدین یوسف اپنی تفسیر میں لکھتا ہے کہ:

”ان آیات و صحیح احادیث سے واضح ہے کہ جمادات و نباتات کے اندر بھی ایک مخصوص قسم کا شعور موجود ہے جس کو ہم نہ سمجھ سکیں، مگر وہ اس شعور کی بنا پر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔

(احسن البیان، پارہ ۱۵، ص ۲۷۴)

مذکورہ بالا لاندہبوں کے ترجمہ اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ ہر مخلوق کے لئے جدا جدا نماز اور ذکر و تسبیح مقرر ہے اور ہر مخلوق خواہ اس کا تعلق جمادات سے ہے یا نباتات سے اس میں ایک خاص قسم کا شعور بھی موجود ہے جس کی بنا پر وہ اللہ رب العالمین کی تسبیح و نماز ادا کرتی ہے۔

ہو ابھی مخلوقات میں شامل ہے، پس ہر مخلوق سے اس کو عطا کردہ شعور کے مطابق روز قیامت سوال ہوگا، جیسا کہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

عن ابی ہریرۃ فی قولہ عز وجل ﴿أَمَّمْ أَمْثَالَكُم﴾ قال: یحشر الخلق کلہم یوم القیمۃ البہائم والدواب والطیر و کل شیء، فیبلغ من عدل اللہ أن یأخذ للجنماء من القرناء، ثم یقول: کونی ترابا، فذلک یقول الکافر: ﴿یا لیتنی کنت ترابا﴾

(أخرجہ الحاکم فی المستدرک، کتاب التفسیر ج ۳ / ۴۳ ح ۳۲۸۴، وقال: جعفر الحزری هذا هو ابن برقان، قد احتج بہ مسلم، وهو صحیح علی شرطہ ولم یخرجاه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿أَمَّمْ أَمْثَالَكُم﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ: روز قیامت تمام مخلوقات کو جمع کیا جائے گا، چوپائے، جانور، پرندے اور دوسری تمام مخلوقات، پس اللہ تعالیٰ کا عدل ان تک پہنچے گا، پس ایسا جانور جس کے سینگ نہیں اس کے لئے وہ سینگ والے کو پکڑے گا پھر فرمائے گا کہ مٹی ہو جا، پس اس وقت کافر کہیں گے ”کاش میں بھی مٹی ہو جاتا۔“

پس حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور مذکورہ بالا غیر مقلدین کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ تمام مخلوقات کو ہمیں سمجھ نہ آنے والا شعور عطا کیا گیا ہے جس کی بنا پر ان میں اطاعت و معصیت کا مادہ موجود ہے، پس اسی اطاعت و معصیت کی وجہ سے روز قیامت ان کو اللہ کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا اور اسی کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ ہوگا، اگر وہ اس پر مکلف نہیں تو ان سے مواخذہ کیوں؟۔

اگر ہر لحاظ سے جن وانس کے علاوہ دوسری مخلوقات قوت اختیاری سے لا تعلق ہیں تو ان سے



کئے ہوئے اعمال پر مواخذہ ظلم ہے، کیا اللہ رب العالمین بغیر کسی نافرمانی کے ان کو سزا دے گا؟۔

ان وجوہات کی بنا پر نہ تو ”کن فیکون“ میں کچھ فرق واقع ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ رب العزت کی ذات میں کوئی عیب ظاہر ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا کیا گیا ان کے احوال کے مطابق شعور ہی ان کی اطاعت و نافرمانی کا سبب ہے جس پر انہیں اللہ رب العالمین اپنی شان کے مطابق جزا و سزا دیتا ہے، اور دے گا۔

ثالثاً: علیزئی بار بار اپنی تحریر میں لفظ ”انکار“ استعمال کر رہا ہے، کبھی لکھتا ہے کہ: ”تابعین کے اقوال کی بنیاد پر یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ شمالی ہوائے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کر دیا تھا“ (الحديث، شماره ۸۶ ص ۳۲) اور کبھی لکھتا ہے کہ: ”احمد رضا خان بریلوی کا یہ دعویٰ ہے کہ شمالی ہوائے اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانا“۔ (الحديث شماره ۸۶ ص ۳۰) وغیرہما۔

حالانکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت میں لفظ ”انکار“ موجود نہیں بلکہ بادِ شمالی کا جواب مذکور ہے کہ اس نے جواب دیا کہ: ”پیماں رات کو باہر نہیں نکلتیں“ جبکہ اس کے اسلاف و ہمنواؤں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کا انکار کرنا لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ﴿إنا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فأبين أن يحملنها وأشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا﴾

[۱] [الاحزاب: ۷۲]

”ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا وہ بڑا ہی ظالم جاہل

ہے۔ (ترجمہ: صلاح الدین یوسف)

اس آیت کی تفسیر میں یہی لاندہب لکھتا ہے کہ: ”پیش کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اور آسمان وزمین اور پہاڑوں نے کس طرح اس کا جواب دیا؟ اور انسانوں نے اسے کس وقت قبول کیا؟ اس کی پوری کیفیت نہ ہم جان سکتے ہیں نہ اسے بیان کر سکتے ہیں ہمیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ نے اپنی ہر مخلوق میں ایک خاص قسم کا احساس و شعور رکھا ہے گو ہم اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی بات سمجھنے پر قادر ہے اس نے ضرور اس امانت کو ان پر پیش کیا ہوگا جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا اور یہ انکار انہوں نے سرکشی و بغاوت کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس میں یہ خوف کا فرما تھا کہ اگر ہم اس امانت کے تقاضے پورے نہ کر سکتے تو اس کی سخت سزا ہمیں بھگتنی ہوگی“۔ (تفسیر احسن البیان، ۵۶۰، دارالسلام)

اور اسی آیت کی تفسیر میں داؤد راز غیر مقلد لکھتا ہے کہ:

فابین کا ولی الہی ترجمہ یہی ہے کہ انہوں نے انکار کر دیا مطابق رائے بیشتر مترجمین و مفسرین ترجیح اسی ترجمہ کو حاصل ہے۔ (ثانی ترجمہ والاقرآن مجید، ۵۱۲، فاروقی کتب خانہ ملتان) علیزئی جی! کیا آسمان وزمین اور پہاڑوں کا پیدا کرنے والا اللہ نہیں؟ کیا اسی نے ان کو مسخر نہیں کیا ہوا؟۔

اگر ان کے انکار کرنے کی تاویل خوف سے کی جاسکتی ہے تو بادِ شمالی کی تاویل بھی پہلی عمومی عادت کی وجہ ”پیماں رات کو باہر نہیں نکلتیں“ کہنا سے کی جاسکتی ہے۔

مگر جناب ہیں کہ صحیح روایت کی موجودگی میں بھی تعصب و عناد کا نشان بنے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کر رہے ہیں۔

انکار صریح اور جواب غیر صریح میں کتنا فرق ہے یہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے، جس کی ایک



مثال قرآن مجید فرقان حمید میں انسان کی تخلیق کے حوالہ سے موجود ہے کہ اللہ رب العالمین نے فرشتوں سے فرمایا: ﴿انہی جاعل فی الارض خلیفۃ قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفلک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک﴾ [البقرہ: ۳۰] جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر (اپنا) ایک نائب بنانے کو ہوں (جو سب دنیا کی آبادی پر حکمرانی کرے) وہ بولے کیا آپ ایسے شخص کو نائب بناتے ہیں جو اس (زمین) میں فساد کرے اور خون بہائے اور اگر خلیفہ ہی بنانا منظور ہو تو ہم اس کے قابل ہیں اس لئے کہ) ہم تیری خوبیاں بیان کرتے ہیں اور تجھے پاکی سے یاد کرتے ہیں خدا نے کہا یقیناً میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (ترجمہ: ثنائی)

مزید وضاحت کی ضرورت نہیں جناب کے بزرگ کے ترجمہ میں موجود الفاظ ”اگر خلیفہ ہی بنانا منظور ہو تو ہم اس کے قابل ہیں“ سے بہت کچھ واضح ہو رہا ہے۔ جبکہ فرشتوں کے بارے میں واضح طور پر قرآن مجید فرقان حمید میں موجود ہے کہ

﴿ویفعلون ما یأمرون﴾ [النحل: ۵۰]

”اور جس بات کا ان کو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں۔“

☆ اس کے بعد علیزئی نے اپنی طرف سے خود ساختہ شرائط کے ساتھ کئے گئے سوالات کو دوبارہ صفحہ ۳۳ تا ۳۴ ذکر کیا ہے، جن کے بارے میں براہین رضوی میں وضاحت کر دی گئی تھی، مگر علیزئی لکھتا ہے کہ ”ان سوالات کے جوابات کا قرض رضا خانیوں کے ذمہ واجب الاداء ہے۔“

علیزئی صاحب! کچھ ہوش کے ناخن لیں، جس کا قرضہ دینا ہو اس کا قرض ادا کئے بغیر اسے مقروض نہیں کیا جاسکتا، پہلے اس کی طرف سے اپنے سر پڑا قرض ادا ہوتا ہے، پھر اسے

مقروض بھی کیا جاسکتا ہے، جب جناب سے ہمارا قرض ہی ادا نہیں ہو سکا تو ہمیں مقروض قرار دینا، جناب کا بہت بڑا جھوٹ ہے، پہلے ہمارا قرض جو لامذہبوں کے خود ساختہ اصولوں کے مطابق ان کے سروں پر ہے اس سے تو بری ہو لیں، پھر مقروض کرنے کا بھی سوچنا، ابھی تو تمہارا یہ سوچنا ہی فضول و بیکار بلکہ تمہاری زبان و قلم کے مطابق باطل و مردود ہے۔

قول علیزئی: اس کے بعد علیزئی لکھتا ہے کہ: ”آخر میں اہل حدیث کے جوابات پر بعض البریلویہ کے معارضات کا مختصر و مدلل رد پیش خدمت ہے۔“ (الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۳۷)

**جواب: اولاً:** علیزئی کا ہماری طرف سے دیے گئے جوابات کو معارضات کہنا ہی اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ہم نے تو لامذہبوں کے بنائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں سوالات کئے تھے اور انہی کے مطابق علیزئی کی طرف سے دیے گئے جوابات کا رد بھی لکھا تھا، مگر حقیقت سامنے آنے کی وجہ سے علیزئی سمجھ گیا تھا کہ اس کا جواب تو میں دے نہیں سکتا لہذا اسے معارضات سے تعبیر کر کے اپنی جان چھڑالوں تو بہتر ہے، پس اس نے ان اصولی جوابات کو معارضات لکھ دیا۔

ثانیاً: علیزئی کا لکھنا کہ: ”مختصر و مدلل“ یہ بھی ان کے گھر کی حقیقت کا آئینہ دار لگتا ہے کہ اب بیچاروں کو علم ہو چکا ہے کہ ان جوابات کا کوئی جواب الجواب ہمارے پاس نہیں، لہذا اپنی جان چھڑانے کے لئے بے تکی تحریرات سے چند اوراق سیاہ کر ڈالو، بس۔

قول علیزئی اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”(۱) بعض الناس نے قنوت نازلہ والی حدیث کے بارے میں لکھا ہے: ”لیکن ساتھ ہی اس کا منسوخ ہونا حکم ربانی اور اس کا ترک کر دینا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔“ عرض ہے کہ قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے منسوخ یا



مترک نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ ﷺ جن کفار اور قبائل کا نام لے کر ایک مہینہ قنوت پڑھتے رہے، اس سے منع کر دیا گیا جیسا کہ علامہ نووی نے لکھا: ”یعنی الدعاء علی هذه القبائل“ یعنی ان قبائل پر بدعا کو آپ نے ترک کر دیا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ۵/۸ تحت ج ۵)۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ صفحہ ۳۷-۳۸)

### لطیفہ

علیزئی لکھتا ہے کہ: ”قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے منسوخ یا مترک نہیں ہوا“۔ جو اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ قنوت نازلہ علیزئی کے نزدیک مذکر ہے۔ جبکہ علیزئی کی مسلکی و مذہبی داؤدی پارٹی والا لکھتا ہے کہ: ”اہل حدیث کا موقف یہ ہے کہ کسی مصیبت کے وقت پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنی سنت ہے۔“ (دین الحق بجاوا الحق ۱/۴۴۲)

اسی طرح عبدالرؤف سندھو نے لکھا ہے کہ:

”لہذا اصحابہ کے عمل سے بھی وتر میں قنوت قبل الركوع ثابت ہوئی۔“

(صلوۃ الرسول ﷺ تخریج و تعلیق، عبدالرؤف سندھو، صفحہ ۴۰۰)

مذکورہ بالا دونوں علیزئی کے ہم مسلکوں و مذہبوں کی عبارات سے معلوم ہوا کہ لفظ قنوت مؤنث ہے، گویا ابھی تک لا مذہبوں کو اس لفظ کے بارے میں ہی کنفرم نہیں ہوا کہ یہ مؤنث ہے یا مذکر۔

خیر! اردو لغت کی کتاب ”فیروز اللغات، ص ۹۶۴“ پر اس لفظ کو لکھ کر اس کے بارے میں لکھا ہے کہ: ”قنوت ع۔ ا۔ مٹ۔“

اب فیصلہ تو قارئین کر ہی لیں گے کہ علیزئی کی علمی قابلیت کتنی ہے؟۔

اولا: علیزئی صاحب! کیا جناب کو یہ جواب لکھتے ہوئے شرم نہیں آئی، کیونکہ اپنے متعلق تو کہتے ہو کہ: ”قابل مسموع (صرف وہی جواب) ہوگا جس میں سارے مضمون کو نقل کر کے اس کے ہر سوال کے مطابق جواب لکھا جائے۔“

(الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ ص ۷۳، مقالات ج ۲ ص ۱۰۹)

کیا براہین رضوی میں تمہارے سوال کے جواب میں صرف اتنی ہی عبارت لکھی گئی تھی؟ براہین رضوی کا جواب لکھتے وقت تم نے اس سے پوری ایک سطر بھی نقل نہیں کی اور اس کا جواب لکھنے بیٹھ گئے، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جب براہین رضوی سے تم نے اپنے جواب کا جواب پڑھا تو بول خطا ہو گیا ہوگا، مگر ”مرتا کیا نہ کرتا“ کے مصداق۔ جناب نے اس سے ایک سطر بھی مکمل نقل نہ کی اور کہنے لگے کہ میں نے براہین رضوی کا جواب دے دیا ہے۔ میرے گمان میں علیزئی نے یہ کام کیا بھی اس لئے ہی ہے تاکہ اپنوں کو یہ کہہ سکوں کہ میں نے اس کا جواب دے دیا ہے۔

مگر زئی جی! یاد رکھنا کہ اس کو پڑھنے والے صرف جناب کے اپنے ہی نہیں ہوں گے کہ جناب کی بے تکی باتوں کو پڑھ کر ہی مان لیں، جو بھی اہل علم و دانش اس کو دیکھیں گے تو انہیں ہنسی ضرور آئے گی کہ سارے مضمون کا جواب قابل مسموع سمجھنے والا خود کیا گل کھلا رہا ہے۔ براہین رضوی میں علیزئی کے جواب میں تقریباً چھ صفحات سے بھی زیادہ لکھا گیا تھا، مگر زئی نے ملا جلا کر ڈیڑھ سطر کو لیا اور لگے بے ہنگم و بے بنیاد شور مچانے کہ میں نے جواب لکھ دیا ہے، واہ! میرے مولا تیری شان۔

ثانیا: علیزئی نے جواب لکھتے ہوئے اپنا آپ ہی رد کر دیا۔ دلیل دی تھی کہ: ”سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔۔۔ متن حدیث۔۔۔“ پس یقیناً میں نے دیکھا، رسول اللہ ﷺ



جب صبح کی نماز پڑھتے، دونوں ہاتھ اٹھاتے، ان (کافروں) پر (ہلاکت و تباہی) کی دعا فرماتے، (مقالات ج ۲ ص ۱۰۰)

بیان کردہ روایت کے ترجمے میں علیزئی نے دو مقامات پر بریکٹ میں (کافروں) اور (ہلاکت و تباہی) کے الفاظ لکھے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ روایت جو علیزئی نے جواب میں لکھی تھی اس کا تعلق کفار پر ہلاکت و تباہی کی دعا کرنے سے ہے، اور علیزئی کا اب لکھنا کہ: ”بلکہ رسول اللہ ﷺ جن کفار اور قبائل کا نام لے کر ایک مہینہ قنوت پڑھتے رہے، اس سے منع کر دیا گیا۔“ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ علیزئی مان گیا ہے کہ جو دلیل میں نے قائم کی تھی اس فعل سے رسول اللہ ﷺ کو منع فرما دیا گیا تھا، پس جس فعل سے منع کر دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا وہ منسوخ یا متروک نہیں تو کیا ہوگا؟۔

باوجود علم ہونے کے کہ وہ فعل رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی ترک فرما دیا تھا اور اس کے بعد اس کو نہیں کیا، (اگر کیا ہے تو دلیل پیش کرو) اس سے استدلال کرتے ہوئے قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کی دلیل بنانا جناب جیسے لامذہبوں کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

ثالثاً: راقم الحروف نے صحیح بخاری کی روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے پیش کی تھی کہ وہ قنوت نازلہ جس سے جناب استدلال پیش کرنے کی کوشش میں ہیں ایک ماہ کے بعد آپ ﷺ سے ثابت کرنے والا بقول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کذاب ہے، اب بنیں کذاب اور کریں ثابت کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد بھی کفار پر ہاتھ اٹھا کر بعد از رکوع ان کی تباہی و ہلاکت کے لئے دعا کی ہو۔

رابعاً: علیزئی صاحب! راقم الحروف نے تو صحیح بخاری و مسلم کی صحیح، صریح حدیث پیش کی تھی، مگر اب جناب لگے ہیں امام نووی، امام بیہقی و حازمی، رازی، شرنبلالی حنفی، طحاوی، محمد

امجد علی رضوی اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال غیر متعلقہ پیش کرنے۔

کیا مان گئے ہیں کہ اصل مسئلہ میں ہمارے پاس دلیل کے لئے کوئی بھی صحیح، صریح، مرفوع حدیث موجود نہیں ہے؟۔ ظاہری اعلان نہ کریں تو آپ کی مرضی، مگر جناب کا آئمہ حدیث، تفسیر اور فقہ کی طرف رجوع اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ اس کا جواب جناب سے نہیں بن پڑا اور نہ ہی بن سکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

باقی جس قنوت نازلہ مذکورہ کو آئمہ و علماء نے جائز قرار دیا ہے کیا اس کی ہیئت و طریقہ اور وہ قنوت نازلہ جس کے بارے میں راقم الحروف نے براہین رضوی میں بخاری و مسلم کی روایت پیش کر کے ترک و منسوخ کا ذکر کیا تھا ایک ہی ہے؟، ذرا اس کی وضاحت بھی کر دینا خامساً: براہین رضوی میں راقم نے انہی کے گھر کی ایک شہادت پیش کی تھی جس کا ذکر تک علیزئی نے نہیں کیا اور نہ ہی اس کے جواب کے بارے میں غور و غوض کیا، ملاحظہ ہو وہی عبارت مع اسم مصنف و کتاب: ”ناظرین! وتر کی دعائے قنوت میں بھی صرف آداب دعا کی وجہ سے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں ورنہ حدیث میں اس کا کوئی ثبوت ذکر نہیں ہوا۔ لہذا دعا میں ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں شامل ہے ورنہ ترووں میں بھی نہ اٹھائے جائیں۔

(بشیر الرحمن سلفی، روح عبادت الدعاء ص ۱۸)

ع اس گھر کو لگ گئی آگ گھر کے چراغ سے

بشیر الرحمن سلفی لامذہب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز وتر کی دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں، لہذا ہمارا سوال ابھی تک قائم و دائم ہے بلکہ انہی کے گھر سے (کی) تائید بھیہر کھتا ہے۔ (دیکھئے براہین رضوی ص ۳۲)

اسی طرح عبدالرؤف سندھو صاحب کے حوالہ سے بھی ”صفحہ ۳۰“ پر ایک عبارت لکھی گئی تھی



مگر اس کی طرف بھی علیزئی صاحب کے قلم و ذہن نے حرکت کرنے سے گریز کیا، آخر کیوں؟

صرف اس لئے کہ حقیقت لوگوں کے سامنے نہ آجائے کہ وہابی، نجدی، غیر مقلد، لاندہب، بے زبان و بے کلام خود ہی اس مسئلہ میں متردد ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اس کی احادیث مبارکہ میں کوئی دلیل نہیں اور کوئی ادھر ادھر کی ٹانگ ٹوئیاں مار کر اسے ثابت کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہے۔

قول علیزئی: لکھتا ہے کہ: ”ثابت ہوا کہ یہ کہنا: ”قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے منسوخ و متروک ہو گیا تھا۔“ غلط ہے، لہذا قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے منسوخ نہیں اور جب منسوخ نہیں تو پھر حدیث مذکور میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانے کے جواز پر استدلال بالکل صحیح ہے۔“ (الحديث: ۸۶، صفحہ ۳۹)

**جواب:** اولاً: براہین رضوی کے صفحہ ۲۶ سے لے کر ۳۲ تک پہلے سوال کے بارے میں تحریر موجود ہے مگر علیزئی نے جو الفاظ لکھے ہیں یہ مجموعہ الفاظ کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ علیزئی نے نہ صرف یہاں بددیانتی سے کام لیا ہے بلکہ حق کا خون ناحق بھی کیا ہے، علیزئی کے نزدیک معتمد علیہ عالم ارشاد الحق اثری نے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

”ولا يجوز تغيير المصنف وان كما بمعناه“ کہ تصنیف شدہ کتاب کے الفاظ کو بدلنا جائز نہیں اگرچہ بالمعنی ہی کیوں نہ ہوں۔“ (احادیث ہدایہ، ص ۸۷)

کیوں جناب! خائن، محرف جیسے الفاظ اگر جناب کے لئے استعمال کر دیئے جائیں تو برا مت منائیے گا بلکہ اپنے ارشاد الحق اثری صاحب کے منہ لگنا کہ یہ آپ نے کیا لکھ دیا۔

نوٹ: علیزئی صاحب! اس عبارت کو کتابت و کمپوزنگ کی غلطی نہ کہنا، یہ ثابت کرنا بہت مشکل ہوگا۔

ثانیاً: براہین رضوی میں جہاں ”ہمیشہ“ کا لفظ ہے وہاں عبارت یوں ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ تو ایک ماہ ایک عمل کریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے تحت اس کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں اور جناب اپنے حواریوں کو ساری زندگی کرنے کے دلائل فراہم کریں، کیا یہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع ہے؟۔“ (براہین رضوی، ص ۲۸، ۳۰)

علیزئی صاحب! اگر جناب کی تحقیق کے دانے ختم نہیں ہوئے تو اپنے ہی بقول مرد میدان بنیں اور رسول اللہ ﷺ سے ترک کے بعد ثابت کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر عام دعا کی طرح دعائے قنوت پڑھی ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیچھے آمین، آمین پکارا ہو، یاد رکھیں آپ کو موت آسکتی ہے، نجدیت و وہابیت کا جنازہ نکل سکتا ہے، مگر یہ ثابت نہیں ہو سکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

ثالثاً: براہین رضوی میں جہاں ”ترک اور منسوخ“ کا ذکر ہے وہ عبارت یوں ہے کہ: ”ایک ماہ نبی اکرم ﷺ سے بعد از رکوع قنوت نازلہ پڑھنا ثابت، لیکن ساتھ ہی اس کا منسوخ ہونا حکم ربانی اور اس کا ترک کر دینا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔“

(براہین رضوی، ص ۲۸، ۳۰)

علیزئی صاحب! اگر جناب کو اپنی تحقیق پر بڑا ہی ناز ہے تو وہ روایت جو اقم المحروف نے صحیح بخاری اور مسلم کے حوالے سے قنوت نازلہ کے ترک کے بارے میں نقل کی تھی، اس کا جواب دیں؟۔

رابعاً: علیزئی کا لکھنا کہ: ”جب منسوخ نہیں تو پھر حدیث مذکورہ میں دعا کی طرح ہاتھ



اٹھانے کے جواز پر استدلال بالکل صحیح ہے۔

علیزئی صاحب! جناب کے کہنے سے تو بات نہیں بنے گی، دلیل دیں کہ ترک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بعد از رکوع ہاتھ اٹھا کر عام دعا کی طرح دعائے قنوت پڑھی ہو، مگر یہ ہو نہیں سکے گا، جب اصل ہی ثابت نہیں کر سکتے تو جواز کے لئے استدلال بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ بالکل صحیح نہیں بلکہ کالا جھوٹ ہے کیونکہ جناب کے ہی عبدالرؤف صاحب نے ”وتر میں دعاء قنوت رکوع سے قبل یا بعد“ کی تحقیق کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

”خلاصہ رسول اللہ ﷺ کے قول فعل اور صحابہ کے عمل سے قنوت قبل الركوع ہی ثابت ہے“ پس جب وتروں میں قنوت قبل الركوع ہی ثابت ہے تو جناب بعد الركوع والی روایت سے استدلال کیسے صحیح قرار دے رہے ہیں!۔

علیزئی صاحب! ایک مرتبہ پھر ہمارا سوال پڑھیں:

”ہمارا سوال ہے کہ۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز وتر میں بعد از رکوع عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے یا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے؟“ ابھی تک اپنی جگہ قائم ہے جس کا علیزئی اور لامد ہوں کے پاس کوئی جواب نہیں، ان شاء اللہ۔ (براہین رضوی ۳۱) قول علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”مشہور ثقہ تابعی امام ابو قلابہ الجرمی الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۴ھ) قنوت میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۴۱ و سندہ حسن)“ (الحديث، شماره ۸۶ صفحہ ۳۹)

**جواب:** اولاً: یہ اثر غیر متعلقہ ہے کیونکہ اس میں نہ تو وتروں کا ذکر ہے اور نہ ہی اس بات کی وضاحت کہ رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد، لہذا علیزئی کا ہمارے سوال کے جواب

میں اس اثر کو نقل کرنا اپنے نامہ اعمال کی طرح رسالہ کے ورق سیاہ کرنے کے مترادف ہی ہے۔

ثانیاً: یہاں علیزئی نے تابعی کے فعل کو پیش کر دیا مگر شرم نہیں آئی، دوسرے کوتاہ بین کے قول ذکر کرنے کی وجہ سے عکرمی کے طعنہ دینے والا اپنے آپ کو قلابی کہلوانا پسند کرے گا؟ ☆ اس کے بعد علیزئی نے امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہما کے عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: قول علیزئی ”عرض ہے کہ یہ عمل مذکورہ حدیث (صحیح ابی عوانہ اور الحدیث حضور: ۵۶ ص ۳۹) کے موافق ہے، لہذا جواز ثابت کرنے کے لئے کافی اور نومولود فرقہ رضا خانیہ پر ہمیشہ کے لئے حجت قاطعہ ہے۔“

(الحديث، شماره ۸۶ ص ۳۹)

اولاً: علیزئی صاحب! پہلے اپنی بریکٹ سے پہلی اور بریکٹ والی عبارت پر غور کریں۔

ثانیاً: یہ جس موافقت کا دعویٰ ہے پہلے اس کو تو سوال کے مطابق ثابت کریں پھر موافقت میں آئمہ کے افعال و اقوال بھی پیش کر لینا، جب اصل سے ہی سوال کا جواب نہیں بن سکا تو ان آئمہ کے اقوال کیسے جواز میں پیش کر رہے ہیں، امام اسحاق بن راہویہ کے عمل کو البانی نے قبل الركوع لکھا (دیکھئے ارواء الغلیل ۲/۷۱، صفحہ صلاۃ النبی ﷺ ص ۸۸ تحت حاشیہ: ۴) جب کہ سوال بعد الركوع کا ہے، علیزئی صاحب ان کو حجت قاطعہ بنانے کے لئے پہلے اصل کا ثبوت فراہم کریں، وہ آپ تو کیا آپ کی آنے والی نسلیں بھی ثابت نہیں کر سکیں گی، ان شاء اللہ العزیز۔

کیا پدی اور کیا پدی کا شور با

ثالثاً: علیزئی نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں مبارکپوری کے اجتہاد کو خطا قرار دے



رجس اپنے شیخ کے اجتہاد کو رائج قرار دیا ہے، وہی البانی لکھتا ہے کہ:

”و سئل أحمد رحمه الله عن القنوت في الوتر قبل الركوع أو بعده؟ وهل ترفع الأيدي في الدعاء في الوتر؟ فقال: القنوت بعد الركوع ويرفع يديه وذلك على قياس فعل النبي ﷺ في الغداة -

قلت: وفي صحة هذا القياس نظر عندى وذلك أنه قد صح عنه صلى الله عليه وآله وسلم أنه كان يقنت في الوتر قبل الركوع كما يأتي بعد حديث و يشهد له آثار كثيرة عن كبار الصحابة كما سنحقيقه في الحديث الآتي باذن الله تعالى وغالب الظن أن الحديث لم يصح عند الامام أحمد رحمه الله فقد أعله بعضهم كما يأتي ولولا ذلك لم يلجأ الامام الى القياس فانه من أبغض الناس له حين معارضته للسنة“ - (ارواء الغليل ٢/ ١٦٤)

کیوں جناب! آپ نے جس کے قول کو مبارکپوری کے قول پر ترجیح دی اسی نے جناب کا بول خطا کر دیا اور جناب کو سر بازار رسوا کر دیا؟

پس معلوم ہوا کہ آپ کا قنوت نازلہ پر قیاس آپ کے اپنے محدث کے نزدیک ہی درست نہیں تو ہم کس طرح جناب کے قیاس کو تسلیم کر لیں، جبکہ آپ کے بزرگ تو قیاس کو ویسے ہی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

قول علیزئی اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”کیا کسی رضا خانی میں یہ جرأت ہے کہ اہل سنت کے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے عمل کو بدعت، ناجائز یا حرام قرار دے؟ کیا زمانہ خیر القرون میں کسی ایک سنی عالم نے ابو قلابہ، امام احمد اور امام اسحاق وغیرہم کا مسئلہ مذکورہ میں رد کیا ہے؟ حوالہ پیش کریں۔! (الحديث: شماره ٨٦ ص ٣٩)

جواب: اولاً: امام اہل محبت، محدث بریلوی احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متوسلین کو یہ سبق نہیں دیا کہ اپنے ہی اسلاف کو بدعتی اور مشرک قرار دیتے رہو بلکہ آپ نے تو ان سے محبت والفت کا درس دیا ہے۔

الحمد للہ! ہم تو امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بدعتی ہونے کا فتویٰ نہیں دے سکتے اور نہ ہی دیتے ہیں مگر تمہارے لاندہب، نجدی، وہابی، غیر مقلد اور تم بذات خود انہیں بدعتی ہی قرار دیتے ہو، جیسا کہ عمرو بن عبد المنعم بن سلیم نے اپنی کتاب میں لکھا اور آپ جناب نام نہاد محقق و محدث دورانِ علیزئی نے ہی اس کا ترجمہ کیا، اور جسے ”عبادات میں بدعات اور سنت نبوی سے ان کا رد“ کے نام سے شائع کروایا، اس کے صفحہ ۳۰۱ سے ۳۰۶ تک ”تعریف: یعنی عرفات کی ریس“ کے موضوع پر بحث موجود ہے جس میں تمہارا ترجمہ کئے ہوئے الفاظ ہیں کہ:

”تاہم دوسرے لوگوں کے لئے دعا و استغفار کے لئے اس دن جمع ہونا بری بدعت ہے بلکہ عرفات کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر اس طرح جمع ہونا بذات خود بدعت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔“

(عبادات میں بدعات، صفحہ ۳۰۲، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء)

مصنف کتاب کے بقول تعریف کے لئے جمع ہونا بری بدعت ہے اور اسی کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواز کے قائل ہیں، تو مفہوم کیا نکلا؟

یہی کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ مذکورہ لاندہب کے نزدیک بدعتی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک پس معلوم ہوا کہ لاندہب جو اہل سنت کہلوانے کے لئے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اہل سنت کا امام لکھ کر اپنا امام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں امام لکھنے کے باوجود ان



کے بدعتی (بدعت بھی ایسی جو بری ہے) ہونے کے بھی قائل ہیں۔

راقم الحروف! علیزئی کو صرف اس کتاب کا ترجمہ کرنے اور اس کے بارے میں اپنی طرف سے کوئی کلام ذکر نہ کر کے سکوت کی وجہ سے مورد الزام تو نہیں ٹھہراتا مگر کچھ کچھ کالا ضرور محسوس ہوتا ہے، کیونکہ علیزئی نے اس کے بعد ”حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان (جنہوں نے تعریف کو بدعت کہا) کے قول کے بارے میں حاشیہ میں لکھا کہ: ”حسن، ایضا (۱۴۲۷) اس کی سند ضعیف ہے، لیکن اس کے متعدد شواہد ہیں دیکھئے (۱۴۲۷)۔“

(ایضاً، ص ۳۰۳)

گویا کہ علیزئی کی تحسین اس بات کی آئینہ دار ہے کہ وہ بھی اس عمل کو بدعت سمجھتا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں، لہذا اس کے اپنے نزدیک بھی بدعتی قرار پائے

آپ بی بی کو کاں، مہنے دیوے لو کاں

اوروں کو نصیحت، خود میاں فصیحت

اس مسئلہ (تعریف) کے بارے میں راقم الحروف نے اپنے رسالہ ”بدعت“ (غیر مطبوع، اللہ عز وجل اس کی اشاعت کے اسباب پیدا فرمادے، آمین) میں ثابت کیا ہے کہ یہ عمل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بصرہ میں صحیح سند کے ساتھ کرنا ثابت ہے، جس کی بنیاد پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں۔

نوٹ: ابھی آگے چلے تو سہی! اسی کتاب کے آخر پر جو بدعات تم نے سعید بن عزیز یوسف زئی کے حوالہ سے لکھی ہیں ان کے مطابق راقم الحروف تمہارا بدعتی ہونا بھی تمہارے اقوال کے ساتھ واضح کرے گا کیونکہ ختم بخاری کروانے والے بدعتیوں کی محفلوں میں تمہارا آنا جانا بھی ہمارے علم میں ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

ثانیا: جس ذات کی وجہ سے اس زمانہ کو خیر القرن ہونے کا شرف حاصل ہوا، جب ان نبی مکرم ﷺ سے و تروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں ہے تو تمہارا لاندہ بھوں کا اپنے قائم کردہ اصولوں کے مطابق ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہی قرار پائے گا کیونکہ تمہارے ہی عبدالرؤف سندھو صاحب لکھتے ہیں کہ: ”یہ کلام تو تھی تکبیر سے متعلق رہا ہاتھ اٹھانا تو اس بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ میں بعض آثار تو ضرور ملتے ہیں مگر کوئی مرفوع روایت نہیں لہذا قرأت سے فراغت کے بعد بغیر تکبیر کہے اور ہاتھ اٹھائے قنوت پڑھنی چاہیے۔۔۔۔۔“

(صلوۃ الرسول ﷺ، تخریج و تعلق: عبدالرؤف سندھو، ص ۴۰۱)

قول علیزئی علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”(۲) ”سنن دارقطنی والی روایت موقوفہ اور مرفوعہ دونوں طرح مروی ہے اور دونوں سندوں سے صحیح ہے، نیز ”و زیادة الثقة مقبولة“ کی عبارت میں امام دارقطنی کے موقف کو ”وهو الصواب“ قرار دیئے کا ہماری طرف سے کافی وشافی جواب ہے۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۳۹-۴۰)

جواب: اولاً: علیزئی کا ”سنن دارقطنی“ لکھنا جھوٹ ہے یا نرم لفظوں میں غلط بیانی ہے، جو روایت علیزئی نے پیش کی تھی وہ ”سنن دارقطنی“ کے حوالہ سے نہیں بلکہ ”العلل للدارقطنی ج ۱۳ ص ۲۲ مسئلہ ۲۹۰۸“ کے حوالہ سے تھی ملاحظہ ہو: ”مقالات، ج ۲ ص ۱۰۱“ مگر ہماری طرف سے دیئے گئے جوابات کو پڑھ کر علیزئی کے ہوش ہرن ہو گئے، اوسان خطا ہو گئے کہ اسے یہی علم نہیں رہا کہ میں نے ”سنن دارقطنی“ سے روایت لکھی تھی یا کہ ”علل دارقطنی“ سے، کیا مختل الحواس ہونا کچھ اور ہوتا ہے؟۔



علیزئی صاحب! بے جا خفا ہونا اچھا نہیں ہوتا جب جناب ہیں ہی تخیل الحواس، حواس باختہ، فائر العقل تو راقم الحروف کے لکھنے کی وجہ سے کیوں سیخ پا ہو گئے تھے؟

ثانیا: علیزئی کا ہی امام و محدث عبدالرحمن مبارکپوری امام دارقطنی کی علل کی دونوں سندوں پر مطلع ہونے کے باوجود لکھتا ہے کہ: ”قلت: لم أجد حديثا مرفوعا صحيحا في هذا الباب“۔ (تحفة الأحمدي ج ۴ ص ۱۶۳)

یعنی میں کہتا ہوں کہ میں نے اس باب میں کوئی بھی مرفوع صحیح حدیث نہیں پائی۔

پس معلوم ہوا کہ علیزئی کے مسلک کے محدث مبارک پوری کے نزدیک امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علل میں جس سند سے اس روایت کے مرفوع ہونے کا ذکر کیا ہے، وہ صحیح نہیں، تبھی تو اس نے لکھ دیا کہ اس باب میں مجھے کوئی بھی صحیح مرفوع روایت نہیں ملی، مگر علیزئی اسے مرفوعاً صحیح ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے، فیا للعجب۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے

اس گھر کو لگ گئی آگ گھر کے چراغ سے

ثالثا: علیزئی کے محدث البانی نے لکھا ہے کہ:

”قلت: ولم نجد في السنة ما يدل على مشروعية الرفع في غير التكبيرة الأولى، فلا نرى مشروعية ذلك، وهو مذهب الحنفية وغيرهم، واختاره الشوكاني وغيره من المحققين و إليه ذهب ابن حزم فقال: (۳) واما رفع الأيدي فإنه لم يأت عن النبي ﷺ أنه رفع في شيء من تكبيرة الجنازة الا في أول تكبيرة فقط فلا يجوز فعل ذلك، لانه عمل في الصلوة لم يأت به

نص“ (۱) (احکام الحائز، ص ۱۱۶)

علیزئی جی! اپنے چودہویں پندرہویں صدی کے سلف کی بات کو ہی تسلیم کر لینا تھا جس کے مقابلہ میں پہلوں کا رد کر رہے ہو، اگر جناب کے تلووں کو آگ نہ لگے، تو سنئے اس البانی نے اگر وضع الیدین میں ایسا قیاس ظاہر کیا ہے تو یہ بمصداق: ”آگ لگنے پر کنواں کھودنا“ ہے رابعا: علیزئی کے ہی علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ: ”والحاصل انه لم يثبت في غير التكبيرة الأولى شيء يصلح للاحتجاج به عن النبي ﷺ وأفعال الصحابة وأقوالهم لا حجة فيها فينبغي أن يقتصر على الرفع عنه تكبيرة الأحرام۔

(نیل الأوطار ۴/۱۰۲)

اور حاصل کلام یہ ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے رسول اللہ ﷺ سے کوئی شے (حدیث) ایسی نہیں جس سے احتجاج کیا جاسکے۔ باقی رہے اقوال و افعال صحابہ، وہ ویسے ہی حجت نہیں ہیں، لہذا چاہیے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کیا جائے۔

پس مذکورہ بالا روایت علیزئی کے مذہبی اماموں کے نزدیک تو مرفوعاً صحیح ثابت نہیں تھی، مگر علیزئی ہے کہ اسے مرفوعاً بھی صحیح ثابت کرنے پر بضد ہوا بیٹھا ہے۔

یہ کس مقام پہ لائی ہے زندگی آپ کو

جہاں سے لوٹنا ممکن نہیں ہے آپ کا

☆ اس کے بعد علیزئی نے محمد حسین بن مالوی و بابی، بخاری، لا مذہب، غیر مقلد سے اہل حدیث کے دستور العمل کی بات کی جس کا جواب پچھلے اوراق میں گزر چکا اور شوکانی کی عبارت کا مفہوم بھی اسی لئے بیان کر دیا گیا ہے کہ قارئین کو بھی علم ہو سکے کہ آثار سلفیہ کا نام لینے والوں کے اسلاف کون ہیں؟ جن کے آثار کو یہ معیار تسلیم کرتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و افعال تو بقول شوکانی بھی ان کے لئے حجت نہیں، پھر وہ اسلاف



کوئی اور ہی ہوں گے جن کے آثار کو یہ معیار بنائے بیٹھے ہیں۔

قول علیزنی علیزنی نے لکھا ہے کہ: ”(۳) رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ آٹھ سال کے بعد (بھی) پڑھی تھی، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے اور کسی صحیح حدیث میں اُحد جا کر یہ نماز پڑھنا (جو نماز حدیث نبوی میں مذکور ہے) ثابت نہیں، لہذا چودھویں صدی میں نومولود فرقے کے رضا خانی کا اعتراض مردود ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث پر ”باب الصلوٰۃ علی الشہید“ باندھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس حدیث سے شہید کا جنازہ پڑھنا ثابت ہے (ح ۱۳۴۳) اور ”صلوٰۃ علی المیت“ کے الفاظ سے نماز جنازہ کا واضح ثبوت ملتا ہے نہ کہ صرف بریلویوں کی مروجہ دعا کا؟۔ اور ”ثم انصرف الی المنبر“ میں غائبانہ جنازے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ منبر تو مسجد میں ہوتا ہے اور اُحد میں منبر کے وجود کے لئے اس حدیث کی کسی سند میں (ہمارے علم کے مطابق) کوئی صریح دلیل موجود نہیں ہے۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۳۰-۴۱)

**جواب:** اولاً: قارئین کرام! آپ نے ابن الوقت اشخاص کے بارے میں کئی مثالیں سنی ہوں گی مگر علیزنی جیسا ابن الوقت شاید ہی آپ کو نظر آئے کیونکہ یہاں پر یہ شہید کی غائبانہ نماز جنازہ ثابت کرنے کے موڑ میں ہے مگر اس نے خود ہی صادق سیالکوٹی غیر مقلد کے کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر تحقیق و تخریج کا کام کیا جس کا نعمانی کتب خانہ سے شائع کردہ نسخہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں اس کے بزرگ صادق سیالکوٹی نے لکھا ہے کہ:

”حضور انور ﷺ نے شہیدوں کو خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا۔ اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی اور نہ ان کو غسل دیا۔ (بخاری شریف) معلوم ہوا کہ شہید کو بغیر غسل اور جنازہ پڑھنے کے بغیر دفن کرنا چاہئے۔ (سبحان اللہ) شہید اللہ کے نزدیک کس قدر پاک اور طاہر ہے۔“

(اس کی تخریج میں علیزنی حاشیہ لگا کر لکھتا ہے کہ: ”صحیح بخاری: الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید حدیث ۱۳۴۳۔“

(تہذیب الوصول الی تخریج و تعلیق صلوٰۃ الرسول ﷺ ص ۳۵۷، حاشیہ ۳)

یہاں پر علیزنی اپنے بزرگ کی موافقت میں شہید کی نماز جنازہ کا منکر معلوم ہوتا ہے اور اس انکار پر صحیح بخاری کی ہی روایت سے استدلال کیا جا رہا ہے۔

ثانیاً: براہین رضوی کے جواب میں علیزنی نے لکھا ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ آٹھ سال کے بعد (بھی) پڑھی تھی“، جبکہ پہلے سوالات کے جوابات میں لکھا تھا کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے شہدائے اُحد پر آٹھ سال کے بعد نماز جنازہ پڑھی تھی“ (دیکھئے مقالات، ج ۲ ص ۱۰۱) دونوں عبارتوں میں فرق دیکھیں کہ پہلی عبارت ظاہر کر رہی ہے کہ پہلے بھی شہدائے اُحد پر نماز جنازہ پڑھی گئی جبکہ دوسری عبارت ظاہر کر رہی ہے کہ شہدائے اُحد پر آٹھ سال کے بعد ہی نماز جنازہ پڑھی تھی، ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں خیال آ جائے کہ جن شہیدوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی وہ کوئی اور ہوں، شہدائے اُحد پر پہلے نماز جنازہ پڑھی گئی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری کا جو حوالہ علیزنی نے جنازہ نہ پڑھے جانے کے بارے میں نقل کیا ہے اس روایت میں واضح موجود ہے کہ وہ شہدائے اُحد ہی تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الشہید، ح ۱۳۴۳، دارطوق النجاة)

ثالثاً: علیزنی کا یہ لکھنا کہ: ”امام بخاری نے اس حدیث پر ”باب الصلوٰۃ علی الشہید“ باندھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس حدیث سے شہید کا جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔ (ح ۱۳۴۳) علیزنی صاحب! کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وہ حدیث جس کا جناب نے ”تہذیب الوصول“ میں حوالہ درج کیا ہے کسی اور باب میں روایت کی ہے، وہ روایت بھی



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی باب میں لائے ہیں، لہذا جب ایک ہی باب میں امام بخاری دو روایتیں جمع کر رہے ہیں جن میں سے ایک میں آپ کے بزرگ کے بقول (آپ کی تائید کے ساتھ) شہید کا جنازہ نہ پڑھنا ثابت ہے جبکہ دوسری روایت جس میں بقول آپ کے جنازہ پڑھنا ثابت ہے تو کیا یہ تضاد نہیں؟ پھر جناب کا ”بھی“ تو مزید گل کھلا رہا ہے۔

رابعا: علیزئی صاحب! جناب اس روایت سے جو شہید کی غائبانہ نماز جنازہ ثابت کرنے بیٹھے ہیں وہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں صرف ان کے لئے دعا کرنا ہی ثابت ہے جس طرح میت کے لئے دعا کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو آپ کا اپنا بزرگ ہی اس روایت کا ترجمہ کر رہا ہے کہ:

”عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے (روایت ہے) کہ آنحضرت ﷺ ایک دن (مدینہ سے) باہر نکلے اور اُحد والوں کے لئے اس طرح نماز پڑھی (دعا کی) جیسے میت کے لئے کرتے تھے۔ پھر منبر کی طرف آئے، (اس پر چڑھے) فرمایا۔۔۔۔۔ الخ۔“

(صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۵۹۸، ترجمہ: وحید الزمان غیر مقلد)

علیزئی کے پیدا کردہ تمام احتمالات کا جواب اس کے اپنے مولوی کے ترجمہ سے ہی ہو گیا۔ خامسا: علیزئی کا لکھنا کہ: ”اور“ ”صلوٰۃ علی المیت“ کے الفاظ سے نماز جنازہ کا واضح ثبوت ملتا ہے نہ کہ صرف بریلویوں کی مروجہ دعا کا؟۔

یہاں پر نماز جنازہ کا ثبوت نہیں بلکہ میت کے لئے کی جانی والی عام دعا کی طرح کی دعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ایک صحابی نہیں بلکہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا درست ہوتا تو آپ ﷺ ان کی بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے مگر آپ ﷺ نے نہیں

پڑھی، جیسا کہ تمہارے ہی عبدالرؤف سندھو صاحب لکھتے ہیں کہ:

”حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی فوت ہوئے جو آپ ﷺ سے غائب تھے مگر آپ نے ان میں سے کسی ایک کی بھی غائبانہ نماز ادا نہیں کی۔ الخ (صلوٰۃ الرسول مع تخریج و تعلق، عبدالرؤف سندھو، ص ۳۸۹)

☆ علیزئی کا لکھنا کہ: ”نہ کہ صرف بریلویوں کی مروجہ دعا کا“۔

راقم الحروف کا غالب گمان یہ ہے کہ علیزئی نے اس سے مزاد جنازہ پڑھ لینے کے بعد قبل از دفن کی جانے والی دعا مراد لی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علیزئی کے بقول ہی یہ دعا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے، علیزئی سے نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ کے متعلق سوال ہوا، جس کا جواب اس نے اپنے اسی رسالہ ”الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۴ تا ۷“ میں دیا اور اس بارے میں سب سے پہلے جو طویل روایت ذکر کی اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقہ نماز کا ذکر ہے جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: ”یدخل قوم فیکبرون ویصلون ویدعون ثم یخرجون ثم یدخل قوم فیکبرون ویصلون ویدعون ثم یخرجون حتی یدخل الناس۔“ ایک جماعت (حجرے میں) داخل ہوگی، پھر وہ تکبیر کہیں گے، نماز جنازہ پڑھیں گے اور دعا کریں گے پھر باہر نکل جائیں گے پھر دوسری جماعت داخل ہوگی تو تکبیر کہیں گے اور نماز جنازہ پڑھیں گے اور دعا کریں گے، پھر باہر نکل جائیں گے۔۔۔۔۔ الخ۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۴)

کیوں جناب علیزئی صاحب اہل سنت کا یہ عمل تو جناب نے خود ہی صحیح سند سے تسلیم کر لیا گو اس روایت کو لکھتے اور اس کی تصحیح کرتے ہوئے جناب کا ذہن اس طرف نہ گیا ہوگا کہ میں



ایک ایسا مسئلہ ثابت کر رہا ہوں جس کی وجہ سے ہم اہل سنت پر اس عمل کی وجہ سے بدعتی ہونے کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ اب اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو واقع ہو گیا کہ کوئی ایک بھی انکار کرنے والا نہیں کہ اس نے کہا ہو یا انکار کیا ہو کہ باقی سب ٹھیک ہے مگر جنازہ کے بعد دعا نہیں کرنی اگر کوئی ہے تو تصحیح سند کے ساتھ حوالہ پیش کرو؟۔

سادسا: علیزئی کا لکھنا کہ: ”اور“ ثم انصرف الى المنبر ”میں غائبانہ جنازے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ منبر تو مسجد میں ہوتا ہے اور اُحد میں منبر کے وجود کے لئے اس حدیث کی کسی سند میں (ہمارے علم کے مطابق) کوئی صریح دلیل موجود نہیں ہے۔“

اگر اُحد میں منبر کے وجود کی کوئی صریح دلیل تمہارے علم میں نہیں تو اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے اُحد تشریف نہ لیجانے کی کوئی صریح روایت پیش کر دو؟

ورنہ ہمارے موقف پر تو تمہارے ہی بڑے کا ترجمہ شاید ہے کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے اور پھر منبر کی طرف تشریف لائے۔ صرف تمہارے احتمالات تو اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کیونکہ ایک جماعت جس میں تمہارے اپنے بھی شامل ہیں نے مراد اس سے دعا ہی لی ہے۔

علیزئی نے امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری کا حوالہ ذکر کیا ہے کہ: قول علیزئی ”یعنی حنفی نے اس حدیث (حدیث بخاری: ۱۳۳۳) سے نماز جنازہ مراد لی اور اُن لوگوں کا رد کیا جو اس سے صرف دعا مراد لیتے ہیں۔ (دیکھئے عمدۃ القاری ۱۵۶/۸) بلکہ عینی نے صرف دعا مراد لینے والوں کے بارے میں فرمایا: ”هذا ليس بانصاف“ اور یہ انصاف نہیں ہے (عمدۃ القاری ۱۵۶/۸) امام بخاری کے استدلال اور عینی وغیرہ کی موافقت کے بعد عراقی وغیرہ علماء کے اقوال سے استدلال صحیح نہیں اور جو لوگ صرف حقیقت

کے دعویدار ہیں، یوسفی یا شیبانی نہیں، ان کے لئے یہ استدلال جائز ہی نہیں، ورنہ انہیں چاہئے کہ رضا خانیت چھوڑ کر نووی، عسقلانی اور عراقی وغیرہم کی تقلید کرنے کا اعلان شائع کر دیں۔! (الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۴۱)

جواب: اولاً: امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے امام سرحی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دعا پر محمول فرمایا ہے اور امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ تمہاری طرح غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں، وہ تو قبور پر نماز کے قائل ہیں جیسا کہ انہوں نے اسی روایت کو ”البنایۃ فی شرح الہدایۃ، ج ۳ ص ۲۵۰“ پر ذکر کر کے اس سے قبور پر نماز پڑھنے پر استدلال کیا ہے۔

ثانیاً: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تمہارا یہ نسبت کرنا غلط ہے، اگر یہی مقصد ہے کہ انہوں نے اس باب میں یہ روایت بیان کی ہے تو ساتھ ہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری روایت جس میں شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے اسے بھی اسی باب میں بیان کیا ہے، پھر تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہوئے کہ شہداء پر نماز جنازہ پڑھی ہی نہ جائے اور ممانعت کی روایت بیان کرنے کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس روایت کو ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک ان پر نماز جنازہ تو نہ پڑھی جائے مگر ان کے لئے دعا کی جائے۔

ثالثاً: امام عراقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اقوال سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ یہ ایک لا مذہب کے خود ساختہ مسئلہ کے خلاف ہیں؟۔

علیزئی صاحب! یہاں جمہور کا لفظ جناب کو یاد نہیں رہا کہ جمہور کس طرف ہیں صرف اس لئے کہ اپنے لاندہوں کی حمایت کرنی ہے۔ اور ہاں اگر ہمیں غیر حنفی کے قول پیش کرنے کی وجہ سے نووی عسقلانی وغیرہما کی تقلید کا اعلان کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تو آپ بھی آئندہ



سے قلابی کہلوا کر یں کیونکہ اُس مسئلہ میں آپ کے پاس نبی اکرم ﷺ کی کوئی بھی صحیح، صریح، مرفوع روایت موجود نہیں ہے، اور نہ ہی کسی صحابی رسول ﷺ کا کوئی قول صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، پس ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ایک اثر ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا، تو پس جناب بھی آج سے قلابی ہونے کا اعلان کر دے، اور اپنے ہمنواؤں کو بھی قلابی کہلوانے کا مشورہ دے دیں۔

قول علی بن زنی علیہ السلام نے لکھا ہے کہ: (۴) ”ایک رضا خانی لاندہب نے لکھا ہے: ”نماز جنازہ سر اُڑھنا ہی سنت ہے، جہر اُنہ آپ ﷺ نے پڑھا اور نہ ہی۔۔۔“

(الحدیث، شمارہ ۸۶، صفحہ ۳۱)

**جواب:** قارئین کرام! ہمارا چوتھا سوال تھا کہ: ”ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز جنازہ میں امام دُعا کیں بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی صرف آمین، آمین پکاریں؟“ (دیکھئے براہین رضوی، ص ۳۵)

اس کے جواب میں علی بن زنی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت صحیح مسلم کے حوالہ سے پیش کی تھی جس کے جواب میں راقم الحروف نے براہین رضوی میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح مسلم کی شرح کے حوالہ سے لکھا تھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ: ”واما الدعاء فیسر بہ بلا خلاف وحينئذ يتناول هذا الحديث على ان قوله حفظت من دعائه أي علمنيه بعد الصلوة فحفظته۔“

(شرح مسلم للنووي ۳۱۱/۱)

اور جنازہ میں دُعا بالاتفاق سر اُڑھی جائے گی، پس اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ صحابی کا فرمانا کہ میں نے دُعا حفظ کر لی یعنی آپ ﷺ نے نماز جنازہ کے بعد مجھ کو دُعا سکھائی تو

میں نے اس کو حفظ کر لیا۔

اور اسی طرح علی بن زنی کے مسلکی بھائی عبدالرؤف سندھو سے اس کے متعلق لکھا تھا کہ جناب کا ہی ایک بھائی،۔۔۔ لکھتا ہے کہ: ”مگر اس حدیث سے حجت لینا محل نظر ہے کیونکہ مسند احمد (۲۳/۶) میں عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ ہیں ”ففهمت من صلواته عليه اللهم اغفر له۔۔۔“ یعنی میں آپ کی نماز سے یہ کلمات سمجھا۔ بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دھیمی آواز میں دعاء پڑھی ہوگی اور عوف بن مالک آپ ﷺ کے قریب کھڑے ہوں گے لہذا انہوں نے یہ دعاء سن لی، واللہ اعلم۔ نماز جنازہ کی دعاؤں کے بارے میں جو دوسری روایات ہیں ان سے بھی دعاؤں کو جہراً پڑھنے پر استدلال کیا جاتا ہے ان روایات سے بھی استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے جو عوف بن مالک سے استدلال کی نوعیت ہے۔۔۔۔۔ الحاصل: نماز جنازہ میں قرأت سر اُڑھنی چاہیئے کیونکہ اس بارے میں نص موجود ہے۔

(صلوة الرسول ۲۸۳-۲۸۴۔ اور دیکھئے براہین رضوی، ص ۳۶-۳۷)

اس کے بعد علی بن زنی کے ہی لاندہب بھائی محمد عبد فیروز آبادی کے حوالہ سے بھی لکھا تھا کہ: ”جمہور علماء سنی کے قائل ہیں امام شوکانی لکھتے ہیں:

”و ذهب الجمهور الى انه لا يستحب الجهر في صلاة الجنازة“۔ (نیل الاوطار ۶/۴)۔ اور حضرت ابن عباس والی حدیث کا جواب ظاہر ہے وہ خود فرما رہے ہیں: ”لم اقرأ أي جهر الا لتعلموا أنه سنة“۔ اور پھر حضرت ابوامامہ بن اہل سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص نے بتایا نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ آہستہ پڑھی جائے۔



**تذیہ:** حدیث کے الفاظ ”میں نے آپ سے یہ دعایا دکر لی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت یہ ادعیہ باواز بلند پڑھتے تھے، لیکن ملا علی قاری اس کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ اسرار بالدعا کی مندوبیت کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں جہراً (اگر ثابت ہو تب) پڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا۔ (احکام الجنائز ۱۹۱) (براہین رضوی، ص ۳۸)

مگر علیزئی نے ان میں سے کسی کا بھی جواب نہیں دیا، آخر کیوں؟

صرف اس لئے کہ اپنی سوچ و فہم کو ترجیح دینا اس کے سر پر سوار ہے، مگر اپنے رسائل و کتب میں جا بجا لکھتا ہے کہ جمہور کے قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، پس جب تمہارے اپنے بھی اس مسئلہ میں جمہور سے نماز جنازہ میں سر ہی نقل کر رہے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ تم اپنی تمام تحریرات کو اکثر بھول جاتے ہو، جیسا کہ دارقطنی کی ”العلل“ کو بخوبی الحواشی میں ”سنن“ بنا دیا ثانیاً: علیزئی کے مسلکی بھائی عبدالرؤف سندھو کے بقول سرائق پر نص موجود ہے اور علیزئی نص کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے چند دہائیوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے ہی فہم کو ترجیح دینے پر بضد ہے، جس میں نہ جمہور کا پاس اور نہ ہی حقیقت کا ساتھ۔

قول علیزئی اس کے بعد علیزئی ایک نئی دلیل دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ”عرض ہے کہ طلحہ بن عبد اللہ بن عوف (ثقة طابعی) نے فرمایا: ”صلیٰ خلف ابن عباس علی جنازۃ فقراً بفاتحة الكتاب وسورة وجهر حتی اسمعنا۔۔۔ فقال: سنة و حق“ میں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے ایک جنازے پر نماز پڑھی تو انہوں نے سورۃ فاتحہ اور ایک سورت جہراً پڑھی، حتیٰ کہ ہمیں سنائی۔۔۔ پس فرمایا: یہ سنت اور حق ہے۔ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۸۱ ۱۹۸۹ء، سندہ صحیح/ترقیم تعلیقات سلفیہ۔ جلیل القدر صحابی رضی

اللہ عنہ تو جہری نماز جنازہ کو سنت کہتے تھے، جبکہ لاندہب رضا خانی نے اپنی کتاب (براہین رضوی یعنی گالی نامے) کی عبارت مذکورہ میں اس حدیث کی مخالفت کر رکھی ہے، نیز ”سمعت“ یعنی میں نے سنا، سے بھی دعاؤں کا جہری ہونا ثابت ہے۔ یاد رہے کہ سمعت، فہمت اور حفظ میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ سنی، سچی اور یاد کر لی، لہذا یہاں بعض علماء کا بعید تاویل کرنا بے دلیل اور محل نظر ہے۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۱-۴۲)

**جواب:** اولاً: تابعین تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا ان سے سنا مگر یہ ”طابعی“ کیا ہوتا ہے، یہ کن لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے علیزئی صاحب ذرا اس کی وضاحت فرمائیں؟۔

اگر کہیں کہ یہ کمپوزنگ میں غلطی کی وجہ سے لکھا گیا ہے تو بھی درست نہیں کیونکہ کمپوزنگ میں عمومی طور پر ان پیچ میں (Phonetic Keyboard) استعمال ہوتا ہے اور اس میں ”ت“ ”ٹ“ کے ساتھ لکھا جاتا ہے جب کہ ”ط“ ”ص“ کے ساتھ۔ اور ”ت“ سب سے اوپر والی لائن میں ہوتا ہے جبکہ ”ص“ سب سے نچلی لائن میں۔

ثانیاً: قطع نظر اس کے کہ علیزئی نے اپنی پہلی روایت کے متعلق اور ہماری طرف سے اس پر لکھے گئے جواب کے متعلق کیوں خاموشی اختیار کی، عرض ہے کہ علیزئی کی نئی پیش کردہ روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے کیونکہ اس روایت میں بعض طریق میں صرف سورۃ فاتحہ کا ذکر ہے اور بعض میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت کا بھی، اور بعض میں صرف سنت کا ذکر ہے اور بعض میں سنت کے ساتھ لفظ حق بھی موجود ہے، لہذا اس روایت کے متن میں اضطراب پایا جاتا ہے، پس یہ روایت مضطرب ہے جس سے جناب کا دلیل پکڑنا درست نہیں ہے۔

ثالثاً: یہ روایت صریح مرفوع نہیں، اس کے حکمی مرفوع ہونے میں بھی اختلاف ہے جیسا



کہ جناب کے ہی بزرگ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں کہ:

”واذا قال الصحابي السنة كذا و امرنا بكذا فليس هذا اسنادا [مسندا]  
ولا يقطع على أنه عن النبي ﷺ ولا ينسب الى أحد قول لم يرو أنه قاله  
ولم يقم برهان على أنه قاله ----“

(الاحكام في اصول الاحكام ج ۲ ص ۲۰۲، وفي نسخة: ۷۲/۲)

یعنی اور جب صحابی کہے کہ یہ سنت ہے یا ہمیں ایسا حکم دیا گیا ہے تو یہ مرفوع نہیں ہے اور نہ ہی یہ قطعی بات ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہے اور کسی ایک سے بھی جو الفاظ مروی نہیں ان کو آپ کی طرف منسوب کرنا کہ آپ کا یہ قول ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے۔

اس پر کئی روایات نقل کرنے کے بعد ان مثالوں میں ایک روایت یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی ابن حزم نے نقل کی ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جناب کے بزرگ کے نزدیک بھی یہ روایت مرفوع نہیں، جب یہ روایت صریح مرفوع نہیں تو جناب کا ہمارے سوال کے جواب میں اس کو دلیل بنانا بھی صحیح نہیں ہے۔

رابعاً: نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں غیر مقلدین کے نظریات بھی جدا جدا ہیں، بعض نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض قرار دیتے ہیں جیسا کہ اسی علیزئی کی تحقیق و تخریج کے ساتھ شائع ہونے والی ”تسهيل الوصول الى تخریج و تعلیق صلوة الرسول ﷺ“ پر ”فوائد و تعلیق“ کا کام غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری کے قلم نے کیا جس میں وہ لکھتا ہے کہ ”نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، اس کے بغیر نماز جنازہ نہیں ہوتی ہے“ (ایضاً ص ۳۵۲)

مگر انہی کا ایک بھائی اسی صادق سیالکوٹی کی اسی کتاب پر تخریج و تعلیق کا کام کرتے ہوئے

لکھتا ہے کہ: ”اس تفصیل سے میرا مقصود نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا اثبات نہیں کیونکہ اس بارے میں دوسری روایات بھی ہیں“ (صلوة الرسول ﷺ تخریج و تعلیق، عبدالرؤف سندھو، ص ۷۷)۔ اگر نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ فرض ہے تو علیزئی صاحب بتائیں کہ وہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے ان کی وہ نمازیں ہوئیں یا کہ نہیں؟۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ۔

خامساً: علیزئی کا لکھنا کہ: ”جليل القدر صحابي رضي الله عنه تو جہری نماز جنازہ کو سنت کہتے تھے، جبکہ لامذہب رضا خانی نے اپنی کتاب (براہین رضوی یعنی گالی نامے) کی عبارت مذکورہ میں اس حدیث کی مخالفت کر رکھی ہے۔“

مذکورہ روایت کو علیزئی کا نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کے جہری پڑھنے پر دلیل بنانا غلط و بے بنیاد ہے، جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا، اور انہی کے ایک بھائی نے لکھا ہے کہ: ”جنازہ میں باواز بلند قرأت کی صراحت نہ تو صحیح مسلم اور نہ ہی حدیث کی کسی دوسری کتاب میں ملتی ہے بلکہ جنازہ میں سراً قرأت کرنا نص صریح سے ثابت ہے۔“

(صلوة الرسول ﷺ تخریج و تعلیق، عبدالرؤف سندھو، صفحہ ۴۸۳)

پس معلوم ہوا کہ انہی کے نزدیک سری نماز جنازہ پر نص صریح قائم ہے تو علیزئی کا اپنی فہم و سوچ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے نماز جنازہ کو جہری ثابت کرنا بقول سندھو صاحب نص صریح کی مخالفت کرنا ہے، اور اپنے ہی دوسرے مولوی فیروز آبادی کے بقول جمہور کی بھی مخالفت کرنا ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔ اس کے بعد معنی ذکر کر کے علماء کی تاویل کو علیزئی کا بے دلیل کہنا خود بے دلیل اور باطل و مردود ہے، کیا وہ علماء عربی لغت سے ناواقف تھے جو آج جناب کو یہ معنی نظر آ گئے اور آپ اس کی حقیقت کو پا گئے؟۔



قول علیزنی: علیزنی نے لکھا ہے کہ: ”بعض حنفی علماء نے لکھا ہے کہ: ”یہاں جبر اڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا۔“ معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں جبر ادا کرنا بطور تعلیم ثابت ہے لہذا آج کل بھی کوئی اگر بطور تعلیم جبری دعا پڑھتا ہے تو جائز ہے۔

(الحديث، شماره ۸۶، ص ۴۲)

**جواب: اولاً:** یہ صرف بعض حنفی علماء نے نہیں لکھا بلکہ عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے جناب نے ایسے لکھ دیا حالانکہ جناب کے اپنے اسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی ثابت کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

عبدالرؤف سندھو صاحب لکھتے ہیں کہ: ”بعض نے اونچی قرأت پر حدیث ابن عباس۔۔۔ سے حجت لی ہے مگر اس سے حجت لینا درست نہیں کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فاتحہ کو تعلیم کی غرض سے باواز بلند پڑھا تھا نہ کہ اس اعتقاد سے کہ اس کا جبراً پڑھنا مسنون ہے۔ مسند شافعی (۳۵۹) متدرک حاکم (۱/۲۵۸) اور بیہقی (۴/۳۹) میں ابن عجلان عن سعید بن ابی سعید سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابن عباس نے نماز جنازہ میں الحمد للہ باواز بلند پڑھی اور پھر فرمانے لگے ”انما جهرت لتعلموا انها سنة۔ یعنی میں نے اسے باواز بلند اس لئے پڑھا ہے تاکہ تمہیں علم ہو جائے کہ (فاتحہ پڑھنا) سنت ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے امام حاکم نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے مگر یہ مسلم کی شرط پر نہیں ہے۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوں ایک یہ کہ ابن عباس نے فاتحہ کو جبراً تعلیم کی غرض سے پڑھا تھا اور دوسری یہ کہ اس کا نماز میں جبراً پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس کا جبراً پڑھنا مسنون ہوتا تو ابن عباس ہرگز یہ نہ فرماتے

انما جهرت لتعلموا انها سنة فافهم و تدبر (صلاة الرسول ﷺ ص ۲۸۳)

قارئین کرام! عبدالرؤف سندھو صاحب جس روایت کی سند کو حسن کہہ رہے ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بقول ان کے رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت سمجھتے تھے مگر آج کے یہ لاندہب نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض قرار دے رہے ہیں، جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ علیزئی کا مذکورہ روایت کو نقل کرنا اور اس کی تصحیح کا قائل ہونا درحقیقت اپنے لاندہبوں کے نظریات کا خون کرنا ہے۔

ثانیاً: علیزئی کا لکھنا کہ: ”لہذا آج کل بھی کوئی اگر بطور تعلیم جبری دعا پڑھتا ہے تو جائز ہے“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علیزئی اس بات کا قائل ہو چکا ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ بطور قرأت نہیں بلکہ بطور دعا ہے اسی لئے تو دلیل فاتحہ کی ذمہ داری سے دعا لکھ رہا ہے۔

ثالثاً: تعلیم کی خاطر کبھی آواز کو بلند کر دینا اور چیز ہے اور معمول بنالینا اور چیز ہے، جناب کے غیر مقلد لاندہب بھائیوں نے تو اس کو معمول بنا رکھا ہے جس کا ثبوت عام وہابی جنازے ہیں۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”قوت نازلہ میں دعائے قنوت پر لوگوں کا آمین کہنا ثابت ہے۔ (دیکھئے الحدیث ۵۶ ص ۴۱) اور اس سے استدلال کر کے قنوت وتر میں آمین کہنا بھی جائز ہے، کیونکہ اس کے مقابلے میں کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔ جب مقابلے میں خاص دلیل نہ ہو تو عام دلیل سے استدلال کرنا یا دو ایک دوسرے سے مشابہ دلائل سے استنباط کرنا بالکل جائز ہے۔“ (الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۴۲)

**جواب:** اولاً: مسئلہ چل رہا تھا نماز جنازہ میں امام کا بلند آواز سے دعائیں پڑھنا اور مقتدیوں کا صرف آمین، آمین کہنا، مگر نہ جانے علیزئی صاحب کیوں حواس باختہ ہو کر قنوتِ نازلہ کی طرف آ گئے، پھر مجھے کہتے ہیں کہ مجھے مثل الحواس کہہ کر گالی دی ہے۔



علیزئی صاحب! اگر ابھی بھی جناب کو میرے سے شکوہ ہے تو کسی اپنے سے ہی پوچھ لیجئے کہ جس آدمی کو بات کرتے ہوئے اس بات کا بھی علم نہ رہے کہ بات کس مسئلہ میں ہو رہی ہے اس کو مختل الحواس کہنا کون سا جرم ہے؟

ثانیاً: اگر جناب جنازہ کی دعاؤں کو قنوت نازلہ میں کہی گئی آئین پر قیاس کر رہے ہیں تو ایسے مجتہد واقعی لاندہبوں کو مبارک ہوں۔

راقم الحروف نے براہین رضوی میں دو لاندہبوں کی عبارتیں اس بارے میں نقل کی تھیں، جناب نے ان کو نہیں پڑھا، لیجئے پھر نقل کر رہا ہوں، انہیں پڑھیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، ملاحظہ ہو: حافظ محمد گوندلوی لاندہب کہتا ہے کہ: ”نماز جنازہ میں نمازی اپنی جگہ دعا کرے، صرف آئین کا کہیں ذکر نہیں ہے“۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ۵/۱۵۳)

ایک اور لاندہب جس کا تعلق ”الاعتصام“ والے لاندہبوں سے ہے، لکھتا ہے کہ: ”نماز جنازہ کی دعاؤں پر مقتدیوں کے آئین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے آنحضرت اور عہد صحابہ و تابعین میں نہیں ملتا بنا بریں اس امر کو خلاف سنت کہا جائے گا۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ۵/۱۹۱، اور دیکھئے براہین رضوی، ص ۳۸)

جناب کے بڑے تو اس کو خلاف سنت کہہ رہے ہیں اور جناب ثابت کرنے کے لئے قنوت نازلہ کی آئین پر قیاس کرنے لگے ہیں آپ دونوں میں سے صحیح کون ہے؟

پھر جناب کے محدث کے نزدیک جب قنوت نازلہ کا قیاس قنوت وتر کے بارے میں صحیح نہیں تو قنوت نازلہ کی آئین کو جنازہ کی آئین پر قیاس کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

☆ اس کے بعد علیزئی کا ”سندہ حسن“ کے بارے میں کلام کرنا بے محل و بے فائدہ ہے کیونکہ ہم نے انہیں آئینہ دکھانے کے لئے جو شرائط انہی کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق

عائد کی تھیں ان میں حسن کا ذکر نہیں باقی اصول و قواعد کا جناب کو اتنا ہی پاس ہوتا تو کبھی بھی ان لاندہبوں کے گروہ میں شامل ہو کر لاندہبیت کو قبول نہ کرتے اور بے جا تحکم سے کام لیتے ہوئے ایسے دلائل کو کبھی بھی نقل نہ کرتے، اگر صحیح اور حسن میں قطعاً کوئی فرق نہیں تو آئمہ فن کا اپنی کتب میں کئی کئی صفحات ان کی علیحدہ علیحدہ تشریح و توضیح میں لکھ دینا کس لئے تھا۔ اور ہمارا صحیح کی قید لگانا جس مقصد کی خاطر تھا اس کا ذکر پچھلے اوراق میں کر دیا گیا ہے۔

علیزئی کا سندہ حسن لکھ کر ہمارے سوالوں کا جواب دینا اور پھر کہنا کہ ”ان کے بمطابق سولات و جوابات لکھے گئے ہیں“ واضح ترین جھوٹ ہے۔

قول علیزئی علیزئی نے لکھا ہے کہ: (۵) ”رسول اللہ ﷺ سے قنوت نازلہ میں اونچی دعائیں پڑھنا اور صحابہ کرام کا آپ کے پیچھے آئین آئین کہنا ثابت ہے جیسا کہ سنن ابی داؤد کی حدیث میں آیا ہے (دیکھئے الحدیث: ۵۶ ص ۴۲)۔ قنوت نازلہ پر قیاس کر کے قنوت وتر میں اونچی دعائیں پڑھنا اس حدیث سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی صریح دلیل نہیں، لہذا لاندہب بریلوی کا واویلا مردود ہے“۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ صفحہ ۴۲-۴۳)

**جواب: اولاً:** قنوت نازلہ کے متعلق پیچھے ذکر ہو چکا اور ہمارا سوال قنوت وتر کے بارے میں ہے نہ کہ قنوت نازلہ کے متعلق، پس علیزئی کا غیر صریح دلیل دے کر ہمارے سوال کا جواب دینا باطل و مردود ہے۔

ثانیاً: آپ کے محدث البانی کے نزدیک ہی جناب کا قیاس صحیح نہیں ہے تو الحمد للہ راقم کا کلام جسے جناب واویلا کہہ رہے ہیں بالکل صحیح اور جناب کا قیاس باطل و مردود ہے۔ پھر علیزئی کا بار بار اپنے قیاس کے خلاف صریح کا ذکر کرنا کہ اس کے خلاف کوئی صریح دلیل نہیں اور ہماری طرف سے صریح کا لفظ لکھنا، اچھا نہ لگنا، اس کے نفاق کے علاوہ کسی اور



بات کی دلیل تو نہیں ہے۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: ۶) ”ذراع سے مراد بعض ذراع نہیں بلکہ پوری ذراع ہے، جس کی صراحت کف، ریح اور ساعد والی حدیث سے بھی ہوتی ہے، لہذا رضا خانی اعتراض باطل ہے۔“ (الحديث، شمارہ ۸۶ ص ۴۳)

**جواب:** اولاً: علیزئی کی طرف سے لکھا گیا براہین رضوی کا جواب دیکھ کر بار بار خیال آتا ہے کہ یہ کس طرح دوسروں سے پوری عبارت نقل کر کے جواب دینے کا مطالبہ کرتا ہے اسے خود شرم نہیں آتی، لیکن شرم انہیں محسوس ہوتی ہے جن میں حیانا نام کی کوئی چیز ہوتی ہے، شاید اسی لئے عزیزم فیصل خان نے راقم الحروف کو فون پر کہا تھا کہ اصل میں اس نے جواب نہیں دیا بلکہ جان چھڑانے کے لئے چند صفحات سیاہ کر دیئے ہیں۔

راقم الحروف نے تو براہین رضوی میں علیزئی کی پیش کردہ صحیح بخاری کی روایت کے جواب میں مختصر ایک مناظرے کا تجرباتی حال اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے اس کی شرح اور انہی کے محدث کا ایک قول نقل کرنے کے ساتھ ص ۴۲ سے ۴۵ تک لکھا تھا مگر باقی ساری عبارات کو علیزئی صاحب نہ جانے کیا سمجھ کر ہضم کر گئے اور مذکورہ بالا ڈیڑھ دو سطر لکھ کر جان چھڑالی، مگر ایسا نہیں ہوگا، اب تو علیزئی کی ساری علیت کا بھانڈا اچھوٹے گا اور دنیا دیکھے گی، ان شاء اللہ۔

ثانیاً: راقم الحروف نے جاہل مطلق لکھا تو علیزئی کو یہ گالی لگی اور لگے سیخ پا ہونے، میں نے مبارکپوری کی پوری عبارت نقل کی تھی جس میں اس کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علیزئی جو پوری ذراع مراد لے رہا ہے یہ جاہل ہے، ملاحظہ ہو مبارکپوری کی عبارت براہین رضوی سے کچھ تصرف کے ساتھ: ”أبهم سهل بن سعد موضعه من الذراع۔۔۔“

والمراد انه وضع يده اليمنى بحيث صار وسط كفه اليمنى على الرسغ، ويلزم منه ان يكون بعضها على الكف اليسرى والبعض على الساعد۔۔۔ واعلم انه لم يروفي رواية وضع الذراع على الذراع، فما يفعله بعض العوام من وضع الذراع على الذراع بحيث انهم يضعون الكف اليمنى على مرفق اليد اليسرى او قريباً منه ثم ياخذونه باصابع اليد اليمنى هو هما لا اصل له۔۔۔ (المرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ۲/۲۹۹، ۲۹۸)

سہل بن سعد نے ذراع کے حصہ میں ابہام رکھا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ دایاں ہاتھ اس حیثیت سے رکھے کہ دائیں ہتھیلی بائیں گٹ کے اوپر آجائے اور لازم ہے کہ کچھ حصہ دائیں ہاتھ کا بائیں ہتھیلی پر اور کچھ حصہ ساعد پر آئے گا۔ اور جاننا چاہئے کہ کسی روایت میں بھی یہ الفاظ مروی نہیں ہیں کہ ذراع پر ذراع کو باندھا جائے اور بعض (جاہل) عوام جو یہ کرتے ہیں کہ ذراع پر ذراع اس طرح رکھتے ہیں کہ دائیں ہتھیلی بائیں کہنی تک یا اس کے قریب پہنچ جائے پھر دائیں انگلیوں سے اس کو پکڑتے ہیں، یہ وہ عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

جناب علیزئی صاحب! غور کیجئے گا یہ آپ کے محدث صاحب کیا کہہ رہے ہیں، یہ طعنہ کس کو دیا جا رہا ہے، آپ سمجھ تو گئے ہوں گے۔۔۔؟

کہیں ان جاہلوں کے قائد اور پیشوا آپ ہی تو نہیں ہیں؟۔

پس ثابت ہوا کہ بازو کو بازو پر نہیں رکھنا بلکہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے گٹ پر رکھنا ہے، اور اس طرح ہاتھ سینہ پر نہیں بلکہ آسانی کے ساتھ زیر ناف آتے ہیں، جو طریقہ

الحمد للہ اہل سنت کا ہے۔ (براہین رضوی، ص ۴۴-۴۵)



پس ثابت ہوا کہ ان کے اپنے محدث کے نزدیک راقم الحروف کا اعتراض درست اور علیزئی کا دواویلا باطل و مردود ہے، الحمد للہ علی ذلك۔

☆ اس کے بعد علیزئی لاندہب نے راقم الحروف کے سوال کہ: ”کیا نماز میں کبھی دائیں اور بائیں طرف پھرا جاتا ہے“ کو نقل کر کے نماز کے بعد دائیں اور بائیں پھرنے پر تقریباً آدھے صفحے میں زور لگایا ہے جس کے بارے میں نہ تو سوال کیا گیا تھا اور نہ ہی اس کی یہاں ضرورت تھی اس کے بعد لکھتا ہے کہ:

قول علیزئی ”ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسخر اس حدیث کا یہ مطلب نکالے کہ آپ ﷺ حالت نماز میں سلام سے پہلے دائیں اور بائیں طرف پھرتے تھے تو یہ مطلب باطل ہے۔ رہا یہ سوال کہ سینے پر ہاتھ کس حالت میں باندھے تھے؟ نماز میں یا نماز سے بعد؟ تو عرض ہے کہ کئی دلائل سے ثابت ہے کہ یہ حدیث نماز میں ہاتھ باندھنے کے متعلق ہے، مثلاً:

۱: مسند احمد میں سفیان ثوری کی اسی حدیث کی دوسری سند میں درج ذیل الفاظ آتے ہیں:

”رأيت النبي ﷺ واضعا يمينه على شماله في الصلوة“ میں نے دیکھا: نبی ﷺ (نے) نماز میں اپنے بائیں ہاتھ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ (مسند احمد ۵/۲۲۶ ج ۲۱۹۶۸ زائد عبد اللہ بن احمد) سفیان ثوری کے علاوہ ابوالاحوص نے بھی (ہی) حدیث ”كان رسول الله ﷺ يؤمننا فيأخذ شماله بيمينه“ کے الفاظ سے بیان کی ہے۔ (دیکھئے سنن ترمذی ۲۵۲: وقال: حدیث حسن) یہ ظاہر ہے کہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے۔“ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۳۳-۳۴)

**جواب:** اولاً: عبارت کی اغلاط سے قطع نظر کرتے ہیں کیونکہ کمپوزنگ وغیرہ میں غلطی ہو سکتی ہے علیزئی صاحب! اپنی عبارت کی اصلاح کر لیں کہ پہلی حدیث کے ترجمہ میں لفظ

”نے“ زائد ہے جس کو بریکٹ میں کر دیا گیا ہے، اس کے بعد ”ابوالاحوص نے بھی یہی حدیث“ نہیں بلکہ جملہ یوں ہونا چاہئے تھا کہ: ”ابوالاحوص نے بھی یہی حدیث“۔

ثانیاً: الحمد للہ! ہم یہ نہیں کہتے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ حالت نماز میں سلام پھیرنے سے پہلے دائیں اور بائیں پھرتے تھے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں جو سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے وہ حالت نماز میں نہیں بلکہ سلام پھیرنے کے بعد کا ہے۔

ثالثاً: علیزئی صاحب! جس دلیل سے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھنا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یعنی سفیان ثوری رحمہ اللہ کی دوسری سند والی روایت۔ تو عرض یہ ہے کہ اس روایت میں ہاتھوں کا نماز میں رکھنا تو موجود ہے مگر نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر نہیں اور راقم الحروف نے براہین رضوی میں یہ بیان کر دیا تھا کہ: ”حضرت ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے جتنی بھی مسند احمد میں اس بارے میں روایات ہیں ان میں سے اگر کسی میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے تو ”في الصلوة“ کے الفاظ نہیں اور جس میں ”في الصلوة“ کے لفظ ہیں اُس میں سینہ پر رکھنے کا ذکر نہیں۔ پس یہ روایت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے میں صریح نہیں ہے جو آپ کی دلیل بن سکے۔ (دیکھئے براہین رضوی ص ۳۶)

رابعاً: ابوالاحوص کی سند والی روایت جس کا ذکر علیزئی نے سنن ترمذی کے حوالہ سے کیا ہے اس میں بھی سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں ہے۔

خامساً: علیزئی کا لکھنا کہ: ”یہ ظاہر ہے کہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے“۔

اس بات نے مسئلہ بالکل واضح کر دیا کہ حدیث، حدیث کی تشریح کرتی ہے، اب ملاحظہ ہو ہمارا بیان کہ نبی اکرم ﷺ سے اس حدیث میں سینہ پر ہاتھ رکھنا حالت نماز میں سلام پھیرنے سے پہلے نہیں بلکہ سلام پھیرنے کے بعد سینہ پر ہاتھ رکھنا مراد ہے، ملاحظہ ہو:



”حضرت ہلب طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی روایت امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”معجم کبیر“ میں روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ :

”قال سألت رسول الله ﷺ عن طعام النصارى ، فقال لا يحىکن فی صدرك طعاما ضارعت فيه النصرانية ، قال ورأيتہ يضع احدی یدیه علی الأخری“ (المعجم الكبير ج ۹ ص ۲۳۰ ح ۱۷۸۸۱)

حضرت ہلب طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نصاریٰ کے کھانے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دل میں کھانے کے متعلق اس طرح کے وساوس پیدا نہ ہوں جن میں نصرانیت مبتلا رہی اور تم بھی انہی کی طرح شک کرنے لگو۔ فرمایا: اور میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا ہوا تھا۔

کیوں جناب حدیث نے کیسی تشریح کی کہ حضرت ہلب طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ ﷺ سے سوال فرمایا تو اس وقت کیونکہ بات سینہ کی ہو رہی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ کر سینہ پر رکھے، لہذا واضح ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں اپنے ہاتھ سینہ اقدس پر نہیں باندھے تھے بلکہ بعد از نماز صحابی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے سینہ کی گفتگو کی وجہ سے اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے تھے۔

قول علی بن زئی: علی بن زئی نے لکھا ہے کہ: ”نماک بن حرب رحمہ اللہ کی اس حدیث پر محدثین نے نماز میں ہاتھ باندھنے کے ابواب لکھے ہیں۔

مثلاً دیکھئے سنن ترمذی (قبل ج ۲۵۲) اور سنن ابن ماجہ (۸۰۹)، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ) حافظ ابن الجوزی نے نماز کے مسائل میں، بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کا رکھنا

مسنون ہے کے تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

(التحقیق فی اختلاف الحدیث ۱/۲۸۳ ح ۳۷۷) (الحدیث شماره: ۸۶ ص ۲۳)

جواب: علی بن زئی لاندہب اور اس کی پارٹی سے سوال ہے کہ کیا محدثین کے ابواب تم لوگوں کو قبول ہیں؟۔

اگر قبول ہیں تو اپنی مرضی کے خلاف محدثین کے ابواب میں موجود روایات کو کیوں اس بارے میں قبول نہیں کرتے، مثلاً: حدیث عبد اللہ بن مسعود اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حدیث جابر بن سرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہما۔

☆ اس کے بعد علی بن زئی نے امام طاؤس کی مرسل روایت کا ذکر کیا ہے اور اس کی سند کے بارے میں لکھا ہے کہ ”و سندہ حسن لذاتہ“۔ علی بن زئی صاحب! مراہیل صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ جناب پچھلے اوراق میں اپنے بزرگوں کے اقوال پڑھ آئے ہیں، لہذا جب جناب کے نزدیک موقوفات صحابہ دلیل نہیں تو تابعی کی مرسل روایت کیسے دلیل بن گئی؟۔

پھر اس مرسل روایت کی سند کے راویوں میں بھی کلام ہے:

۱: سلیمان بن موسیٰ

امام ابن جریر کہتے ہیں کہ: ”و کان سلیمان یفتی فی العضل وعندہ أحادیث عجائب، [و فی الكبير] وعندہ مناکیر“۔

(التاریخ الأوسط للبخاری ۱۴۹ ت ۱۴۷۶، والتاریخ الكبير ۳۹/۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

”عندہ مناکیر“ (الضعفاء الصغیر ص ۱۶ ت ۱۴۶، الاسامی والکنی لأبی احمد الحاکم



جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ:

”قال محمد وسليمان بن موسى منكر الحديث أنا لا أروى عنه شيئا روى سليمان بن موسى أحاديث عامتها مناكير“ (العلل، باب ماجاء في النفل، ص ۲۵۷)

امام ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ”في حديثه بعض المناكير“

(فتح الباب في الكنى والألقاب، ۶۷ ت ۳۹۰)

اسی طرح امام ابوالاحد الحاکم رحمۃ اللہ نے کہا ہے، ملاحظہ ہو: (الاسامی والکنی ۲۸۹ ت ۱۸۰)

امام ابو زرہ رازی رحمۃ اللہ نے اسے ضعفاء میں شمار کیا

(كتاب الضعفاء وأجوبة أبي زرعة الرازي ج ۲ ص ۶۶۲ ت ۱۳۳)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ضعفاء میں شمار کیا ہے

(الضعفاء والمتروكين ۱۸۶ ت ۲۵۲ وقال: أحد الفقهاء ليس بالقوي في الحديث)

امام ابن عدی رحمۃ اللہ نے بھی ضعفاء میں ذکر کیا (الکامل فی الضعفاء، ج ۳ ت ۷۴۱)

امام عقیلی رحمۃ اللہ نے بھی ضعفاء میں شمار کیا (الضعفاء الكبير ج ۲ ص ۱۴۰ ت ۶۳۲)

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ضعفاء میں شمار کیا (الضعفاء والمتروكين ۲۵۰/۲ ت ۱۵۴۹)

امام ذہبی رحمۃ اللہ نے بھی ضعفاء میں شمار کیا (المغنی فی الضعفاء ۳۲۷ ت ۲۶۳۰)

سب کے آخر میں جناب کے محدث البانی نے بھی کہا ہے کہ: ”سليمان بن موسى وهو

متكلم فيه“ (السلسلة الضعيفة ۶ تحت ح ۳۳۵۸)۔

پس معلوم ہوا کہ یہ راوی متکلم فیہ ہے اور اس کی روایات کے بارے میں اکثر آئمہ کا قول یہ

ہے کہ یہ مناکیر روایت کرتا ہے۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ سے اس کے بارے میں منکر الحدیث ہونا بھی نقل کیا ہے۔

۲: ثور بن یزید، جس کو ابن الحنفی م ۸۳۱ھ نے مدلسین میں شمار کیا ہے، ملاحظہ ہو:

(التبيين لأسماء المدلسين ۱۸ ت ۸)

اور یہ صیغہ عن سے روایت کر رہے ہیں۔

قول علیزئی: اس کے بعد علیزئی کا لکھنا کہ: ”کسی مستند عالم یا محدث نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نہیں نکالا کہ آپ ﷺ نماز کے باہر سینے پر ہاتھ باندھتے تھے، لہذا رضا خانیوں کی خود ساختہ تحریفات باطل و مردود ہے۔“

جواب: اولاً: علیزئی صاحب! لفظ ”تحریفات“ واحد نہیں جمع ہے، اور لفظ ”ہے“ جمع نہیں واحد ہے۔

ثانیاً: الحمد للہ! راقم الحروف نے علیزئی کی مرضی کے مطابق کہ حدیث، حدیث کی تشریح کرتی ہے سے واضح کر دیا ہے کہ یہ واقعہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک سوال کے جواب، جس کا تعلق سینہ سے تھا، کی وجہ سے پیش آیا جس میں آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ کر سینہ پر رکھا تھا، لہذا یہ تحریف نہیں بلکہ حدیث سے حدیث کی تشریح ہے۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”تنبیہ: روایت مذکورہ کی سند حسن لذاتی یعنی صحیح ہے اور بعض رضا خانیوں کی سماک بن حرب اور قبیسہ بن ہلب پر جرحیں جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں، نیز یہ روایت سماک کے اختلاط سے پہلے کی ہے، بعد کی نہیں، لہذا اختلاط کا اعتراض بھی مردود ہے۔ (الحدیث شماره ۸۶ ص ۴۴-۴۵)

جواب: اولاً: علیزئی صاحب! اگر یہ روایت باعتبار سند صحیح ہی تھی تو اتنے تکلفات میں



پڑنے کی کیا ضرورت تھی، صرف صحیح لکھتے اور اس کو صحیح ثابت کرتے، مگر وہ تو جناب سے ہونہ سکا، اب لگے ہو ادر ادر کی ٹاک ٹوئیاں مارنے، مگر یاد رکھوان سے کام نہیں چلے گا۔

ثانیاً: راقم الحروف نے سماک بن حرب کے بارے میں مختصر مگر جامع کلام کرتے ہوئے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے اس پر تلقین قبول کرنے کی جرح، جس کو جناب نے خود تسلیم کیا ہے، کے تحت ذکر کیا تھا کہ جناب کا بزرگ ابن حزم تو صرف اسی ایک جرح کی وجہ سے اس کی روایت کو ضعیف قرار دے رہا ہے اور ساتھ ہی امام خطیب بغدادی اور ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہما سے اصول بھی بیان کیا تھا، مگر اس کا جواب دینے سے کیوں جناب نے راہ فرار اختیار کی؟ کرتے ہمت اور دیتے سارے مضمون کا جواب، مگر وہ نہ ہو سکا اور نہ ہی ہو سکے گا ان شاء اللہ العزیز۔

ثالثاً: کیا امام خطیب بغدادی، ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہما اور جناب کا بزرگ ابن حزم غیر مقلد بھی اس جمہور والے اصول سے بے خبر تھے؟ کہ چودھویں، پندرہویں صدی میں جناب کو یاد آ گیا۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: ”نیز عرض ہے کہ زمانہ تدوین حدیث میں تدلیس اور ارسال غفی کو ایک سمجھنا علیحدہ چیز ہے اور چودھویں پندرہویں صدی ہجری میں غیر مدلس کو مدلس کہنا علیحدہ چیز ہے، لہذا عباس رضوی نے امام سماک بن حرب رحمہ اللہ کو مدلس کہہ کر ضرور جھوٹ بولا ہے، یا نرم الفاظ میں: غلط بیانی کی ہے۔ (الحديث، شماره ۸۶ ص ۳۵)

جواب: اولاً: راقم الحروف نے سماک بن حرب کی تدلیس کے حوالہ سے براہین رضوی میں وضاحت کر دی تھی مگر علیزئی کو وہ شاید گوارا نہیں، تو علیزئی بتائے آج تک سفیان ثوری کی تدلیس کے بارے میں اس کے بزرگ جھوٹ بولتے رہے ہیں؟

ثانیاً: علیزئی نے جتنی باتوں سے رجوع کیا ہے وہ سب جھوٹ ہیں؟

ثالثاً: علیزئی صاحب! اگر چودھویں پندرہویں صدی ہجری میں کسی غیر مدلس کو مدلس کہنا جھوٹ ہے تو سفیان ثوری کی تدلیس کے بارے میں جناب کی ساری کی ساری تحقیق جھوٹ ہے جس کے گواہ جناب کے اپنے بزرگ بھی ہیں جو آج تک سفیان ثوری کو طبقہ ثانیہ کا مدلس مانتے تھے اور مان رہے ہیں۔

رابعاً: براہین رضوی میں راقم الحروف نے لکھا تھا کہ ”راقم الحروف کی غلطی سے سماک بن حرب کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ وہ مدلس ہے“ دیکھئے براہین رضوی، حاشیہ ۵۲، ”مگر اس کے باوجود تمہارا یہ لکھنا کہ ”عباس رضوی نے امام سماک بن حرب کو مدلس کہہ کر ضرور جھوٹ بولا ہے“، یہ خود بہت بڑا جھوٹ ہے۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: ”(۷) القاموس الوحید میں رخ کا معنی کلائی اور پہنچا وغیرہ لکھا ہوا ہے۔ (ص ۶۲۲) اور علمی اردو لغت میں کلائی کا معنی ”ساعد، پہنچا“ وغیرہ لکھا ہوا ہے (۱۱۳۳) اس کا جو بھی معنی ہو، ظہر الکف، رخ اور ساعد کا مجموعہ پوری ذراع یعنی ہاتھ کی بڑی انگلی سے لے کر کہنی تک کا پورا حصہ ہوتا ہے اور پورے حصے پر اپنے دائیں ہاتھ کا جو حصہ رکھنا ممکن ہو وہ رکھ کر دیکھیں تو خود، خود سینے پر ہاتھ آجاتے ہیں، تجربہ شرط ہے۔

(الحديث، شماره ۸۶ ص ۳۵)

جواب: اولاً: راقم الحروف نے ”المعجم، لسان العرب، التھلیم فی غریب الحدیث والثر، اور کتاب العین“ اتنی کتب سے بیان کیا تھا کہ رخ کا معنی ”گٹا، پہنچا“ یعنی ہاتھ اور بازو کے درمیان والا جوڑ ہے، مگر علیزئی نے یہاں اپنا مقصد حاصل کرنا تھا تو جمہور کے دعوے کرنے والے نے جمہور کو چھوڑ کر ایک القاموس الوحید کو ہی تھامنے میں عافیت سمجھی کیوں کہ مطلبی



لوگوں کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے کہ بس اپنے مطلب کے خلاف تو ہم کسی کی نہیں مانتے، مگر اپنے مطلب کے لئے ایک دیوبندی جن کے بارے میں علیزئی کی تحریرات قابل دید ہیں کہ خود انہیں مسلمان بھی نہیں سمجھتا مگر مطلب کے وقت ان کے دامن کو چھوڑنا گوارا نہیں کر رہا۔

ثانیاً: ظہر الکف، رخ اور ساعد کا مجموعہ اگر پوری ذراع ہے جو کہ بڑی انگلی سے لے کر کہنی تک کا پورا حصہ ہے تو ہاتھ کو رکھنے کا محل بھی احادیث مبارکہ میں موجود ہے، جیسا کہ حضرت سیدنا واکل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی روایت میں ہے، آپ فرماتے ہیں کہ:

”قال: قلت: لا نظرن الی رسول اللہ ﷺ کیف یصلی قال فنظرت الیہ قام وکبر ورفع یدیه حتی حاذتا باذنیہ ثم وضع یدہ الیمنی علی ظہر کفہ الیسری والرسم من الساعد“

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۸، نشر السنة، ملتان، والسنن الصغری ج ۱ ص ۱۲۳-۱۲۴، دار المعرفة، بیروت، لبنان، وفي نسخة: ۱ ص ۴۶، جامعة الدراسات الاسلامیة، کراچی، و ذکرہ الحافظ فی فتح الباری ۱۷۸/۲، دار احیاء التراث العربی، وعزاه الی ابی داود والنسائی، وقال: وصححه ابن خزيمة وغيره، والعینی فی عمدة القاری ۱۷۸/۵، مکتبہ رشیدیہ کراچی، والزرقانی فی شرح الموطأ ۴۵۵/۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، وصدیق بن حسن القنوجی فی مسلک الختام، ج ۱ ص ۴۰۵، المکتبۃ الاثریة، جامع اہلحدیث باغوالی، سانگلہ ہل، پاکستان، وعبد اللہ المبارکبوری فی مرعاة المفاتیح ۶۱/۳، الجامعة السلفیة، بنارس الہند، وغیرہم۔

پس جب محل واضح ہے کہ گٹ یعنی پینچ پر رکھنا ہے، تو علیزئی کا بے جا تاویلات کرنا باطل و مردود ہے، جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا اور آگے بھی انہی کے محدث و بزرگ سے بیان ہوگا، ان شاء اللہ۔

ثالثاً: اس طرح ان احادیث پر عمل کیا جائے تو سینہ پر نہیں بلکہ آسانی سے ہاتھ تحت السرة آتے ہیں، تجربہ شرط ہے، مگر یہ لوگ تجربہ کا بھی انکار کر دیتے ہیں جیسا کہ مری کے مناظرہ میں ہوا تھا جس کی روئیداد پہلے سے شائع شدہ ہے اور مختصر براہین رضوی میں بھی بیان کیا گیا تھا۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”یذ: ہاتھ (اس کا اطلاق مونڈھے سے انگلیوں کے کناروں تک ہوتا ہے۔) دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۹۱۰) یہ ظاہر ہے کہ ذراع پر مونڈھوں تک ہاتھ رکھنا ناممکن ہے، اور کہنی تک ہاتھ کا حصہ رکھنا ہی ممکن ہے لہذا عموم سے استدلال کرتے ہوئے یہاں ذراع پر ذراع رکھنا مراد ہے۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۵)

**جواب:** اولاً: علیزئی صاحب! کیا بھول گئے ہیں کہ جناب خود لکھ چکے ہیں کہ ”صرف احتمال کی بنیاد پر خصوصیت ثابت کر دینا صحیح نہیں ہے“ (دیکھئے عبادات میں بدعات، حاشیہ ص ۱۷) اور یہاں صرف اپنی طرف سے احتمال بیان کر کے خصوصیت ثابت کرنے لگے ہوئے ہیں، کیا یہ صرف مسلک پرستی کی وجہ سے جناب نے دوغلا پن اپنا رکھا ہے؟

آپ کی یہ باتیں پڑھ کر راقم الحروف کو وہ مثال یاد آگئی کہ ”گدھا برسات میں بھوکا مرے“ ثانیاً: راقم الحروف نے براہین رضوی میں پہلے ہی اس عمومی استدلال کے بارے میں جناب کے محدث و بزرگ کے حوالہ سے بیان کر دیا تھا، جیسا کہ پیچھے بھی ذکر ہوا کہ یہ وہ عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ (دیکھئے براہین رضوی، ص ۵۴-۵۵)

ثالثاً: جب خاص موجود ہے تو عموم سے استدلال کیوں؟ اس حصہ کا تعین حضرت واکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں موجود ہے، پھر علیزئی کا عموم سے استدلال بھی باطل و مردود اور صرف از صرف مسلک نوازی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔



قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: ”شیخ عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے اپنے اجتہاد سے جو کلام لکھا ہے۔ (مرعۃ المفاتیح ۳/۶۰) اس کے برعکس شیخ البانی رحمہ اللہ نے حدیث اہل رضی اللہ عنہ اور حدیث وائل رضی اللہ عنہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”وهذه الكيفية تستلزم أن يكون الوضع على الصدر إذا أنت تأملت ذلك وعملت بها“ جب تم غور کرو گے اور اس پر عمل کرو گے تو اس کیفیت سے یہ لازم آتا ہے کہ ہاتھ سینے پر آجاتے ہیں۔ (تعلیقات المشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۹)۔۔۔ اس کے بعد البانی کی ”اصل صفة صلاة النبي ﷺ ج ۱ ص ۲۱۸“ کی ایک عبارت نقل کی۔۔۔ پھر کہا کہ:

”ہمارے نزدیک شیخ مبارکپوری رحمہ اللہ کا مذکورہ بیان ان کی اجتہادی خطا ہے اور اس کے مقابلے میں شیخ البانی رحمہ اللہ کا مذکورہ بیان رائج ہے، لہذا رضا خانی کا اعتراض مردود ہے۔ (الحدیث شمارہ ۸۶ ص ۳۵-۳۶)

**جواب:** اولاً: عبید اللہ مبارکپوری نے صرف اپنے اجتہاد سے یہ کلام نہیں لکھا بلکہ اس کے سامنے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت بھی تھی جس میں ”والسوغ من الساعد“ کے الفاظ ہیں، پس اُس نے تو اس روایت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بارے میں درست اور صاف و شفاف بات لکھی تھی، مگر علیزئی کے نظریات کو تباہ کر رہی تھی اس لئے علیزئی نے اُس کو اجتہادی خطا لکھ مارا، درحقیقت اپنا بزرگ تھا اس کی بات مکمل اپنے خلاف نظر آئی پھر بھی اجتہادی خطا کا نام دے دیا، اگر یہی کام کسی اور سے سرانجام پاتا تو یہ لا مذہب اس کو باطل و مردود سے کم نہ لکھتا۔

ثانیاً: قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں ان لامذہبوں کی چالاکیاں: یہی علیزئی لکھتا ہے کہ:

”ہم کتاب وسنت کا خود تراشیدہ مفہوم نہیں لیتے بلکہ ہر حوالے کے لئے سلف صالحین کے

متفقہ فہم کو ترجیح دیتے ہیں“ (مقالات، ج ۳ ص ۲۳)

صحیح بخاری کوئی ایسی کتاب نہیں، جس کی کوئی شرح سلف صالحین نے نہ کی ہو، بلکہ ایک ایسی متداول کتاب ہے کہ جس کی شروحات تقریباً حدیث کی تمام کتب کی شروحات سے زیادہ لکھی گئی ہیں اور تقریباً ہر محدث و شارح نے صحیح بخاری کی اس روایت کی شرح کی ہے، مگر چودھویں صدی ہجری تک تو کسی کے فہم میں یہ بات نہ آئی کہ اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا جاسکتا ہے اور کسی نے نہ لکھا کہ ذراع پر ذراع رکھنا درست ہے، مگر علیزئی کے اپنے مقصد کے حصول کی بات تھی تو تمام شارحین کو چھوڑ کر البانی سلف اور صالح نظر آ گیا جس کا قول تمام کے قول کے مقابل تسلیم کر لیا۔

ثالثاً: البانی کے ہم عصر شیخ شعیب الارنؤوط وغیرہ نے اس بارے میں البانی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”قلنا: قول الألباني رحمه الله في صفة الصلاة: وضعهما على الصدر هو الذي ثبت في السنة، تعنت لا وجه له، ففي ”بدائع الفوائد ۹۱/۳“ لابن القيم: واختلف في موضع الوضع فعنه: [أي عن الامام أحمد] فوق السرة، وعنه تحتها، وعنه: قال أبو طالب سألت أحمد بن حنبل: أين يضع يده إذا كان يضلي؟ قال: على السرة أو أسفل - وكل ذلك واسع عنده ان وضع فوق السرة أو عليها أو تحتها - (ذیل مسند احمد، ج ۳ ص ۳۰۰ تحت ح ۲۱۹۶۷، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ۱۴۲۱-۲۰۰۱ء)

پس ثابت ہوا کہ چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں البانی اور علیزئی جیسے لامذہبوں کا اس کو رائج قرار دینا جمہور کے مقابلے میں باطل و مردود ہے۔

نوٹ حضرت ہلب طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت، جس کو علیزئی حسن لذاتہ کہتا



ہے اس کی سند کو شعیب وغیرہ نے مسند احمد کے ذیل میں ضعیف قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

(مسند احمد ج ۳۶ ص ۲۹۹، تحت ح ۲۱۹۶۷، مؤسسة الرسالة)

قول علی بن زنی: علی بن زنی لکھتا ہے کہ: ”(۸) راقم الحروف نے اس کا جواب صاف الفاظ میں اور صحیح بخاری کی حدیث کے ساتھ دے دیا ہے اور ”۔۔۔ چپ نہ شود“ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے رضا خانی لاندہب نے الفاظ کا گورکھ دھندلنے کی کوشش کی ہے۔

(الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۶)

**جواب:** اولاً: ہمارے سوال کے جواب میں جناب کا تہجد کی اذان کے لئے صحیح بخاری کی روایت کو پیش کرنا اور جناب کے ہی بزرگوں کا اس کے بارے میں لکھنا کہ: ”صحیح بات یہی ہے کہ وہ فجر کے لئے تھی“ اس بات کا آئینہ دار ہے کہ لاندہبوں کے مسلک میں گدھوں کا اہل چل رہا ہے۔

ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

ثانیاً: راقم الحروف نے بھی صحیح بخاری کی روایت سے ہی براہین رضوی میں یہ ثابت کیا تھا کہ ان دونوں اذانوں میں صرف فرق اتنا ہوتا تھا کہ ایک اذان کہہ کر نیچے اترتے اور دوسرے اذان کہنے کے لئے اوپر چڑھتے، لہذا اس میں تہجد کس طرح پڑھی جاسکتی ہے مگر جناب نے مسلک پرستی کو ترجیح دیتے ہوئے اس کا انکار تو نہ کیا مگر یہ لکھ دیا کہ: ”دوسرے دلائل کی رُو سے اگر یہ اذان نہ بھی دے اور صرف صبح کی اذان دے تو بھی جائز ہے“۔

(دیکھئے الحدیث: ۵۶ ص ۳۳ و ۸۶ ص ۴۷)

صحیح بخاری کی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی اس حدیث کو دیکھ اور پڑھ کر جناب کا اپنے مسلک والوں کے دفاع میں ایسا لکھنا درحقیقت الفاظ کا گورکھ دھندلنے کی

کوشش کرنا ہے اور ”کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتی“ کا مصداق ہے۔

قول علی بن زنی: علی بن زنی نے لکھا ہے کہ: ”ہمارے علاقے میں بریلوی رضا خانی حضرات کے پیروں کی ایک گدی ہے، جسے ”دریا شریف“ کہتے ہیں، وہاں ہمیشہ تہجد کی اذان ہوتی ہے جسے سحری کے وقت روزانہ سنا جاسکتا ہے، لہذا عرض ہے کہ ذرا اپنی چار پائی کے نیچے بھی لاٹھی پھیر کر دیکھیں۔! (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۶)

**جواب:** اہل سنت کی کسی مسجد میں اگر سحری کے لئے اذان دی جاتی ہے تو ہم یہ تو نہیں کہتے کہ یہ عمل سنت ہے، بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے دور میں یا خلفاء راشدین کے دور میں سحری کے لئے اذان کہنے کی کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں، کسی علاقہ میں اگر کوئی اہل سنت میں سے یہ عمل کرتا ہے تو اس کا یہ عمل سنت سے ثابت نہیں، مگر جناب تو اس کے ثبوت کے لئے صحیح صریح روایات میں بھی مسلک کے دفاع کے لئے تحریف کا ارتکاب کرتے ہوئے اس کے ثبوت پر دلائل فراہم کرنے لگے ہوئے ہیں، یاد رکھیں کہ راقم الحروف کی رہائش گاہ کے ساتھ والی گلی میں لاندہبوں کی مسجد جس کا نام ”جامع مسجد توحید“ رکھا گیا ہے اس میں رمضان المبارک کی گزرنے والی ۲۳ راتیں تو کم از کم متواتر اہل علاقہ سنتے رہے ہیں کہ اذان فجر سے تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اذان ہو رہی ہے، اسی طرح گردو نواح کی اکثر لاندہبوں کی مسجدوں میں بھی یہی صورت حال ہے، پھر یاد رہے کہ غیر مقلدوں کی مساجد میں اس اذان کا تعلق صرف رمضان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تقریباً پورا سال یہ اذان ہوتی ہے۔

ہم نے تو یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ لوگوں کو علم ہو سکے کہ ہر بات میں صحیح صریح حدیث کا مطالبہ کرنے والوں اور اپنے آپ کو خالص موجد و اہل حدیث کہلوانے والوں کے گھر میں کیا



کچھ ہو رہا ہے؟ اور الحمد للہ! علیزئی اور اس سے قبل تیر آزما کر کرنے والوں کی طبع آزمائی سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ لوگ صرف دعوے کی حد تک ہی موحد و اہل حدیث ہیں، حقیقت میں ان کے پلے کچھ نہیں

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”دوسرے یہ کہ رضا خانی لاندہب نے بعض اہل حدیث علماء کے اقوال پیش کئے ہیں کہ یہ تہجد کی اذان نہیں بلکہ فجر کی اذان تھی، تو عرض ہے کہ پھر آپ لوگوں کو کس نے اختیار دیا ہے کہ اہل حدیث کے خلاف عمومی اعتراض کریں؟ بعض لوگوں کے اجتہاد کی وجہ سے تمام لوگوں کو مطعون کرنا غلط ہے۔“

(الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۳۶-۳۷)

جواب: اولاً: علیزئی صاحب! جناب نے یہ لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ اہل سنت کے غیر مفتی بہ اقوال کو پیش کر کے لاندہب جو داویلا کرتے ہیں ان کا شور و غل سراسر غلط ہے اور ان بے مہار شتروں کا اہل سنت پر اعتراضات کرنا باطل و مردود ہے۔

ثانیاً: اگر لاندہبوں کے بزعم خویش مجتہدین صحیح، صریح احادیث کے خلاف بھی قیاس و اجتہاد کر لیں تو اس وجہ سے تمام لاندہبوں کو مطعون کرنا اگر غلط ہے تو آئمہ فقہاء میں سے بعض کے اجتہادی مسائل میں اہل سنت کو مطعون کرنا تو لاندہبوں کا نہ صرف غلط بلکہ باطل و مردود ہی قرار پائے گا۔

ثالثاً: عمومی اعتراض اس لئے کیا گیا تھا کہ لاندہبوں کی اکثریت کی صورت حال یہ ہے کہ جب ان سے کسی مسئلہ کے متعلق سوال ہو اور ان کی طرف سے دیئے گئے جواب کے خلاف انہی کے بزرگ سے کوئی بات ان کے خلاف بیان کی جائے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی تحقیق ہے اور یہ ہماری تحقیق ہے، یعنی ہر کوئی اپنی من مانی کرتے ہوئے شتر بے مہار ہونے کا ثبوت

فراہم کرتا ہے، اور ہمارے علاقہ میں اکثریت لاندہبوں کی مساجد میں یہ کام ہوتا ہے، لہذا لاندہبوں کی ہر مسجد کا امام اپنے آپ کو مجتہد خواہ مخواہ سمجھتا ہے اور دعویٰ یہی کرتا ہے کہ ہم صحیح، صریح، مرفوع احادیث پر عمل کرتے ہیں کسی کے قول پر نہیں، تو ان کو ان کی حقیقت کا آئینہ دکھانے کے لئے اس سوال کا کرنا نہ تو غلط اور نہ ہی ناروا تھا بلکہ بالکل صحیح اور درست تھا۔

رابعاً: علیزئی کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ لاندہبوں کا جاہل عوام کی وجہ سے بعض افعال کی بنا پر اہل سنت پر بدعت اور شرک کے فتوے لگانا نہ صرف غلط و بے بنیاد عمل ہے بلکہ باطل و مردود بھی ہے۔

☆☆ اس کے بعد علیزئی لکھتا ہے کہ: ”اور دوسرے دلائل کی رو سے اگر یہ اذان نہ بھی دے اور صرف صبح کی اذان دے تو بھی جائز ہے“ (الحدیث: ۵۶ ص ۳۳) اور اسی پر ہمارا عمل ہے اور دوسرے صحیح العقیدہ لوگ اپنے اجتہاد پر ماجر ہوں گے۔ ان شاء اللہ

(الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۳۷)

علیزئی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی قسم کے دلائل کی رو سے اگر لاندہب دو علیحدہ علیحدہ قسم کے اجتہاد کر سکتے ہیں، اور اپنے مخالف اجتہادات کے باوجود وہ گناہگار نہیں بلکہ اپنے اجتہاد پر ماجر ہوں گے تو آئمہ سلف صالحین جن کی امامت و جلالت پر ایک جماعت گواہ ہے اگر وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر کوئی مسئلہ کسی دوسرے کے خلاف نکالتے یا بیان کرتے ہیں تو ان کو قابل گردن زدنی اور گمراہ و بدعتی جیسے الفاظ سے یاد کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔

جبکہ اس اذان کے بارے میں تو ایک لاندہب ہی لکھتا ہے جیسا کہ اس کا ذکر براہین رضوی میں بھی کیا گیا تھا کہ: مولوی ابوالبرکات لاندہب کا فتویٰ:



سوال: بعض مساجد میں تہجد کی اذان ہوتی ہے ہم ان سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے وہ یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب حضرت بلالؓ اذان کہیں تو تم کھاؤ پیو اور جب عبداللہ بن ام مکتوم اذان کہیں تو تم کھانے پینے سے رک جاؤ اس میں وقت کی تعین نہیں ہے لہذا اسے تہجد کی اذان کہنا درست ہے۔

(محمد حسین جندبیلہ باغوالہ)

جواب: ”اس حدیث سے استدلال غلط ہے کیونکہ بلال کی اذان فجر کی تھی کیونکہ فجر کے وقت نیند کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے فجر سے چند منٹ پہلے بلال کی اذان ہوتی تھی اگر یہ اذان سحری یا تہجد کی ہوتی تو فجر سے تقریباً گھنٹہ پہلے ہونی چاہیے تھی، لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بخاری مسلم وغیرہ کتب احادیث میں روایت موجود ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں اذانوں کے درمیان صرف اتنا فرق تھا کہ بلالؓ اذان کہہ کر اترتے تھے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ اوپر چڑھ کر اذان کہہ دیتے تھے اتنے فاصلے میں تہجد کیا پڑھی جاتی ہے اور سحری کا کھانا کیسے کھایا جاتا ہے۔ کسی محدث نے آج تک کتب احادیث میں تہجد یا سحری کی اذان کا باب نہیں باندھا معلوم ہوا کہ اس قسم کی اذان شریعت میں ہے ہی نہیں۔۔۔۔۔ (فتاویٰ برکاتیں ص ۲۳-۲۴)

جس سے معلوم ہوا کہ یہ اذان بہر حال تہجد کے لئے نہ تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ پورا سال چلتی تھی، تو ایسی روایت اگر کوئی ہے تو اس کو پیش کیا جانا چاہیے تھا۔ (دیکھئے براہین رضوی ص ۵۹) قول علیزنی: علیزنی لکھتا ہے کہ: ”(۹) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع ہے اور اس پر عباس رضوی کے تمام اعتراضات باطل و مردود ہیں۔ حافظ ابن حبان نے اس حدیث پر ”ذکر ما يستحب للامام أن يجهر بسم الله الرحمن الرحيم عند

ابتداء قراءة فاتحة الكتاب“ کا باب باندھا ہے۔

(قبل ج ۹۴ ص ۱۷۰) (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۷)

جواب: اولاً: الحمد للہ! قبلہ استاد محترم، مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی وحفظہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جتنے بھی اعتراضات کیے ہیں وہ باطل و مردود نہیں بلکہ آپ نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں آپ کو حافظ ابن حجر عسقلانی، ابوبکر الجصاص، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم جیسے لوگوں کی تائید حاصل ہے، حتیٰ کہ جناب کے مذہب کے مؤسس اول ابن تیمیہ، پیشوائے وہابیہ ابن قیم، جناب کے سلف البانی اور عبدالرؤف سندھو غیر مقلد کی بھی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے براہین رضوی ص ۹۴ تا ۱۰۰ اور صلوة الرسول ﷺ فتح و تلیق عبدالرؤف سندھو ۲۳۶-۲۳۷)

لہذا علیزنی کا ان اعتراضات کو باطل و مردود قرار دینا خود ہی باطل و مردود ہے۔

ثانیاً: علیزنی نے ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ الباب سے اپنی بات کو تائید دینے کی کوشش کی ہے، ہم پوچھتے ہیں کیا جناب امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ الباب کو قبول کریں گے؟ علیزنی صاحب! جناب نے صحیح ابن حبان کا جو حوالہ نقل کیا ہے راقم الحروف کے پاس موجود نسخہ مؤسسۃ الرسالۃ میں یہ باب جلد ۵ صفحہ ۱۰۰ پر ہے اور اس کے بعد حدیث کا نمبر ۱۷۹۷ ہے، اگر جناب کو امام ابن حبان کے ترجمۃ الباب پر اتنا ہی اعتماد ہو گیا ہے تو لیجئے قبول کیجئے گا، یہی امام ابن حبان اپنی صحیح میں ہی (راقم کے پاس موجود نسخہ کے مطابق) اسی جلد میں ۹۶ صفحات کے بعد (یعنی جلد ۵ ص ۱۹۷-۱۹۸) (۱۸۷۸) ایک باب قائم فرما رہے ہیں کہ: ”ذکر ما يستحب للمصلي رفع اليدين عند قيامه من الركعتين من صلاته“ اور اس باب میں حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے



مروی مرفوع روایت ”مالی اراکم رافعی ایلیکم کأنها أذنان خیل شمس اسکونوا فی الصلاة“ ذکر کر رہے ہیں، کریں قبول اور لاندہوں کو آج کے بعد بتائیں اور اپنے رسالہ میں بھی کریں اعلان کہ چار یا تین رکعتی نماز میں دو رکعت پڑھنے کے بعد رفع یدین کی ممانعت اس صحیح حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

ثالثاً: قارئین کرام! یاد رہے علیزئی کے پیش کردہ حوالہ کے بعد امام ابن حبان نے صحیح، صریح، مرفوع احادیث بھی نفی جہر کے بارے میں بیان کی ہیں مگر علیزئی نے صحیح، صریح، مرفوع روایات کے مقابلہ میں امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اپنی دلیل بنانے کی کوشش کی ہے، عام طور پر تو صحیح، صریح، مرفوع روایت کے مقابلہ میں اقوال و افعال صحابہ کو بھی حجت نہیں مانا جاتا اور کبھی اپنی مرضی کے مطابق ایک محدث کے قول کو صحیح، صریح، مرفوع احادیث اور جمہور کے خلاف بھی قبول کر لیا جاتا ہے، ان لاندہوں کی ایسی ہی حرکات کی وجہ سے ہم انہیں لاندہب کہتے ہیں جو کہ بالکل درست اور صحیح ہے۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: ”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد) کے عمل سے صراحۃً بسم اللہ بالجہر ثابت ہے اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم حدیث سے ثابت ہے الا یہ کہ استثناء کی کوئی صریح دلیل ہو۔ رضا خانیوں سے سوال ہے کہ آپ کے نزدیک یہ فاروقی عمل صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو تمہارا اعتراض مردود ہے اور اگر غلط؟ تو صراحت کے ساتھ لکھیں۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۷)

جواب: اولاً: علیزئی نے اس کا جواب اپنے ہی قلم سے یہ لکھ کر دے دیا ہے کہ ”الا یہ کہ استثناء کی کوئی صریح دلیل ہو“ پس اس بارے میں صحیح، صریح، مرفوع روایات موجود ہیں، لہذا ان کی موجودگی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی صحیح، صریح روایت اس

کے خلاف موجود ہے، جیسا کہ صحیح ابن حبان وغیرہ میں ہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے بھی میں نے نمازیں پڑھیں مگر ان سے بھی میں نے بسم اللہ بلند آواز سے نہیں سنی، لہذا علیزئی کے اپنے لکھے ہوئے الفاظ کے مطابق ہی یہ دلیل نہیں بن سکتی۔

ثانیاً: راقم الحروف کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ اس کے خلاف بھی مروی ہے اور اس کو صحیح، صریح، مرفوع احادیث کی تائید حاصل ہے، لہذا اسی کو ترجیح حاصل ہوگی۔

ثالثاً: آپ کے ایک لاندہب محمد داود ارشد نے لکھا ہے کہ: ”یہ طے شدہ اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ صحت سند سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ و کثیرا ما یکون الحدیث ضعیفا وواہیا و الاسناد صحیح (تدریب الراوی ص ۱۴۸ ج ۱) یعنی کئی ایسی احادیث ہیں جو نہایت درجہ ضعیف ہیں مگر (بظاہر) ان کی اسناد صحیح ہیں۔

(دین الحق بجواب جاء الحق ص ۹۲)

پس جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے اور اسے صحیح، صریح، مرفوع روایات کی تائید بھی حاصل ہے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بقول جناب کے داود صاحب اس کا متن صحیح نہیں ہے۔

☆ اس کے بعد علیزئی نے جہر اور سردنوں طرح پڑھنے کو اپنے نزدیک جائز قرار دیا ہے تو عرض یہ ہے کہ جن دلائل سے جہر کو جائز قرار دیا جا رہا ہے اسی نوعیت کے دوسروں کے دلائل سے ثابت افعال کو ناجائز کیوں قرار دیا جاتا ہے؟

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”۱۰) رفع یدین کا مسئلہ ثابت کر دیا گیا ہے



مگر اس کے جواب میں رضا خانی لاندہب نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

(الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ ص ۴۷)

**جواب:** علیزئی کا یہ لکھنا سیاہ جھوٹ ہے کہ یہ مسئلہ ثابت کر دیا گیا ہے اور اس کے جواب میں راقم نے کوئی دلیل نہیں پیش کی، بلکہ راقم الحروف نے براہین رضوی میں اپنے سوال کے مطابق لکھا تھا کہ: ”علیزئی صاحب! ایسے ویسے کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، اگر کوئی ایک ہی دلیل جناب کے پاس موجود ہے جو کہ مرفوع، صحیح اور صریح ہو، اور اس میں وفات تک کا ذکر ہو بیان کریں، لیکن وہ آپ کر نہیں سکتے۔“

جناب اپنے گھر بیٹھے جو چاہے لکھتے رہیں جیسے کہ: ”رفع یدین منسوخ یا متروک ہونے کا دعویٰ باطل ہے“ لکھنے سے تو باطل نہیں ہو جائے گا، باطل قرار دینے کے لئے ثبوت درکار ہو پڑتا ہے جو آج تک کوئی لاندہب بھی پیش نہیں کر سکا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ اگر ہمارے سوال کے مطابق جناب کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کریں مگر وہ جناب تاحیات پیش نہیں کر سکیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔ (دیکھئے براہین رضوی ص ۶۲-۶۳)

باوجود ہمارے مطالبہ کے علیزئی نے براہین رضوی کا جواب لکھتے ہوئے اس بارے میں کوئی دلیل پیش نہیں کی اور اُلٹا جھوٹ بول دیا کہ راقم الحروف نے اس کے جواب میں کوئی دلیل پیش نہیں کی، فی اللعجب۔

اس کے بعد علیزئی نے اپنی پرانی احمقانہ روش کو قائم رکھتے ہوئے صفحہ کا کچھ حصہ سیاہ کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے ذریعہ سے حدیث پیش کریں، اس کا صحیح ہونا امام ابو حنیفہ سے ثابت کریں، آپ یوسفی یا شیبانی نہیں وغیرہم۔

علیزئی صاحب! آپ اپنی اس احمقانہ روش کو ترک کر دیتے تو بہتر تھا، ورنہ یاد رکھیں کہ

جناب اپنے بارے میں اپنا دعویٰ مسلمانی بھی کبھی ثابت نہیں کر سکیں گے (ویسے تو مناظر اہل سنت، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد حنیف قریشی صاحب نے طالب۔۔۔ شاہ کے ساتھ مناظر میں ثابت کر دیا تھا کہ یہ گستاخ و بے ادب مسلمان نہیں ہیں، اور اب یہ مناظرہ تحریری شکل میں گستاخ کون؟ کے نام سے دستیاب ہے) کیونکہ جناب کے بڑے صرف قال اللہ اور قال الرسول کو ہی اپنی دلیل کہتے اور لکھتے رہے ہیں جیسا کہ نامور غیر مقلد، لاندہب احسان الہی ظہیر نے لکھا ہے کہ: ”شاہ ولی اللہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہلحدیث کی تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اُجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے، دوسری کسی چیز کو نہیں۔“

(دیکھئے فتاویٰ علمائے حدیث پر تبصرہ، ج ۸ ص ۸)

قول علیزئی: لکھا ہے کہ: ”(۱۱) اس جواب کا غلط ہونا رضا خانی سے بن نہیں پڑا اور نہ تو مولود فرقہ بریلویہ رضا خانیہ کے بانی احمد رضا خان کی عبارت کا کوئی جواب دیا ہے۔“

(الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۴۸)

**جواب:** اولاً: علیزئی لاندہب کا اس بارے میں لکھنا کہ اس کا جواب بن نہیں پڑا تو یہ نہ صرف جھوٹ پر مبنی ہے بلکہ حقیقت کا خون کرنے کے مترادف بھی ہے کیونکہ علیزئی لاندہب نے ہمارے سوال کے مطابق تو اس کا جواب دیا ہی نہیں تھا، ہمارا سوال اور علیزئی کا جواب، علیزئی لاندہب کے الفاظ میں ہی ملاحظہ فرمائیں:

”ایک صحیح صریح مرفوع غیر محتمل حدیث مرفوع پیش کریں کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم حدیث میں ہو؟“

الجواب: اگر کپڑا ہو تو سر ڈھانپ کر نماز پڑھنی چاہئے اور یہی بہتر ہے۔ دیکھئے میری کتاب



ہدیۃ المسلمین (حدیث نمبر: ۱۰) اور ماہنامہ الحدیث حضور: ۳۱ ص ۵۱۔ اگر کپڑا نہ ہو تو مرد کی نماز ننگے سر جائز ہے۔ سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ“ بے شک نبی ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی، آپ نے اس کے دونوں کناروں کو مخالف اطراف (کے کندھوں) پر ڈالا تھا۔

(صحیح بخاری: ۳۵۴)

تنبیہ: جواب میں صحیح بخاری پر اکتفا کرتے ہوئے صحیح مسلم کے حوالے کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ننگے سر نماز کے بارے میں احمد رضا خان بریلوی نے کہا: ”اگر بہ نیت عاجزی ننگے سر پڑھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں“ (احکام شریعت حصہ اول ص ۱۳۰)۔ (دیکھئے مقالات، ج ۲ ص ۱۰۸)

**جواب: الف:** قارئین کرام! ہمارا سوال براہین رضوی میں دو مقامات پر موجود ہے (۱) صفحہ ۶۳ (۲) صفحہ ۱۰۵ مگر ہمارے سوال کو نقل کرتے ہوئے علیزئی نے دوبارہ ”مرفوع“ کا لفظ اپنی طرف سے لکھا ہے جس کو بریکٹ میں کر دیا گیا ہے، اگر تو یہ کتابت یا کمپوزنگ کی غلطی ہے پھر تو ایسا ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں ہے، اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا گیا ہے تو یہ تحریف ہے۔

**ب:** ہمارا سوال تھا کہ کپڑا ہوتے ہوئے، مگر علیزئی لاندھب نے اس کے جواب میں یہ لکھ کر کہ یہی بہتر ہے ہمارے سوال کی تائید کر دی کہ ان غیر مقلدین کا فعل جو کپڑا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے پہلے آگے یا سائیڈ پر رکھ دیتے ہیں بہتر نہیں ہے، اور پھر بعد میں جو دلیل دی ہے اس کو لکھنے سے پہلے خود ہی لکھ دیا کہ ”اگر کپڑا نہ ہو تو مرد کی نماز ننگے سر جائز ہے“ ہمارے سوال میں کپڑا نہ ہونے کے بارے میں جواب کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ کپڑا ہونے کی صورت میں ننگے سر نماز پڑھنے کے جواب کا مطالبہ تھا، لہذا علیزئی کا غیر متعلق

دلیل دینا، پھر اس کے جواب کا مطالبہ کرنا ایک احمقانہ حرکت ہے۔

**ج:** براہین رضوی میں اس کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ: ”علیزئی صاحب! آپ نے مذکورہ بالا عبارت لکھ کر اس بات کو خود ہی تسلیم کر لیا ہے کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ یہ بہتر نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے۔“

آگے لکھا ہے کہ ”اگر کپڑا نہ ہو تو مرد کی نماز ننگے سر جائز ہے“

**اقول:** ہمارے سوال میں کپڑا نہ ہونے کا نہیں بلکہ کپڑا ہوتے ہوئے کا ذکر ہے۔

آگے علیزئی نے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث لکھی ہے جس کے بارے میں ”ڈھول کا پول“ میں تفصیل گزر چکی ہے۔

یہاں پر صرف مختصر عبارت عبد الجبار غزنوی، اور محمد داؤد غزنوی کے حوالہ سے لکھی جاتی ہے جو کہ ان لاندھبوں کے لئے قابل غور ہے جو لاندھبوں کی اس بارے میں وکالت کرتے ہیں: ”۔۔۔ ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جبکہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجزی کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں یہ صراحت یہ مذکور ہو کہ نبی ﷺ نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو۔ اس لئے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیئے، اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبد اور خضوع اور خشوع و عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصائے کے ساتھ تہبہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے، تعبد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ ولا یاتون الا وہم کسالی (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر)

غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ (الاعتصام جلد ۱۸ اش ۱۸ بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ۳/۲۹۱)



پس اب علیزئی اور اس مسئلہ میں اس کے ہمنوا اپنے ہی بزرگوں سے پوچھیں کہ ہم جو اس پر دلائل تلاش کر کر کے لوگوں کو فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اسی عہد اول سے تعلق رکھنے والی روایات کا سہارا لے کر اس مسئلہ میں جواز فراہم کر رہے ہیں، ہم کس کھاتے میں ہوئے؟۔۔۔

اور بالخصوص وہ لاندہب مولوی یا عوام جو کپڑا ہونے کے باوجود جب نماز پڑھنے یا پڑھانے لگتے ہیں تو سر پر لیا ہوا بھی اتار کر آگے رکھ لیتے ہیں، کن میں شامل ہیں؟

(دیکھئے براہین رضوی ص ۶۳-۶۴)

قارئین کرام! علیزئی لاندہب کا جھوٹ آپ کے سامنے ہے، راقم الحروف نے براہین رضوی میں انہی کے مولوی کی عبارت لکھی تھی جو شاید علیزئی کی سمجھ میں نہیں آئی، علیزئی صاحب ہمارے سوال کے مطابق جو آدی کپڑا پاس ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھے گا کم از کم اس کی نماز جناب کے بزرگوں کے بقول مکروہ ہوگی اور اگر سستی و کاہلی کی وجہ سے ایسا کرے گا تو۔۔۔۔

راقم الحروف نے اپنے جواب میں یہ بھی لکھا تھا کہ: آگے علیزئی نے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث لکھی ہے جس کے بارے میں ”ڈھول کا پول“ میں تفصیل آرہی ہے کیا براہین رضوی میں جناب کو ”ڈھول کا پول“ نظر نہیں آیا؟ خیر لیجئے ہم اس کی وہ عبارت جس میں جناب کے بزرگوں نے ہی اس کا جواب دیا ہے وہ اب نقل کر دیتے ہیں، آپ کے بزرگوں کے نزدیک ہی جناب کو اس حدیث کے سمجھنے میں غلطی لگی ہے، ملاحظہ ہو:

مولوی محمد اسماعیل سلفی لاندہب، غیر مقلد کا فتویٰ

سوال: بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دینی اور کوئی عذر بھی نہ

ہو اور ہمیشہ اس طرح نماز پڑھنا، اگرچہ فرض نماز باجماعت مسجد میں ہو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہؓ سے ثبوت ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو عبارت مع صفحہ تحریر فرمادیں۔

(۲) ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانک کر اگر سر ڈھانک کر نماز پڑھنی افضل ہے تو

اس کی دلیل پیش فرمائیے گا؟۔ (عبداللہ خطیب جامع مسجد اہل حدیث ڈیرہ غازی خان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: وباللہ التوفیق: متذکرہ صدر رسوال پر تین وجوہ سے غور کیا جاسکتا ہے۔

(۱) مطلق جواز اور اباحت کے لحاظ سے

(۲) افضلیت یعنی آل حضرت اور صحابہ کے عام عمل کے لحاظ سے۔

(۳) حرمت اور عدم جواز کے لحاظ سے۔

نماز میں ستر مغلط (شرمگاہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق ضروری ہے، ان میں سے اگر کوئی حصہ ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی اور ان اعضاء کو ننگا رکھنا شرعاً حرام ہے۔ بہر بن حکیم سے مروی ہے:

اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ الْاِمْنُ زَوْجَتَكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ۔ (رواہ الحمۃ الا النسائی)

بیوی اور مملوکہ کے عوا اعضاء ستر دیکھنے کا کسی کو موقع نہ دے۔

نوٹ: امام ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے اس روایت کو ”عن بہز بن حکیم عن اُبیہ عن جدہ“ وہو

معاویہ بن حیدہ“ کی سند سے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے صرف اس روایت کی

طرف اشارہ فرمایا ہے ترجمہ میں، مگر امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا، بلکہ بہز بن حکیم

سے روایت لی ہی نہیں، کذا فی التقریب ۱۰۳

شوکانی فرماتے ہیں: ”والحق وجوب ستر العورة في جميع الاوقات الا وقت



قضاء الحاجة واقضاء الرجل الى أهله۔ ۱ھ (نیل الوطار ص ۶۳ ج ۲) حدیث میں اہل علم مختلف ہیں جمہور ناف سے گھٹنے تک ڈھکنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض صرف ران ڈھانپنا واجب سمجھتے ہیں۔ امام احمد اور امام مالک سے ایک روایت میں آیا ہے العورة القبل والدبر۔ (نیل الوطار ص ۶۳)

غرض ستر کی جو حد بھی اہل علم کے نزدیک ہے اگر اسے نگار کھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ اعضاء ستر کو ویسے بھی نگار کھنا درست نہیں۔ نماز میں تو قطعاً حرام اور ناجائز ہوگا۔ سر چونکہ بالاتفاق اعضاء ستر میں نہیں اس لئے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق جائز ہوگی۔ اس کے لئے نہ بحث کی ضرورت ہے نہ احادیث کی ٹٹول کی ضرورت۔ جس طرح کوئی پنڈلی، پیٹ، پشت وغیرہ اعضاء ننگے ہوں تو نماز جائز ہے۔ سر ننگے بھی درست ہے۔ لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیے۔ امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف کرے یا مقتدی کوئی ایسی حرکت کریں، حدیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن عقل مند ایسا کرنے سے پرہیز کرے گا۔ ننگے سر کی عادت بھی قریباً اسی نوعیت کی ہے۔ جواز کے باوجود ایسی عادات عقل و فہم کے خلاف ہیں۔ عقلمند اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آنحضرت، صحابہ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متواتر اور معمول بہا ہے۔ کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو، خصوصاً باجماعت فرائض میں، بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

امام بخاری فرماتے ہیں: ”باب وجوب الصلوة في الثياب وقول الله تعالى خذو زينتكم عند كل مسجد ومن صلى ملتحفاً في ثوب واحد ويذكر

عن سلمة بن الأكوع ان النبي ﷺ قال برك و لو بشركة في اسناده نظر

الخ۔ (صحیح بخاری مع فتح مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۳۱۸)

امام بخاری کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضاء ستر ڈھانپنے کے علاوہ اچھے کپڑوں میں ادا کی جائے۔ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے۔ کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کی جائے، تو سرنگا رہے گا۔ حالاں کہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جاسکتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث ام ہانی، ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ، سلمہ بن اکوع، عمر بن ابی سلمہ، طلق بن علی وغیرہ سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد وغیرہ دو اہل سنت میں موجود ہیں لیکن کسی میں سرنگار کھنے کا ذکر نہیں، خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو، پھر احادیث میں آں حضرت ﷺ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو صرف اظہار جواز کے لئے ہے۔ یا کپڑوں کی کمیابی کی وجہ سے۔ ان حالات سے جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے۔ سنت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے: ”او لکلکم ثوبان (ابوداؤد ص ۲۴۰) طلق کی روایت میں ہے: ”او کلکم یجد ثوبین“ (ابوداؤد مع عون ج ۱ ص ۲۴۱) کیا سب کو دو کپڑے میسر آسکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اثر میں مزید تفصیل ملتی ہے، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں:

قام رجل الى النبي ﷺ فسأله عن الصلوة في الثوب الواحد فقال او كلکم یجد ثوبین ثم سئل رجل عمر فقال اذا وسع الله فوسعوا جمع رجل علیه ثیابه صلی رجل فی ازار و رداء فی ازار و قمیص فی ازار و قباء فی سراویل و رداء فی سراویل و قمیص فی سراویل و قباء فی ثوب واحد و یذكر



وقميص قال و احسبه في تبان ورداء۔ (صحیح بخاری ص ۲۲۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک آدمی نے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ وسعت دے تو نماز میں بھی وسعت سے کام لینا چاہیے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حسب استطاعت نماز میں لباس کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد حکم ہو یا صرف خبر اس میں کپڑوں کی قلت اور عدم استطاعت صراحۃً سمجھ میں آتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے کپڑے میسر ہو سکیں اور کوئی مانع نہ ہو تو تکلف سے مسکنت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

ابن مزیر فرماتے ہیں: ”الصحيح انه كلام في معنى الشرط كانه قال ان جمع رجل عليه ثيابه فحسن اه (فتح ج ۱ ص ۳۲۴) اگر ایک سے زائد کپڑے نماز میں استعمال کر لے تو بہتر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وفي هذا الحديث دليل على وجوب الصلوة في الثياب لما فيه من ان الاقتصار على الثوب الواحد كان لضيق الحال وفيه ان الصلوة في الثوبين [في الاصل: في الثوبين] افضل من الثوب الواحد وصرح القاضى عياض نبفى [في الاصل: نبفى] [الخلاف في ذلك اه۔ (فتح الباری ص ۳۲۲) اس حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ (مستطیع کے لئے) زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ کیوں کہ ایک کپڑے کی اجازت صرف ضیق کی وجہ سے تھی اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نماز میں دو کپڑے استعمال کرنا افضل ہے۔ غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں، محض بے عملی یا بد عملی یا کس کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے۔ بلکہ جہلاء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے ابن عمرؓ آں حضرت ﷺ سے ذکر فرماتے ہیں۔

اذا صلى احدكم فليانزول وليوته [في الاصل: وليرتد]۔ ۵۱۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۳۵) نافع فرماتے ہیں عبد اللہ بن عمرؓ مرفوعاً فرماتے تھے: اذا صلى احدكم فليلبس ثوبيه فان الله عز وجل احق ان يرين [في الاصل: يزين] له الخ (سنن کبریٰ)

نافع فرماتے ہیں عبد اللہ بن عمرؓ نے مرفوعاً فرمایا نماز دو کپڑوں میں پڑھو۔ اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ نافع فرماتے ہیں میں ایک دن اونٹوں کی گھاس کے سلسلہ میں نماز سے پیچھے رہ گیا، عبد اللہ بن عمرؓ آئے تو میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا حضرت عبد اللہ نے فرمایا کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں؟ میں نے عرض کیا، دو ہی موجود ہیں آپ نے فرمایا:

”أرئيت لو بعثتك الى بعض أهل المدينة أكنت تذهب في ثوب واحد؟ قلت لا قال فالله أحق ان يتجمل له؟ الخ (تہقیق سنن ص ۲۳۶) اگر میں مدینہ میں کسی کے پاس تمہیں بھیجتا تو تم ایک کپڑے میں جاتے؟

میں نے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔

ان احادیث میں سر ڈھانپنے کی صراحت نہیں لیکن دو کپڑوں سے سر ڈھانپنے کا زیادہ امکان ہو جاتا ہے۔ کپڑا موجود ہو تو سر ننگے نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے۔ نیز یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ آیت خذوا زينتكم کے مضمون سے بھی اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

ابوداؤد میں ایک اثر ہے جس سے شاید کوئی کم سواد آدمی استدلال کرے۔ حدثنا عبد الله



بن محمد الزهری ثنا سفیان بن عیینہ قال رأیت شریکا صلی بنا فی جنازة العصر فوضع قلنسوته بین یدیه یعنی فی فریضة۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۶ مع عون)  
یعنی شریک نے فرضوں کی نماز بوقت عصر ٹوپی اتار کر پڑھی اور ٹوپی اپنے سامنے رکھی۔ اہ  
اول تو یہ نہ مرفوع حدیث ہے۔ نہ کسی صحابی کا اثر۔ دوم معلوم نہیں، یہ شریک کون بزرگ ہیں  
شریک بن عبداللہ نخعی تبع تابعی ہیں یا شریک بن عبداللہ بن ابی نمر تابعی۔ ان دونوں میں کم و  
بیش ضعف ہے۔ لیکن یہ ان کا عمل ہے جو کسی طرح بھی قابل حجت نہیں۔

سوم امام ابوداؤد نے اسے باب الحظ [فی الاصل: الخط] اذا لم یجد عصا میں  
ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہاں ضرورتاً سرنگا رکھا گیا ہے کیوں کہ جب انہیں  
سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو انہوں نے سترہ کا کام ٹوپی سے لے لیا۔ ضرورت اور عذر سے  
سرنگا رکھا جائے تو اس میں بحث نہیں، بحث اس میں ہے کہ فیشن اور عادت کے طور پر نماز  
میں سرنگا رکھنا کہاں تک درست ہے؟ حافظ عینی نے شرح بخاری میں مختلف مذاہب کے  
ذکر میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ایک کپڑے میں  
درست ہے لیکن جب وسعت ہو کپڑے میسر آسکیں تو پھر ایک پر اقتصار مستحسن نہیں۔

حافظ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں الفصل الثانی فی فضیلة وهو ان یصلی فی  
ثوبین او اکثر فانه اذا بلغ فی الستر یروی عن عمر انه قال اذا وسع الله  
فاوسعوا۔ اہ (ص ۶۲۱) مفتی فی الاصل: معنی ابن قدامہ مع الشرح یعنی فضیلت اس  
میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز ادا کرے کیوں کہ اس میں ستر اور پردہ زیادہ  
ہوگا۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے۔ جب اللہ مال میں وسعت فرمائیں تو آدمی کو وسعت سے کام  
لینا چاہیے اس کے بعد تہی کا قول ذکر فرمایا ہے۔ الثوب الواحد یجزی والثوبان

احسن والاربع اکمل قمیص و سراویل و عمامة و ازار اہ۔ (ابن قدامہ ص  
۶۲۱) ایک کپڑا جواز نماز کے لئے کافی ہے دو کپڑے بہتر ہیں چار ہوں تو نماز اور کامل ہو  
گی۔ قمیص، پاجامہ، پگڑی اور ازار۔

ان تمام گزارشات سے مقصد یہ ہے کہ سرنگا رکھنے کی عادت اور بلا وجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں  
یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔ آنحضرت ﷺ کے  
زمانہ میں پگڑی کے متعلق تحیہ کا رواج تھا یعنی پگڑی کا ایک لپیٹ گردن کے نیچے سے  
باندھتے تھے آج کی عربی پگڑیاں اور ہماری پگڑیاں اس وقت کی پگڑیوں سے وضع میں  
مختلف ہیں ایسی پگڑی کا اتارنا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ وللتفصیل وقت اخر۔  
ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے اگر اس جنس لطیف سے طبیعت  
محروم نہ ہو، تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس  
سے الگ ہے۔ والسلام۔ (فتاویٰ علماء حدیث ج ۴ ص ۲۸۶ تا ۲۸۹)

علیزئی صاحب! دیکھ لیں کہ جناب کے بزرگ نے تو جہالت، بد عملی، بے عملی اور قلت عقل  
جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں، راقم الحروف اگر اس کی تشریح کر کے جناب کے بارے میں  
وضاحت کرے گا تو جناب کو شکایت نہیں بلکہ شکایتیں ہوں گی، مشورہ پر عمل کرنا اور اپنے بزرگ  
کی عبارت میں غور و فکر کرنا، فائدہ مند ثابت ہوگا۔ علیزئی صاحب اگر ابھی بھی تسلی نہ ہوئی ہو تو  
اپنے سلف البانی کا اس بارے میں کلام بھی ”تمام الممتہ ۱۶۴-۱۶۵“ پر سے پڑھ لیجئے گا۔

ثانیاً: علیزئی کا اس کے بعد یہ لکھنا کہ: ”نہ نو مولود فرقة بریلویہ رضا خانہ کے بانی احمد رضا  
خان کی عبارت کا کوئی جواب دیا ہے۔“ علیزئی کا یہ الفاظ لکھنا اہل سنت پر بہتان تراشی ہے،  
انہیں فرقة بریلویہ رضا خانہ لکھا، جب کہ علماء اہل سنت نے بالعموم اور خاص کر حضرت علامہ



مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب نے اس بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے کہ بریلوی کوئی فرقہ نہیں ہے اور نہ ہی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کسی نئے فرقہ کے بانی ہیں، لہذا لا مذہب کا یہ سراسر بہتان ہے، جس سے اہل سنت اور امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ بری ہیں باقی رہا ”احکام شریعت“ کا مسئلہ تو اس بارے میں علماء اہل سنت میں اختلاف ہے کہ آیا یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے یا کہ نہیں، اس لئے اس کی ذمہ داری اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ڈالنا درست نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں فتویٰ ”فتاویٰ رضویہ“ میں موجود ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے سائل کے سوال کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہاء کے اس بارے میں اقوال کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ کی سنت کریمہ نماز مع کلاہ و عمامہ ہے اور فقہاء کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کو تین قسم کیا ہے، اگر بہ نیت تواضع و عاجزی ہو تو جائز اور بوجہ کسل ہو تو مکروہ اور معاذ اللہ نماز کو بے قدر اور ہلکا سمجھ کر ہو تو کفر، جب مسلمان اپنی نیت تواضع بتاتے ہیں تو اسے نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، مسلمان پر بدگمانی حرام ہے ننگے سر رکھنے کا احرام میں حکم ہے اور اس حالت میں شبانہ روز برابر سر بر ہنہنا حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام سب سے ثابت، بغیر اس کے ننگے سر کی عادت ڈالنا کوچہ و بازار میں اسی طرح پھرنا نہ ہرگز ثابت ہے نہ شرعاً محمود بلکہ وہ مجملہ اسباب شہرت ہے اور ایسی وضع جس پر انگلیاں اٹھیں شرعاً مکروہ، مجمع البحار وغیرہ میں ہے: ”الخروج عن عادة البلد شهرة ومكروه“ اہل شہر کے معمول سے نکلنا شہرت اور مکروہ ہے، صوفیہ کرام کا اس بارے میں کوئی قول اس وقت ذہن میں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۳۸۹، جدید)

لہذا اس بات کو آپ کی طرف منسوب کرنا اور کہنا کہ اعلیٰ حضرت نے کہا ہے غلط ہے کیونکہ

آپ تو فقہاء کے اقوال کو نقل کر رہے ہیں جس کا سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا تھا کہ احادیث شریفہ و فقہ سے اس کی کراہت ثابت ہے یا نہیں؟۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: (۱۲)۔ ”عباس رضوی کے مسخرے پن کا جواب الحدیث حضور میں شائع شدہ ہے (عدد ۵۶ ص ۲۸) (الحدیث شمارہ ۸۶ ص ۲۸)

جواب: ہمارے سوال میں نہ تو کوئی مسخرے سے کام لیا گیا تھا اور نہ ہی کوئی غلط بیانی کی گئی تھی بلکہ عام وہابی لاندہوں کے نماز پڑھنے کے طریقے کو مد نظر رکھ کر سوال کیا گیا تھا، مگر علیزئی کو یہ ”مسخر اپن“ محسوس ہوا، مگر بھول گئے کہ اس کی غلط بیانی اور بے شرمی کا جواب بھی براہین رضوی میں شائع شدہ ہے۔ (براہین رضوی ۶۵)

☆ اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”اور رضا خانی لاندہب کا یہ کہنا کہ اہل حدیث نماز میں بالخصوص یوں ہی کھڑے ہوتے ہیں، غلط ہے۔ ہم تو نماز میں کبھی پاؤں دود و فٹ کھول کر کھڑے نہیں ہوتے اور اگر (فرض کر لیا جائے کہ) کسی ایک آدھان پڑھ یا ناواقف نے عباس رضوی کے سامنے ایسا عمل کیا تھا تو اس کے ذمہ دار اہل حدیث علماء نہیں، کیونکہ کسی اہل حدیث عالم نے یہ نہیں کہا کہ پاؤں دود و فٹ کھلے کر کے کھڑے ہو جاؤ۔

(الحدیث: ۸۶ ص ۲۸)

جواب: اولاً: علیزئی یاد رکھو کہ جس کو حقیقت کا علم ہو وہ غلط بات کو تسلیم نہیں کرتا، ہمیں علم ہے کہ تمہارے اباؤ اجداد نے اپنے لئے اہل حدیث کا نام کس سے الاٹ کر دیا تھا، راقم الحروف نے لاندہب لکھا تھا جو اصل حقیقت تھی مگر تم نے میری عبارت میں تحریف کر کے سابقہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے خائن ہونے کا ثبوت دوبارہ فراہم کر دیا۔

ثانیاً: یہ بات غلط نہیں بلکہ عام وہابیوں لاندہوں کو دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ نماز میں اسی



طرح کھڑے ہوتے ہیں جس کی تمہارے پورے خاندان نجد کے پاس کوئی غیر صریح دلیل بھی نہیں کہ تم اس کے جواب میں جواز قائم کر سکو، اس لئے تو اسے آپ جناب نے مخراپن کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی ہے۔

ثالثاً: فرض کر لیا جائے اور کسی ایک آدھان پڑھ وغیرہ لکھ کر علیزئی نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ ہمارے ہی ہیں جو اس طرح کرتے ہیں۔

☆ اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”اول تو بد عقیدہ متروک و مجروح رضا خانیوں کی اہل حدیث کے خلاف گواہی مردود ہے اور اگر ایسا واقعہ کہیں ہوا ہو تو ہم اس سے بری ہیں۔ بہت سے بریلوی رضا خانی لوگ داڑھیاں منڈاتے ہیں اور اپنی عورتوں (زنان عاشقان اولیاء!!) کو قبروں پر لے جاتے ہیں، جہاں وہ عورتیں قسماً قسم کی شرکیہ حرکات کرتی ہیں تو کیا خیال ہے اس کے ذمہ دار رضا خانی مذہب کے تمام علماء ہیں۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۸)

**جواب:** اولاً: الحمد للہ! اہل سنت کے عقیدہ میں تو کسی مسلمان کو بھی شک نہیں ہے اگر جناب جیسا کذاب و خائن، ناپاک و نافر جام، ازلی مردود و محروم، خائب و خاسر، جملہ گستاخان نجد کا نمائندہ ایسی باتیں کرے تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں آئے گا، البتہ جناب کی گواہی واقعاً مردود و باطل ہی قرار پائے گی کیونکہ کذاب کی گواہی قبول نہیں ہوتی اور اس کی وضاحت پچھلے اوراق میں کی جا چکی ہے اسی طرح فاجر العقل کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہوتی اور جناب کا محض الحواس، مختل الحواس ہونا ہم نے پچھلے اوراق میں واضح کر دیا ہے، اگر ضرورت محسوس ہوگی تو ابھی بہت کچھ ظاہر کرنے کے لئے راقم الحروف کے پاس موجود ہے جو ان شاء اللہ العزیز وقت آنے پر ظاہر کر کے ثابت کیا جائے گا۔

ثانیاً: علیزئی نے یہ لکھ کر کہ: ”اگر ایسا واقعہ کہیں ہوا ہو تو ہم اس سے بری ہیں۔“

واضح کر دیا کہ ایسا کرتے ہمارے ہی ہیں مگر ہم اس سے بری ہیں گویا کہ مان لیا کہ جہاں کہیں بھی ہمارے لامذہب ایسا کرتے ہیں وہ غلط ہیں، ابھی بہت کچھ مانو گے ان شاء اللہ العزیز۔

ثالثاً: علیزئی کا یہ لکھنا کہ: ”بہت سے بریلوی رضا خانی لوگ داڑھیاں منڈاتے ہیں“ کیا علیزئی نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس کے بارے میں عبدالرشید عراقی غیر مقلد، لامذہب و ہابی لکھتا ہے کہ: ”حدیث نبوی ﷺ سے بہت زیادہ شغف اور عشق تھا اور حدیث کے معاملہ میں معمولی مداعت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔“

آگے لکھتا ہے کہ: ”جماعت اہل حدیث کو منظم اور فعال بنانے میں علامہ شہید کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔“ (دیکھئے چالیس علماء اہل حدیث صفحہ ۳۵ و ۳۶)

یعنی احسان الہی ظہیر مگر اس وہابیوں کے خطیب الاسلام نے ساری زندگی داڑھی کے ساتھ مذاق ہی کیا ہے جس سے ان کا حدیث نبوی ﷺ سے عشق تو ظاہر ہی ہے، مگر یاد رہے کہ علیزئی نے نور پوری کے حوالہ سے ڈاڑھی کٹوانے کو فرض اور واجب کی خلاف ورزی اور نافرمانی، حرام اور گناہ لکھا ہے، اب اپنے خطیب الاسلام کے بارے میں وہ خود غور کر سکتے ہیں کہ اس نے ساری زندگی کیا کیا ہے؟

اگر اہل سنت میں سے کوئی ایک مٹھی سے کم داڑھی کٹواتا ہے یا منڈواتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ ایک سنت کا تارک اور گناہ گار ہے جسے ہم نہ تو صحیح کہتے ہیں اور نہ ہی اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں مگر علیزئی کو شاید یہ علم نہ ہو کہ ان کی مساجد کے کئی صدر بھی داڑھی منڈے ہیں جس کی زندہ جاوید مثال راقم الحروف کے قریب دالی وہابیوں کی مسجد بھی ہے۔ اور یاد رہے کہ تمباکو، سگریٹ وغیرہ کو حرام قرار دینے کے باوجود اکثریت وہابیوں کی مساجد



کے ساتھ بنی ہوئی دکانیں جن کا مقصد مسجد کے معاملات و دینی معاملات کو مالی فائدہ دینا ہوتا ہے ان میں سگریٹ وغیرہ عام بیچے جاتے ہیں تو کیا خیال ہے حرام کی کمائی پر مسجدیں اور دین کی اشاعت جائز ہے؟۔

رابعاً: علیزئی کا یہ لکھنا کہ: ”اپنی عورتوں (زنان عاشقان اولیاء!!) کو قبروں پر لے جاتے ہیں جہاں وہ عورتیں قسمائیں کی شرکیہ حرکات کرتی ہیں“ الحمد للہ! علماء اہل سنت نے اس بارے میں اپنے نظریات کو اپنی تحریروں میں بیان کیا ہے جن میں سے کسی بھی قابل اعتماد شخصیت سے راقم الحروف کے علم میں اس کے جواز کے بارے میں کوئی کلام بھی موجود نہیں، بلکہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں مستقل ایک رسالہ بنام ”جمل النور فی نہی النساء عن زیارة القبور“ لکھا ہے جو کہ علیحدہ شائع ہونے کے ساتھ ساتھ ”فتاویٰ رضویہ جدید جلد نمبر ۹ ص ۵۴۱ سے لے کر ۵۶۲“ تک موجود ہے۔ بقیہ رہا یہ مسئلہ کہ وہاں کیا کیا ہوتا ہے اور کون کون کرتا ہے اس پر ہم کئی جناب کے مسلک والے اور وائیاں بھی دکھا سکتے ہیں، اور کیا کیا جناب کے بزرگوں نے شرک قرار دیا ہے؟ اور کس کس مسجد کا خطیب و امام وہی کام اپنی مسجد میں بیٹھ کر سرانجام دے رہا ہے اس کو اگر دیکھنا ہو تو ہمارے گوجرانوالہ میں وہابی مسجدوں کا چکر ضرور لگائیے گا، اور دیکھئے گا کہ زنان عاشقان مولویاں کہاں کہاں جمع ہو کر اپنی مشکلات کے حل کے حصول کی خواہاں بنی بیٹھی ہوتی ہیں۔

مگر یہ وہ باتیں ہیں جن کو کسی مسلک کے علماء بھی شاید جائز قرار نہ دیتے ہوں اور نہ ہی ایسی باتوں کو ایک علمی گفتگو میں لا کر کسی کے ذمہ تھونپنا اچھی بات ہے، مسئلہ تو صرف یہ تھا کہ بعض آپ جناب کے مسلکی لوگ یہ کام کرتے اور کہتے تھے کہ ہم صحیح حدیث کے علاوہ کوئی عمل

نہیں کرتے، ان کا یہ عمل درست نہیں تھا تو صاف لکھ دینا تھا کہ اس بارے میں کوئی صحیح، صریح، مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔

☆ اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”نمازیوں کا اپنے جسم کے مطابق کھڑے ہو کر ایک دوسرے کے پاؤں سے پاؤں ملانا تو احادیث صحیحہ و آثار صحابہ سے ثابت ہے لیکن اس کا مذاق اڑانا بے دینی اور گستاخی ہے“۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۸)

**جواب:** ملعون ہے وہ شخص جو نبی اکرم ﷺ کی سنت کا مذاق اڑاتا ہے مگر نماز پڑھتے ہوئے اس انداز میں کھڑا ہونا کہ خود بھی مشکل میں پڑے اور دیکھنے والوں کو بھی عجوبہ لگے یہ کہاں کا دین اور ادب ہے؟۔

☆ اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: آخر میں عرض ہے کہ عباس رضوی کو کہیں کہ وہ میدان میں آئیں اور ہمارے بارہ جوابی سوالات کے مطابق سوالات لکھیں اور اس کے بعد ان کا ہر چیخ قبول ہے، جس کے لئے تمام شرائط فریقین کی رضا مندی سے پہلے طے ہوں گی“ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۸)

**جواب:** اولاً: علیزئی صاحب! جناب میں اتنا تو دم خم، کس بل اور ہمت مردانہ نہیں کہ ان کے خادم کے جواب کو مکمل لکھ کر اس کا جواب دے سکیں اور لگے ہیں مناظر اسلام مدظلہ العالی کو دعوت میدان دینے، ارے بندہ خدا! پہلے راقم الحروف کے لکھے ہوئے جواب کا تو جواب دے لیتے پھر بڑھکیں ہاں کتنے کہ وہ میدان میں آئیں تو شاید کوئی تجھے عقل مند بھی کہتا، راقم کی طرف سے لکھے گئے جواب کا اکثر حصہ تو بغیر سوچے سمجھے ہڑپ کر گئے جس کا جواب آپ جناب سے دیا نہیں جا سکا، اب لگے ہو مناظر اسلام کو دعوت میدان دینے۔ سنو! مثل مشہور ہے کہ: ”ذات دی کوڑھ کر لی اور تیراں نول چے“۔



ثانیاً: علیزئی جی! قبلہ مناظر اسلام مدظلہ العالی کی طرف سے کئے گئے پہلے سوالوں کے جواب تو دے نہیں سکے اور لگے ہیں انہیں مزید سوالات لکھنے کا مشورہ دینے، پہلے اپنے اوپر پڑا ہوا بھاری قرض تو اتار لو، بعد میں سننے کی بات بھی کر لینا، مگر یہ تم سے ہونہیں سکے گا، بلکہ پوری دنیا نے نجدیت و لامذہبیت بھی مل کر ایسا نہ کر سکے گی، ان شاء اللہ۔

ثالثاً: ”اس کے بعد“ کیا مطلب دم ختم ہو چکا کہ ان کا جواب دیے بغیر چیلنج کی باتیں کرنے لگے، ٹھیک ہے، ہم نے چیلنج کو بھی سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار ہیں مگر پہلے یہ تو لکھیں کہ میں ان کا جواب ان شرائط کے مطابق نہیں دے سکتا، پھر بتائیں کہ فلاں مسئلہ میں بات ہوگی تو ہم ان شاء اللہ العزیز اس بارے میں بھی شرائط کے لئے تیار ہیں۔

علیزئی جی! خالی بڑھکیں ہانک لینے سے کچھ نہیں بنتا، ہمیں جناب کی ہمت کا علم ہے کہ کتنی ہمت کے مالک ہو، سامنے آنے کے بعد تو ٹھہر نہ سکے، آج دور بیٹھ کر چیلنج کی باتیں یاد آ رہی ہیں۔

سنو! جناب نہیں تمہاری پوری ذریت نجد بھی اگر اپنے تمام نجدی آقاؤں کو ساتھ ملا کر ہمارے قائم کردہ سوالات پر جب چاہے جہاں چاہے، ہم ان کے ساتھ بات کرنے کو تیار ہیں، اگر جناب میں کوئی دم ختم ہے تو آئیے ہم دعوت میدان دیتے ہیں، لیکن یاد رکھنا کہ تم کیا پوری دنیا نے نجدیت مل کر بھی ان مسائل میں شرائط کے مطابق بات کرنا تو دور کی بات ہے، بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکی گی، جس کی واضح مثالیں ہمارے سامنے ہیں جن میں ایک انٹرنیٹ پر ہونے والی طالب۔۔۔ شاہ کے ساتھ گفتگو اور دوسری جناب کی ہمت، اگر اتنی ہمت تھی تو ادھر ادھر کی ٹامک ٹوئیاں مارنے کی بجائے سیدھا کہتے کہ ہم چیلنج قبول کرتے ہیں، مگر تمہاری ہمت نے اس سے جواب دے دیا، تبھی تو جناب نے لکھ دیا

کہ ”ہمارے بارہ جوابی سوالات کے مطابق سوالات لکھیں اور اس کے بعد ان کا ہر چیلنج قبول ہے“ یہ لکھتے ہوئے کیا سوچا تھا کہ شاید میرا بھرم میرا دم بھرنے والوں میں رہ جائے، علیزئی جی! نہیں، ہم اب دوبارہ کہتے ہیں کہ جناب کیا جناب کے تمام حواری و انصاری نہ صرف پاکستان سے بلکہ پوری دنیا سے مل کر آئیں، ہم ہر وقت ان مسائل میں بات کرنے کو تیار ہیں، آزمائش شرط ہے۔

رابعاً: راقم الحروف نے براہین رضوی کے آخر میں بھی لکھا تھا کہ: ”اگر جناب میں کوئی دم ختم ہے تو آئیے ہم پھر دعوت میدان دیتے ہیں، تشریف لائیں، اگر آنے میں کوئی قباحت محسوس کریں تو اپنے رسالہ میں شائع کر دیں کہ ہم نہیں تم آؤ اور وقت کا تعین بھی کر دو، ان شاء اللہ العزیز ہم آجائیں گے۔

اور ہاں یہ ذہن نشین رہے کہ کسی ایرے غیرے کی بات نہیں آپ جناب جو بزم خویش علی میدان کے بڑے شہسوار بنے ہوئے ہیں بات آپ سے ہوگی۔ جس میں انتظامی معاملات کی ہر قسم کی ذمہ داری جناب کو قبول کرنا ہوگی۔

اب آخر میں میں پھر یہ عرض کرتا چلوں کہ علیزئی لا مذہب نے جو سوالات اہل سنت احناف پر وارد کئے ہیں وہ صرف ہمارے اصول سے ناواقفیت کی وجہ سے کئے ہیں۔ پہلے وہ کتب اصول فقہ کو پڑھیں اور احناف کے اصول دیکھ کر سوال کریں، ہم ان شاء اللہ ان کی تشفی فرما دیں گے۔“ (براہین رضوی ۶۵-۶۶، بقرف)

علیزئی صاحب! چاہئے تو یہ تھا کہ آپ اس دعوت کو قبول کرتے اور اس کے بعد یا خود آتے یا ہمیں دعوت دیتے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ مذکورہ ۱۲ مسائل میں کون حق پر ہے، مگر آپ جناب نے ان بارہ سے جان چھڑانے کے لئے اپنے رسالہ میں چند اوراق مزید سیاہ کر



ڈالے مگر جواب پھر بھی نہ بن پڑا، اور راقم الحروف نے جو اصولی بات کی تھی کہ ہمارے اصول و قواعد کے مطابق ہم سے سوال کریں ہم جواب دیں گے اس کا بھی کوئی جواب دیے بغیر جناب نے اپنی تحریر میں پھر اسی طرح بے اصولی کا مظاہرہ کیا کہ امام صاحب سے صحیح سند اور تصحیح وغیرہ ثابت کریں۔

اللہ کے بندے! ہمارے اصول کی کس کتاب میں لکھا ہے کہ احناف صرف اور صرف امام اعظم ابوحنیفہ ہی کی سند اور تصحیح کو تسلیم کرتے ہیں؟

ہم نے تو تمہارے بیان کردہ اصولوں کے مطابق سوالات کئے تھے مگر تم ان کا بھی جواب نہ دے سکے، حیلہ بہانہ کرنے کی ضرورت نہیں، یا تو ان تمام کے بارے میں لکھو کہ ہمارے وہ بزرگ اور علماء و مولوی جاہل تھے اور ہیں جو صرف اور صرف کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ و صریحہ و مرفوعہ کا راگ الاپتے ہیں، مگر تم سے کچھ ہونہ سکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

نہ خنجر اٹھے گا، نہ تلوار تم سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ہاں! یاد رکھنا بڑی شرائط عائد کرتے ہوئے جواب کو ”قابل مسموع“ سمجھتے ہو، اب تمہاری طرف سے دیا گیا وہی جواب قابل سماعت تصور کیا جائے گا، جس میں براہین رضوی اور اس جواب میں راقم الحروف نے جو عبارات لکھی ہیں ان کو مکمل نقل کر کے جواب دو گے، وما علينا الا البلاغ۔

محمد ارشد مسعود

27\09\2011



# ہماری مطبوعات

